مافیا

PDFBOOKSFREE.PK

6

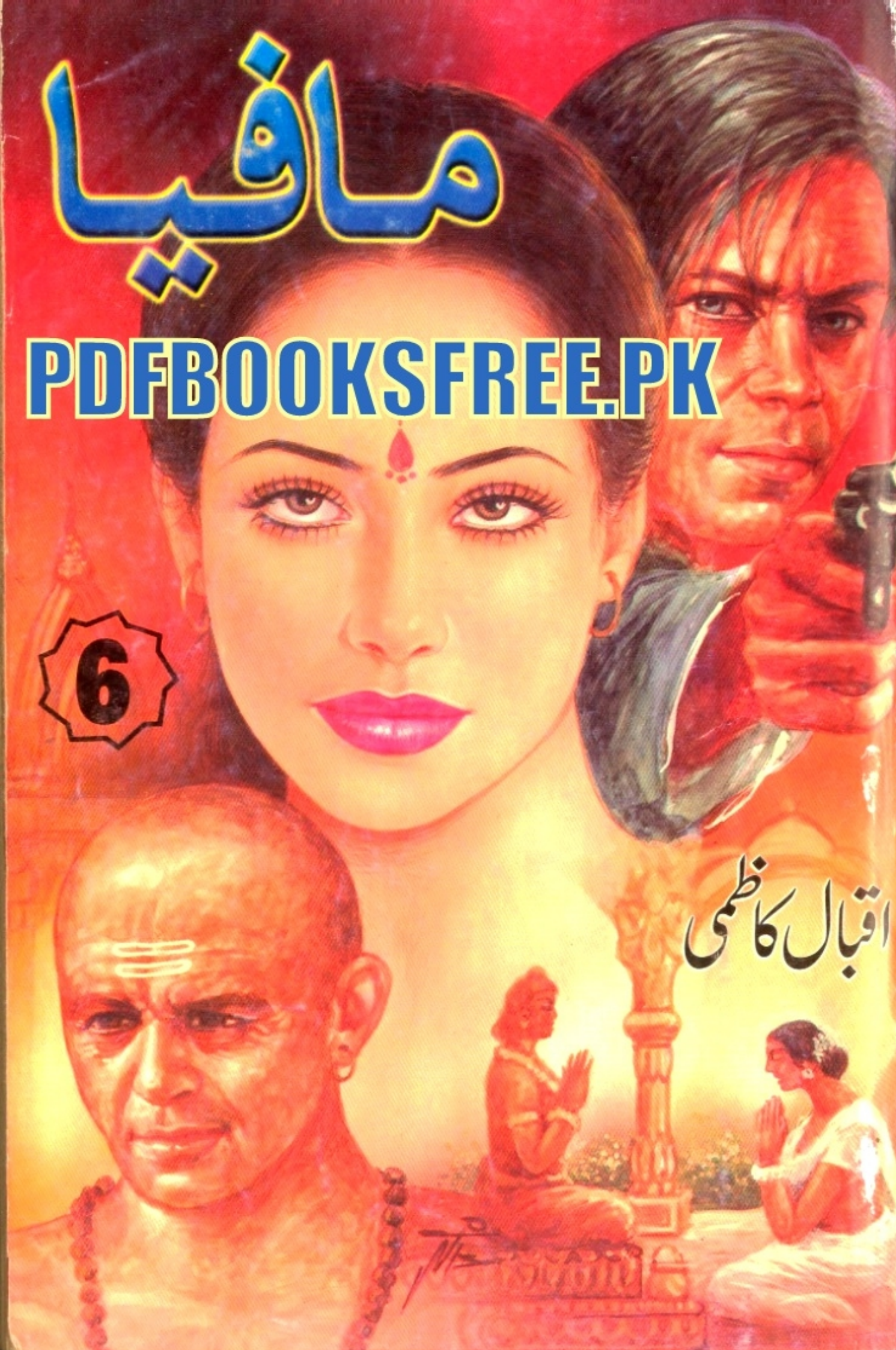

اقبال کاظمی

پتھر کی طرح سخت، موت کی طرح بے رحم ایک شعلہ جوالا شخص کی داستان
جو لطیف جذبوں سے آشنا تھا، لیکن معاف کرنا اُس کی فطرت میں شامل نہیں تھا

3267/6
SHAHEEN LIBRARY
SAHIWAL

مافیا

6

تحریر: اقبال کاظمی ——— راوی: نظیر محمد ناجی

اسٹاکسٹ
مکتبہ القریش ◎ سرکلر روڈ
اردو بازار، لاہور۲۔ فون: ۷۶۶۸۹۵۸

Azam & Ali
aazzamm@yahoo.com
aleeraza@hotmail.com

aazzamm@yahoo.com

Azam & Ali

aazzamm@yahoo.com
aleeraza@hotmail.com

جملہ حقوق محفوظ ہیں

باراوّل ——— 2003ء
ناشر ——— محمد علی قریشی
مطبع ——— نیر اسد پریس لاہور
سرورق ——— ذاکر
کمپوزنگ ——— نوید بٹ
قیمت ——— -/60روپے

3267/6

میں نے دونوں تھیلے خالی سوٹ کیس میں رکھے اور ان کے اوپر اپنے اور نرگس کے کپڑے اٹھا کر ڈالنے لگا۔ نرگس لباس پہن چکی تھی۔ اس پر کمبل بھی اوڑھ لیا تھا اور اب وہ ڈریسنگ ٹیبل سے اپنی کچھ چیزیں اٹھا اٹھا کر سوٹ کیس میں ڈالنے لگی تھی۔ گو کہ نرگس اب بھی ہولے ہولے کانپ رہی تھی لیکن اس کا اس طرح متحرک ہو جانا اچھی علامت تھی۔

سوٹ کیس پیک کر کے میں کمرے سے باہر آ گیا۔ اور پورے گھر کا جائزہ لینے لگا۔ انہوں نے تلاشی لینے کیلئے گھر کی ہر چیز کو الٹ پلٹ کر کے رکھ دیا تھا۔ باورچی خانے کا سامان بھی بکھرا ہوا تھا۔

میں دوبارہ کمرے میں آ گیا۔ میں نے سوٹ کیس اٹھایا اور نرگس کو اشارہ کرتا ہوا کمرے سے باہر آ گیا۔ نرگس اپنے آپ کو کافی حد تک سنبھال چکی تھی۔ لاؤنج میں آ کر ہم رک گئے۔ بلا ہوش میں آ چکا تھا اور اپنے ہاتھوں اور پیروں کی بندشیں کھولنے کیلئے کسمسا رہا تھا۔ اس کے منہ میں کپڑا ٹھنسا ہوا تھا۔ وہ کچھ بول تو نہیں سکتا تھا البتہ اس کی آنکھوں میں جیسے چنگاریاں سی پھوٹ رہی تھیں۔ میں نے سوٹ کیس رکھ دیا اور آگے بڑھ کر اس کے منہ سے کپڑا نکال دیا۔

''رنڈی۔'' وہ نرگس کی طرف دیکھ کر غرایا۔ ''تمہیں میں نے پہچان لیا ہے اور تمہیں تو میں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ تمہارا وہ حشر کروں گا کہ مرتے دم تک یاد رکھو گی۔''

نرگس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ اس نے آگے بڑھ کر بلے کے سینے پر زوردار ٹھوکر ماردی اور اس کے منہ پر تھوک دیا۔

''تم تو بہت بڑے بدمعاش ہو۔'' میں نے بلے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''لیکن اب یہ ثابت ہو گیا ہے کہ تمہاری بدمعاشی صرف عورتوں تک محدود ہے۔ اس رات بھی تم نے ایک بے بس اور مجبور عورت پر ہی بدمعاشی دکھانے کی کوشش کی تھی اور اس وقت بھی اس عورت کو دھمکی دے کر تم نے ثابت کر دیا ہے کہ تم میں مردوں کا سامنا کرنے کی ہمت نہیں ہے اور یہ بات بھی تم نے اس روز بھٹی پارک میں ثابت کر دی تھی جب میرے دو ہاتھ کھانے کے بعد بھاگ نکلے تھے۔''

''تم اپنے آپ کو بہت بڑا بدمعاش سمجھتے ہو نا۔'' اس مرتبہ وہ میری طرف دیکھتے ہوئے غرایا۔ ''لیکن تمہیں بھی دیکھ لوں گا۔''

''میں بڑا بدمعاش ہوں تم سے اور تمہارے ساتھیوں سے تو یقیناً بڑا بدمعاش ہوں۔ اس کا

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

ثبوت یہ ہے کہ تم اس وقت میرے سامنے بے بس پڑے ہوئے ہو۔" میں نے کہا۔ "بدمعاشی کیلئے عقل بھی استعمال کرنی پڑتی ہے۔ گینڈے کی طرح طاقتور ہونا ہی کافی نہیں ہوتا۔ تم میری عقلمندی کی داد ضرور دو گے کہ تم لوگ جس چیز کی تلاش میں آئے تھے وہ اسی گھر میں موجود تھی تم لوگوں نے گھر کی ایک ایک چیز کو الٹ پلٹ کر رکھ دیا لیکن دس کلو ہیروئن محفوظ رہی۔"

وہ الجھی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھنے لگا۔

"تمہیں شاید میری بات کا یقین نہیں آ رہا۔" میں نے کہا اور سوٹ کیس کھول کر کپڑوں کے نیچے دبا ہوا ہیروئن والا تھیلا نکال لیا اور اس میں سے ایک پیکٹ بھی نکال کر دکھایا تا کہ وہ میری بات کا یقین کر لے۔ اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات ابھر آئے تھے۔

نرگس اب تک سنبھل چکی تھی۔ اس کے ہونٹوں کی نیلاہٹ بھی غائب ہو گئی تھی لیکن کمبل اس نے اب بھی اوڑھ رکھا تھا۔ میں نے بلے کے منہ میں ایک بار پھر کپڑا ٹھونس دیا۔

"ہم یہاں سے جا رہے ہیں۔" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ "اگر میں چاہوں تو ابھی تمہارا خاتمہ کر سکتا ہوں لیکن میں تم جیسے غلیظ آدمی کے گندے خون سے اپنے ہاتھ آلودہ نہیں کرنا چاہتا۔ اگر بعد میں کسی وقت کوئی مجبوری آن پڑی تو میں ایسا کرنے سے ذرا بھی نہیں ہچکچاؤں گا۔ ہم یہاں سے جا رہے ہیں لیکن پریشان مت ہو۔ تمہارے آدمی تمہیں یہاں آ کر چھڑا لیں گے۔ میں ابھی تحریمی کو فون کر دیتا ہوں۔"

میں نے ٹیلی فون اٹھا کر قریب ہی رکھ لیا اور ریسیور اٹھا کر بلے کے سامنے ہی نمبر ملانے لگا۔ لائن ملنے میں زیادہ دیر نہیں لگی۔ رات کی طرح اس وقت بھی کال ایک عورت ہی نے ریسیور کی تھی اور یہ غالباً وہی عورت تھی۔

"تحریمی سے بات کراؤ۔" میں نے اس کی آواز سنتے ہی کہا۔

"تحریمی سو رہا ہے۔ تم کون ہو؟" دوسری طرف سے جواب ملا۔

"اس کو بتاؤ ناجی بول رہا ہوں۔ اس کی نیند اڑ جائے گی۔" میں نے کہا۔

"ہولڈ کرو۔" دوسری طرف سے کہا گیا اور پھر ایک منٹ بعد میرے کان سے تحریمی کی غراتی ہوئی آواز ٹکرائی۔

"تم بھاگ کر اپنی جان نہیں بچا سکو گے ناجی۔" اس کی آواز کتے کی غراہٹ سے مشابہہ تھی۔

"تم کہیں بھی چلے جاؤ میری نگاہوں سے چھپے نہیں رہ سکو گے۔ تمہیں دنیا کے کسی کونے میں پناہ نہیں مل سکے گی۔"

"دوسروں کی بات پر بھروسہ کر لینے کا یہی تو نقصان ہوتا ہے تحریمی۔" میں نے جواب دیا۔ "تمہارے آدمیوں نے تمہیں یقیناً یہ رپورٹ دی ہو گی کہ میں اس بنگلے سے فرار ہو گیا ہوں لیکن میں آخر وقت تک اسی بنگلے میں موجود تھا اور اب بھی وہیں ہوں اور تمہارا وہ سڑک چھاپ غنڈہ بلا اس وقت میرے سامنے بندھا پڑا ہے۔"

"کیا بکواس کر رہے ہو۔" وہ چیخا۔

"یہ بکواس نہیں حقیقت ہے۔" میں نے کہا۔ میں بھی تمہارے گرگوں سے محفوظ رہا اور دس کلو کا وہ تھیلا بھی۔ "تم نے واقعی احمقوں کی فوج پال رکھی ہے تحریمی۔ تم نے کتنی محنت سے کال ٹریس کر کے میرے ٹھکانے کا پتہ چلایا تھا لیکن تمہارے آدمیوں نے تمہاری ساری محنت پر پانی پھیر دیا۔"

"کہتے رہو۔ میں سن رہا ہوں۔" تحریمی بولا۔

"تمہیں شاید میری بات کا یقین نہیں آ رہا۔" میں نے کہا۔ "لو بلے سے بات کر لو۔ تمہاری تسلی ہو جائے گی۔"

میں نے بلے کے منہ سے کپڑا نکال کر ریسیور اس کے سامنے کر دیا۔

"یہ..... یہ حرامی ٹھیک کہہ رہا ہے باس۔" بلے نے کہا۔ اس کی آواز میں خوف نمایاں تھا۔ "یہ چھت پر پانی کی ٹنکی میں چھپا ہوا تھا۔ ہیروئن کا تھیلا بھی کسی کمرے میں ہی تھا۔ ٹھیک طرح سے تلاشی نہیں لے سکا تھا۔ وہ تھیلا اب بھی اس کے پاس موجود ہے اور اس کے ساتھ ایک خوبصورت عورت بھی ہے۔ انہوں نے دھوکے سے مجھے پکڑ کر باندھ دیا۔ باس یہ لوگ۔"

دوسری طرف سے کچھ کہا گیا۔ بلے کا چہرے ایک دم دھواں ہو گیا۔ میں نے ریسیور اپنے کان سے لگا لیا۔

"اب تو تمہاری تسلی ہو گئی نا تحریمی۔" میں نے ماؤتھ پیس میں کہا۔ "میں یہاں سے جا رہا ہوں۔ تم جب چاہو یہاں آ کر اپنے اس بلے کو آزادی دلا سکتے ہو۔ مجھے امید ہے کہ تم سے ملاقات ہو گی اور بہت جلد ہو گی۔"

میں نے ریسیور رکھ دیا اور بلے کے منہ میں ایک بار پھر کپڑا ٹھونس دیا۔

"وہ لوگ ابھی تھوڑی دیر میں یہاں آ کر تمہیں چھڑا لیں گے۔ اس وقت تک یہاں آرام کرو۔"

میں نے بلے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ ادھر ادھر دیکھتے ہوئے میری نظر اپنے پستول پر پڑ گئی جو دیوار کے قریب پڑا ہوا تھا۔ میں نے پستول اٹھا کر جیب میں ڈال لیا اور سوٹ کیس اٹھا کر نرگس کو اشارہ کیا۔

اس وقت ساڑھے پانچ بج رہے تھے۔ ایک نئی صبح کا آغاز ہو چکا تھا۔ فضا میں دھند پھیلی ہوئی تھی۔ میں نے کار کا دروازہ کھول کر سوٹ کیس پچھلی سیٹ پر ڈال دیا اور سٹیئرنگ کے سامنے بیٹھ کر انجن سٹارٹ کرنے لگا۔ نرگس گیٹ کھولنے کیلئے آگے بڑھ گئی تھی۔

میں نے گاڑی باہر نکالی تو نرگس نے گیٹ بند کر دیا اور کار کی پسنجرز سیٹ پر بیٹھ گئی۔ گلی میں اس وقت سناٹا تھا۔ بڑے گھروں کے لوگ اتنی جلدی بستر نہیں چھوڑتے۔ میں نے گاڑی ایک ہلکے سے جھٹکے سے آگے بڑھا دی۔ گلی کے موڑ پر ایک دودھ والے کی موٹر سائیکل اس طرف مڑتی ہوئی نظر آئی۔ اگرچہ دھند پھیلی ہوئی تھی لیکن میں محتاط نظروں سے ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ ممکن ہے مکان کی نگرانی کیلئے آس پاس کوئی اور آدمی بھی موجود ہو لیکن میرا یہ شبہ غلط نکلا۔ وہ لوگ یہی سمجھے تھے کہ میں بھاگ گیا تھا اور بنگلے کی نگرانی کیلئے انہوں نے صرف ایک ہی آدمی کو یہاں چھوڑنا کافی سمجھا تھا اور وہ بلا بڑی آسانی سے ہمارے ہتھے چڑھ گیا تھا۔

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

گلیوں سے نکال کر میں کار کو مین روڈ پر لے آیا اور اس کا رخ عائشہ منزل کی طرف موڑ دیا۔ ہائی وے پر ٹریفک کی آمدورفت شروع ہو چکی تھی۔ دھند خاصی دبیز تھی۔ تمام گاڑیوں کے ہیڈ لیمپس روشن تھے اور میں نے بھی اپنی کار کی بتیاں جلا رکھی تھیں۔

دھند کی وجہ سے کار کی رفتار زیادہ تیز نہیں کی جا سکتی تھی۔ دوسری گاڑیوں کی رفتار بھی کم تھی۔

ہائی وے پر چلتے ہوئے سہراب گوٹھ چورنگی سے میں نے کار کو دائیں طرف راشد منہاس روڈ پر موڑ دیا۔ قریباً سڑک پر یو بی ایل سٹیڈیم سے ذرا آگے بہت چوڑے گندے نالے کا وہ پل تھا جس سے آگے گلشن اقبال کا علاقہ شروع ہو جاتا تھا۔ پل عبور کرتے ہی موتی محل کے سٹاپ پر میں نے کار کو بائیں طرف ایک کشادہ گلی میں موڑ دیا۔ یہ گلشن اقبال کا بلاک تھری تھا۔ کچھ آگے جا کر میں نے کار دائیں طرف سڑک پر موڑ دی اور آخر کار ایک بنگلے کے سامنے روک کر نیچے اتر آیا۔

جیب سے چابیوں کا گچھا نکال کر میں نے گیٹ کھولا اور پھر سٹیئرنگ کے سامنے بیٹھ کر کار کو اندر لے آیا اور نیچے اتر کر گیٹ بند کر دیا اور آگے بڑھ کر برآمدے والا دروازہ کھولنے لگا۔

اندر کی بتیاں جلا کر میں واپس آیا اور نرگس کی طرف والا دروازہ کھول دیا۔

''نیچے نہیں اترو گی یا کار ہی میں بیٹھے رہنے کا ارادہ ہے۔'' میں نے کہا۔

''یہ یہ کس کا گھر ہے؟'' نرگس نے نیچے اترتے ہوئے کہا۔ اس کی آنکھوں میں الجھن کے تاثرات نمایاں تھے۔

''اپنا ہی ہے۔ اندر چلو۔ میں سوٹ کیس لے کر آ رہا ہوں۔'' میں نے کار کا پچھلا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔

میں سوٹ کیس لے کر اندر آیا تو نرگس لاؤنج میں کھڑی الجھی ہوئی نظروں سے ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔ کمبل اس نے اب بھی جسم پر لپیٹ رکھا تھا۔ میں نے سوٹ کیس ایک طرف رکھ دیا اور نرگس کو صوفے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''بیٹھو میں تمہیں کافی بنا کر پلاتا ہوں۔'' میں کہتے ہوئے کچن کی طرف بڑھ گیا۔

یہاں ضرورت کی ہر چیز موجود تھی۔ میں نے چولہا جلا لیا اور کافی تیار کرنے لگا۔

چند منٹ بعد میں کافی بنا کر لایا تو نرگس اب بھی وہیں بیٹھی ہوئی تھی۔ میں نے دونوں کپ درمیان کی میز پر رکھ دیے اور اس کے سامنے دوسرے صوفے پر بیٹھ گیا۔

''تم نے بتایا نہیں یہ کس کا مکان ہے؟'' وہ ادھر ادھر دیکھتے ہوئے بولی۔

''اپنا ہی ہے۔'' میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ ''تقریباً ایک مہینہ پہلے مجھے خیال آیا تھا کہ ہمارے پاس کوئی محفوظ ٹھکانہ بھی ہونا چاہئے تاکہ کسی آڑے وقت میں کام آ سکے اور آج یہ کام آ گیا۔''

''تم نے پہلے تو کبھی ذکر نہیں کیا تھا؟'' اس نے اپنا کپ اٹھاتے ہوئے مجھے گھورا۔

''موقع ہی نہیں ملا تھا۔'' میں نے جواب دیا۔

''یہاں کوئی اور بھی رہتا ہے؟'' اس نے پوچھا۔

''نہیں یہ شاید تم اس لئے پوچھ رہی ہو کہ ہر چیز صاف ستھری نظر آ رہی ہے اور کچن میں ایسی

چیزیں موجود ہیں کہ میں نے فوراً ہی کافی بنا لی۔'' میں نے کہا اور کافی کی چسکی لیتے ہوئے بات جاری رکھی۔ یہ تین بیڈ رومز کا فرنشڈ مکان ہے۔ یہ لاؤنج اور ڈرائنگ روم الگ ہے۔ تمام کمرے ضروری فرنیچر سے آراستہ ہیں۔ آگے اور پچھلی طرف پودوں کی کیاریاں ہیں جنہیں باقاعدگی سے پانی دیا جاتا ہے۔'' میں ایک لمحہ کو خاموش ہوا پھر بولا۔ ''اس مکان کی ایک چابی میں نے اس گلی کے مالی کو دے رکھی ہے جو گھر کی صفائی وغیرہ کا خیال رکھتا ہے کچن میں ضروری برتن' خشک دودھ' چائے کی پتی اور کافی وغیرہ میں نے ہی لا کر رکھی ہوئی ہے۔''

نرگس کچھ کہنے کے بجائے خاموشی سے کافی پیتی رہی۔ کافی ختم کرنے کے بعد اس نے کمبل ہٹا کر ایک طرف صوفے پر ڈال دیا اور اٹھ کر گھر کا جائزہ لینے لگی۔ تمام کمروں میں وال ٹو وال کارپٹ تھے۔ ہر کمرے میں ضروری سامان بھی موجود تھا۔ دو کمروں میں سنگل بیڈز تھے اور ایک کمرے میں ڈبل بیڈ کے دوسری طرف سفید فارمیکا کی ڈریسنگ ٹیبل بھی رکھی ہوئی تھی۔ اور سب سے اہم بات یہ تھی کہ یہاں ٹیلی فون بھی موجود تھا۔ بیڈ سائیڈ ٹیبل پر رکھا ہوا ایکسٹینشن سیٹ تھا جبکہ لاؤنج میں بھی ایک سیٹ رکھا ہوا تھا۔

''اس کا کرایہ کتنا ہے اور مالک کون ہے اس کا؟'' نرگس نے پوچھا۔

''کرایہ سات ہزار روپے ماہانہ اور اس کا مالک یہاں نہیں لندن میں رہتا ہے۔'' میں نے جواب دیا۔

''تو کیا تم نے اس سے لندن جا کر بات کی تھی؟'' نرگس نے کہا۔

''اس مکان کا مالک دہری شہریت کا مالک ہے۔'' میں نے جواب دیا۔

''میاں بیوی ہیں اور ایک جوان بیٹی۔ بیٹا پہلے ہی لندن میں رہتا ہے۔ یہ لوگ بھی چھ مہینے یہاں اور چھ مہینے لندن میں رہتے ہیں۔ جب یہاں سے جاتے ہیں تو یہ مکان چھ مہینوں کیلئے کرائے پر دے جاتے ہیں۔ اس طرح مکان کی حفاظت بھی رہتی ہے اور انہیں کرایہ بھی ملتا رہتا ہے۔ سامنے والے مکان میں ان صاحب کی بہن رہتی ہے۔ سارا معاملہ اسی سے طے ہوا تھا۔ پہ مہینے کا ایڈوانس کرایہ اور ڈیپازٹ اس خاتون نے مجھ سے وصول کیا تھا اور عین ممکن ہے اسے اس وقت ہماری آمد کا پتہ چل گیا ہو۔''

''ہوں۔'' نرگس گہرا سانس لیتے ہوئے بولی ''ٹھیک۔ بہر حال تم نے عقلمندی کی تھی جو یہ ٹھکانہ بنا رکھا تھا۔ پچھلی رات میری زندگی کی خوفناک ترین رات تھی۔ آدھے گھنٹے تک ٹھنڈے پانی میں کھڑے رہنا' میرے لئے قیامت بن گیا تھا اور پانی سے نکلنے کے بعد تو میری عجیب حالت ہو رہی تھی۔ سردی کی شدت سے سانس لینا بھی دشوار ہو رہا تھا۔ پھیپھڑے تک کانپ رہے تھے۔''

''مجھے بھی پریشانی ہو گئی تھی۔'' میں نے کہا۔ ''مجھے ڈر تھا کہ تمہیں کہیں نمونیہ نہ ہو جائے۔''

''میں رات بھر جاگی ہوں اور اس وقت بھی اپنے آپ کو کچھ زیادہ بہتر محسوس نہیں کر رہی۔ میں سونا چاہتی ہوں۔'' نرگس نے کہا۔

''اس وقت کوئی نہ کوئی بیکری کھل گئی ہو گی۔'' میں نے کہا۔ ''میں ناشتے کا سامان لے آتا ہوں۔ تم ناشتہ کر کے سو جاؤ۔''

نرگس بیرونی گیٹ تک میرے ساتھ آئی تھی۔ میرے نکلنے کے بعد اس نے گیٹ بند کر دیا۔

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

نرگس کو اگرچہ یہاں کوئی خطرہ نہیں تھا۔ اس طرف آتے ہوئے میں نے اپنے تعاقب کا خیال رکھا تھا۔ لیکن میں نے احتیاطاً پستول نرگس کو دے دیا تھا۔

اس وقت سات بج چکے تھے۔ فضا میں ابھی تک دھند پھیلی ہوئی تھی۔ میں گلیوں سے ہوتا ہوا مارکیٹ کی طرف نکل آیا۔ بیکریاں اور دودھ وغیرہ کی دکانیں کھلی ہوئی تھیں۔ میں نے ایک بیکری سے کچھ چیزیں خریدیں اور واپس آ گیا۔

انڈوں کا آملیٹ اور چائے وغیرہ نرگس ہی نے تیار کی تھی۔ ناشتے کے بعد وہ ڈبل بیڈ والے کمرے میں جا کر کمبل اوڑھ کر سو گئی اور میں الماری کھول کر چیزیں سنبھالنے لگا۔ ہیروئن اور زیورات والا تھیلا الماری کے سب سے نچلے خانے میں رکھ دیا اور اپنے اور نرگس کے کپڑے بھی الماری میں رکھ دیئے اور خالی سوٹ کیس الماری کے اوپر ٹکا دیا۔

ان کاموں سے فارغ ہو کر میں برآمدے میں آ گیا۔ نو بجنے والے تھے اور دھند چھٹ چکی تھی۔ دھوپ چمک رہی تھی۔

سامنے کا لان زیادہ بڑا نہیں تھا۔ گیٹ کے عین سامنے گاڑی کھڑی کرنے کی جگہ تھی۔ اس سے آگے آٹھ فٹ چوڑا گلیارا سا تھا جس میں دونوں طرف گملے رکھے ہوئے تھے۔ دو کمروں کی کھڑکیاں اس طرف کھلتی تھیں۔ پچھلی طرف زیادہ کشادہ جگہ تھی اور اس طرف بھی عقبی دیوار میں ایک دروازہ تھا۔ اس طرف مکانوں کے سامنے پارک تھا۔

میں نے یہ سب کچھ دیکھنے کے بعد ہی یہ مکان کرائے پر لیا تھا۔

اگلے رخ پر مختصر سا برآمدہ تھا جس کے سامنے مختصر سا گھاس کا قطعہ تھا اور اس کے گرد کیاریوں میں پھولوں کے پودے لگے ہوئے تھے۔ میں برآمدے سے اتر کر لان میں آ گیا اور پودوں کو دیکھنے لگا۔ ان کی مناسب دیکھ بھال ہو رہی تھی۔

گیٹ پر ہلکی سی دستک سن کر میں چونک گیا۔ گیٹ کی جھری میں سے مجھے زنانہ لباس نظر آ گیا۔ میں نے بے دھڑک ہو کر ذیلی دروازہ کھول دیا۔ وہ سامنے والے مکان میں رہنے والی مالک کی بہن مسز ریحان تھی۔ اس کی عمر اگرچہ چالیس کے لگ بھگ تھی لیکن اتنی عمر کی لگتی نہیں تھیں۔ درمیانہ قد، متناسب جسم اور چہرے کے نقوش بھی خاصے دلفریب تھے۔ ”میں نے صبح چھ بجے آپ کو آتے ہوئے دیکھا تھا۔“ وہ بلا جھجک دروازے میں داخل ہوتے ہوئے بولی۔ ”آپ کے ساتھ شاید کوئی اور بھی تھا۔“

”جی ہاں۔ میری بیگم۔“ میں نے جواب دیا۔

”کیا میں ان سے مل سکتی ہوں؟“ مسز ریحانہ بولی۔

”وہ دراصل بات یہ ہے کہ ہم رات بھر سفر کر کے صبح سویرے یہاں پہنچے ہیں۔ وہ سو گئی ہے، دوپہر کو اس سے ملاقات ہو سکتی ہے۔“

میں نے یہ مکان کرائے پر لیتے ہوئے بتایا تھا کہ میں لاہور میں بجلی کے آلات تیار کرنے والی ایک کمپنی کا پارٹنر ہوں اور کام کے سلسلے میں پورے ملک میں گھوتا رہتا ہوں۔ یہاں یہ مکان میں نے اس لئے لیا ہے کہ جب یہاں آؤں تو مجھے ہوٹلوں میں خوار نہ ہونا پڑے۔ پچھلے ایک ہفتے کے دوران میں یہاں

صرف دو مرتبہ آیا تھا۔ ایک مرتبہ تو تقریباً دو گھنٹے ٹھہرا تھا اور دوسری مرتبہ چار پانچ گھنٹے۔ مالی کو مکان کی چابی بھی میں نے اسی کے کہنے پر دی تھی۔ وہ مختلف بنگلوں میں کام کرتا تھا اور مسز ریحانہ کے خیال میں قابل بھروسہ آدمی تھا۔

”اس مرتبہ مجھے کئی روز کراچی میں رہنا پڑے گا اس لئے بیگم کو بھی ساتھ لے آیا ہوں۔ وہ آپ سے مل کر یقیناً خوش ہو گی۔“ میں نے کہا۔

”بہت اچھا کیا آپ نے۔“ مسز ریحانہ نے کہا۔

میں دوپہر کو ان سے مل لوں گی اور ہاں دوپہر کا کھانا آپ لوگ ہمارے ہاں کھائیں گے۔ وہ بے چاری سو رہی ہیں۔ دوپہر کو اٹھ کر کہاں کھانا پکانے کے جھنجٹ میں پڑے گی۔“

”بہت شکریہ جی۔“ میں نے کہا۔

وہ کچھ دیر کھڑی ادھر ادھر دیکھتی رہی اور پھر دوپہر کو آنے کا کہہ کر چلی گئی۔ اس کے جانے کے تھوڑی دیر بعد صادق مالی آ گیا۔ میں نے سامان کی ایک لمبی چوڑی فہرست بنا کر اس کے ہاتھ میں تھما دی اور پیسے دے کر سامان لینے کیلئے بازار بھیج دیا۔ ہمیں یہاں رہنا تھا تو ضرورت کی چیزیں منگوانا بھی ضروری تھا۔

تقریباً ایک گھنٹے بعد وہ سامان لے آیا۔ جسے میں نے کچن میں رکھوا دیا۔ اس کے جانے کے بعد میں لاؤنج میں آ گیا اور فون کا ریسیور اٹھا کر رنگا کا نمبر ڈائل کرنے لگا۔ رات کو جو کچھ بھی ہوا تھا اس سے رنگا کو آگاہ کرنا ضروری تھا۔ کال حریری نے ریسیو کی تھی۔ اس کی آواز سنتے ہی میرے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔

”میں ناجی بول رہا ہوں۔ رنگا سے بات کراؤ حریری۔“ میں نے اپنی اندرونی کیفیت پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

”رنگا تھانے گیا ہوا ہے۔“ حریری نے جواب دیا۔

”مگر اس نے کئی مرتبہ تم کو فون کیا تھا۔ وہاں سے کوئی اور بول رہا تھا۔ رنگا نے اپنے ایک آدمی کو بھیج کر پتہ کیا تو معلوم ہوا کہ رات کو تمہارے ساتھ کوئی گڑبڑ ہوئی تھی۔ رنگا بہت پریشان ہے۔ تم کہاں ہو؟“

”کیا تم پریشان نہیں ہو؟“ میں نے اس کے سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا۔

”میں بھی پریشان ہوں مگر تم کہاں ہو؟“ اس نے سوال دہرایا۔

”میں محفوظ ہوں۔“ میں نے جواب دیا۔ ”رنگا تھانے کیوں گیا ہے؟“

تحریری کے ایک آدمی کی لاش رنگا کے علاقے میں پڑی ہوئی ملی تھی۔ اسے تشدد کر کے ہلاک کیا گیا تھا۔ پولیس نے پوچھ گچھ کیلئے رنگا کو تھانے بلایا ہے۔“

”اوہ۔“ میں چونکے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ میرے دماغ میں آندھیاں سی چلنے لگیں۔ میرے ذہن میں اس شخص کا چہرہ ابھر آیا جس کی مرسڈیز کار سے گزشتہ رات میں نے دس کلو ہیروئن کا تھیلا چرایا تھا۔ بعد میں اگرچہ میں نے تحریری کو فون پر بتا دیا تھا کہ دس کلو ہیروئن کی گمشدگی میں اس کے آدمی کا کوئی قصور نہیں

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

تھا لیکن اس وقت تک شاید اس پر بے پناہ تشدد کیا جا چکا تھا اور میری طرف سے اطلاع ملنے کے بعد ہی اسے موت کے گھاٹ اتار کر اس کی لاش رنگا کے علاقے میں پھینک دی گئی تھی تاکہ رنگا دیا اس کے کسی آدمی کو اس کیس میں پھانسنے کی کوشش کی جائے۔

''کہاں چلے گئے تاجی۔''

حریری کی آواز سن کر میرے خیالات منتشر ہو گئے۔ ''اوہ۔'' میں نے کہا۔ ''کچھ نہیں۔ میں اس لاش کے بارے میں سوچ رہا تھا۔''

''کیا تم نے وہ لاش دیکھی ہے۔ جانتے ہو اسے؟'' حریری نے پوچھا۔

''نہیں۔'' میں نے جواب دیا۔ میں نے نہ تو وہ لاش دیکھی ہے اور نہ ہی اسے جانتا ہوں لیکن کیا رنگا نے کل رات کے بارے میں تمہیں کچھ بتایا تھا۔ میں نے ایک ڈیڑھ بجے کے قریب فون کیا تھا۔''

''رنگا اگرچہ مجھے ان معاملات سے الگ رکھے ہوئے ہے لیکن وہ کوئی بات مجھ سے چھپاتا نہیں ہے۔'' حریری نے جواب دیا۔ ''کل رات تم نے تحریمی کے کسی آدمی سے بڑی مقدار میں ہیروئن چھینی تھی۔''

''اتفاق سے ہاتھ لگ گئی تھی۔'' میں نے تصحیح کی۔ تحریمی نے پوچھ گچھ کیلئے اسے تشدد کا نشانہ بنایا تھا۔ مجھے یقین ہے یہ اسی شخص کی لاش ہو گی جسے رنگا کے علاقے میں پھینک دیا گیا تاکہ رنگا کو کسی چکر میں پھنسایا جا سکے۔ بہرحال ایک نمبر نوٹ کر لو۔ رنگا سے کہنا اس نمبر پر فون کر لے۔''

''بات کیا ہوا تھا واجہ؟'' حریری نے پوچھا۔ ''کیسا گڑبڑ تھا۔ تم کو کوئی تکلیف تو نہیں پہنچی۔''

''نہیں، میں ٹھیک ہوں۔'' میں نے جواب دیا اور پھر اسے گزشتہ رات کے واقعہ کے بارے میں بتانے لگا۔ اب میں دوسری جگہ پر ہوں اور بالکل محفوظ ہوں۔''

''اپنا جان کا خیال رکھو واجہ۔'' حریری نے کہا۔

ان الفاظ میں نجانے کیا بات تھی کہ میں اپنے سینے میں گدگدی سی محسوس کرنے لگا۔ میں حریری کے بارے میں کسی خوش فہمی میں مبتلا نہیں تھا۔ اس نے یہ سب کچھ محض ہمدردی کی بنا پر ہی کہا ہو گا جو لڑکی ایک شیدی کیلئے اپنا وطن چھوڑ کر آ سکتی تھی وہ کسی اور کے بارے میں کیوں سوچنے لگی۔ لیکن نجانے کیا بات تھی کہ جب میں اس کے بارے میں سوچتا تھا تو مجھے عجیب سا لگتا تھا۔ حریری قدرت کا ایک حسین شاہکار تھی اور رنگا کالا بھوت، ان کی جوڑی بالکل اچھی نہیں لگتی تھی۔

''پھر غائب ہو گئے واجہ۔''

حریری کی آواز سن کر میں ایک بار پھر اچھل پڑا۔

''نن ..... نہیں..... میں یہیں ہوں۔'' میں نے کہا۔

جواب میں حریری کے ہلکے سے قہقہے کی آواز میری سماعت سے ٹکرائی اور اس کے ساتھ ہی سلسلہ منقطع ہو گیا۔

لائن بند ہو چکی تھی لیکن میں فون کا ریسیور کان سے لگائے بیٹھا رہا۔ نقرئی قہقہے کی آواز اب بھی میرے کانوں میں رس گھول رہی تھی۔

مجھ سے ایک غلطی ہو گئی تھی اور اس میں میرا کوئی قصور نہیں تھا۔ تحریمی کی کوٹھی بھی گلشن اقبال میں

تھی۔ وہ اگرچہ بلاک سکس میں تھا۔ بلاک سکس اور تھری کے بیچ ایک بڑی شاہراہ تھی۔ شاپنگ سنٹر، اکا دکا مارکیٹیں اور دکانیں وغیرہ اس شاہراہ پر یا اس سے ملحق گلیوں میں تھیں۔ دونوں بلاکوں کے رہنے والے لوگ شاپنگ اور روزمرہ کی خرید و فروخت کیلئے اس طرف آتے تھے۔ ظاہر ہے نہ تو نرگس اور میں زیادہ دنوں تک گھر میں قید ہو کر رہ سکتے تھے اور نہ ہی تحریمی یا اس کے آدمیوں کو اس طرف آنے سے روکا جا سکتا تھا۔

اس طرح کسی غیر متوقع تصادم کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔

بلاک سکس میں تحریمی کی موجودگی کا انکشاف رنگا نے کیا تھا۔ اس روز جب میں نے حریری کو پیغام دیا تھا تو دوپہر کے تھوڑی ہی دیر بعد رنگا کا فون آ گیا تھا اور جب میں نے اسے اپنے ٹھکانے کے بارے میں بتایا تو اس نے انکشاف کیا تھا کہ تحریمی بھی قرب و جوار میں موجود ہے۔ اس نے مجھے اس کے بنگلے کا نمبر بھی بتا دیا تھا اور مجھے مشورہ دیا تھا کہ میں عجلت میں کوئی قدم نہ اٹھاؤں۔ وہ ذرا پولیس والے معاملے سے فارغ ہو جائے تو کوئی پروگرام بنائیں گے۔ میں نے رنگا سے اس کے علاقے سے ملنے والی لاش کے بارے میں بھی دریافت کیا تھا اور اس نے جو حلیہ بتایا تھا اس سے تصدیق ہو گئی تھی کہ یہ وہی آدمی تھا جو اس رات ایک حسین عورت کے ساتھ بندو خان کے ہوٹل میں کھانا کھانے آیا تھا۔ کھانا تو ایک بہانہ تھا اسے تو دس کلو ہیروئن کا تھیلا تحریمی کے آدمیوں کے حوالے کرنا تھا جسے میں نے اڑا لیا تھا اور وہ شخص بعد میں ان کے تشدد سے ہلاک ہو گیا تھا جس کی لاش رنگا کے علاقے میں پھینک دی گئی تھی۔

تین چار دن ہم گھر سے باہر نہیں نکلے۔ سامنے والی مسز ریحان جس کا اپنا نام زبیدہ تھا، کمبل ہو کر رہ گئی تھی۔ اس کے خلوص میں کوئی شبہ نہیں تھا۔ وہ نرگس کو پسند کرنے لگی تھی۔ اس نے کئی مرتبہ نرگس کو اپنے ساتھ بازار لے جانا چاہا تھا لیکن نرگس نے ہر بار طبیعت خراب ہونے کا بہانہ کر کے ٹال دیا تھا۔

مجھے تحریمی کے کئی آدمی پہچان چکے تھے۔ نرگس بلے کی نظروں میں آ گئی تھی لیکن میرے خیال میں اس کیلئے زیادہ خطرہ نہیں تھا۔ وہ برقع پہن کر باہر نکل سکتی تھی۔ البتہ میرے لئے فی الحال باہر نکلنا مناسب نہیں تھا۔ میں جانتا تھا کہ تحریمی کے آدمی شکاری کتوں کی طرح مجھے پورے شہر میں تلاش کرتے پھر رہے ہوں گے اور پھر بلے کا اڈا بھی تو اسی علاقے میں تھا۔ وہ بلاک سکس کے آس پاس سڑکوں پر گھوم پھر کر ہی تو پڑیاں بیچتا تھا۔ گھومنے پھرنے کی صورت میں میں کسی بھی وقت اس کی نظروں میں آ سکتا تھا۔

رنگا سے بھی مجھے اطلاعات ملتی رہتی تھیں۔ تحریمی واقعی پاگل ہو رہا تھا اور اس کے آدمی شکاری کتوں کی طرح مجھے تلاش کرتے پھر رہے تھے۔ رنگا کے کہنے کے مطابق اس نے رضیہ کو کم از کم دو مرتبہ سالار کے ساتھ اس علاقے میں گھومتے ہوئے دیکھا تھا۔ ان کا خیال تھا کہ شاید رنگا نے مجھے اپنے علاقے میں کہیں چھپا رکھا ہے۔

ان دونوں گروہوں میں سرد جنگ چل رہی تھی اور میں جانتا تھا کہ کسی دن ان میں ایسا خوفناک تصادم ہو گا کہ کراچی شہر لرز اٹھے گا۔ ان کی یہ جنگ بہت پرانی تھی اور اتفاق سے میں بھی ایک فریق بن گیا تھا۔ میرا بھی تحریمی سے پرانا جھگڑا چل رہا تھا۔ کچھ عرصہ پہلے تک ہم میں براہ راست کوئی تعلق نہیں تھا۔ لاہور میں پہلے شاہ جی اور پھر رضیہ سے نسل شروع ہوئی تھی پھر کراچی آ کر میں نے بندرگاہ پر شاہ جی کا مال پکڑوا دیا اور اس کے بعد ہی یہ دلچسپ انکشاف ہوا کہ اس گروہ کا اصل سرغنہ تحریمی تھا۔ رضیہ اور شاہ جی

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

وغیرہ تو محض مہرے تھے۔

بعض انکشافات بڑے دلچسپ اور سنسنی خیز ثابت ہوئے تھے۔ رنگا سے دوستی کر کے میں براہ راست اس معاملے میں ملوث ہو گیا تھا اور اس رات میں نے محض رنگا کی وجہ سے دس کلو ہیروئن کا وہ بنڈل اڑایا تھا اور میری اس حرکت کی وجہ سے اس شخص کی جان گئی تھی اور پھر میں نے یہ حماقت کی تھی کہ اپنے بارے میں اطلاع دے کر ان خونخوار درندوں کو اپنے پیچھے لگا لیا تھا۔ اس رات نرگس کی کھوپڑی کام کر گئی تھی اگر وہ دور کی کوڑی نہ لاتی تو ہم دونوں اس رات مارے جا چکے ہوتے۔

اس بنگلے میں آئے ہوئے آٹھ دس روز گزر گئے تھے۔ میں تو ایک مرتبہ بھی باہر نہیں نکلا تھا۔ البتہ نرگس کئی مرتبہ زبیدہ کے ساتھ مارکیٹ آ جا چکی تھی۔ وہ برقع پہنتی تھی۔ اور برقع میں کسی عورت کو پہچان لینا ممکن نہیں ہوتا۔ اس رات کھانا کھانے کے بعد میں اور نرگس تاش کھیل رہے تھے کہ فون کی گھنٹی بجی۔ میں قریب بیٹھا ہوا تھا۔ ہاتھ بڑھا کر ریسور اٹھا لیا۔ وہ رنگا کی کال تھی۔

''آج ایک اور موقع ہے واجہ۔'' اس نے میری آواز سنتے ہی کہا۔

''تمہارا دوست شاہ جی رات دو بجے کی فلائٹ سے کراچی پہنچ رہا ہے۔ اس کے پاس مال ہے۔ پورے بیس کلو۔''

مجھے شاہ جی سے اب کوئی دلچسپی نہیں تھی لیکن بیس کلو والی بات سن کر میں اچھل پڑا۔

''تمہیں کیسے پتہ چلا رنگا۔'' میں نے پوچھا۔

''میں ادھر خاموش تو نہیں بیٹھا ہوں واجہ۔'' رنگا نے جواب دیا۔ میں نے لاہور میں بھی اپنے دو آدمی چھوڑ دیئے تھے۔ وہ شاہ جی کی سرگرمیوں کی نگرانی کر رہے تھے۔ یہ مال کل اسے پشاور سے ملا ہے جسے لے کر وہ آج یہاں پہنچ رہا ہے۔''

''لیکن جہاز پر وہ اتنا مال کیسے لا سکتا ہے۔ ایئرپورٹ پر تو بڑی سخت چیکنگ ہوتی ہے۔'' میں نے کہا۔

''پیسے میں بڑی طاقت ہے واجہ۔'' رنگا نے کہا۔ اپنا مٹھی ڈھیلا کرو اور جو چاہو کر لو۔ بہرحال مجھے ابھی تھوڑی دیر پہلے اطلاع ملی ہے۔ وہ دو بجے کی فلائٹ سے یہاں پہنچ رہا ہے۔ میرا ایک آدمی بھی اس فلائٹ میں ہو گا۔''

''کیا چاہتے ہو رنگا؟'' میں نے پوچھا۔

''کل تحریکی نے میرے ایک آدمی کو اٹھا لیا تھا۔'' رنگا کہہ رہا تھا۔ ''اس کی دو پسلیاں اور ایک ٹانگ توڑ کر سڑک پر پھینک دیا۔ میں نے بہت صبر کر لیا ہے واجہ اب میں تحریکی کو بتانا چاہتا ہوں کہ رنگا بے بس نہیں۔''

''تم جو کچھ بھی کرنا چاہتے ہو میں تمہارے ساتھ ہوں۔ مجھے اپنا پروگرام بتا دو۔'' میں نے کہا۔

''میں ایک بجے تمہارے پاس پہنچ رہا ہوں۔'' رنگا نے جواب دیا۔ ہم شاہ جی کو تحریکی کے بنگلے تک نہیں پہنچنے دیں گے۔''

''ٹھیک ہے رنگا میں تمہیں تیار ملوں گا۔'' میں نے جواب دیا۔

رابطہ منقطع ہو گیا۔ میں نے بھی ریسیور رکھ دیا اور نرگس کو رنگا سے ہونے والی گفتگو سے آگاہ کرنے لگا۔ نرگس نے گھڑی کی طرف دیکھا۔ ساڑھے گیارہ بج رہے تھے۔ اس نے ہاتھ میں پکڑے ہوئے تاش کے پتے پھینک دیئے اور کچن میں گھس گئی۔ میں سمجھ گیا۔ وہ جب بھی کسی قسم کی ٹینشن محسوس کرتی تھی بڑی سٹرونگ چائے یا کافی ضرور پیتی تھی۔ اس سے اس کے اعصاب کو سکون ملتا تھا۔ اور اس وقت بھی شاید وہ کسی ایسی ہی کیفیت میں مبتلا ہو گئی تھی۔

وہ تقریباً بیس منٹ بعد کافی بنا کر لے آئی۔ میں نے کپ اٹھا کر ایک چسکی لی۔ کافی بے حد سٹرونگ مگر خوش ذائقہ تھی۔ اور حقیقت تو یہ تھی کہ رنگا سے گفتگو کے بعد میں خود بھی ایسی سٹرونگ کافی کی طلب محسوس کرنے لگا تھا۔

''پتہ نہیں ہم کہاں جا رہے ہیں۔'' نرگس نے کافی کی چسکی لیتے ہوئے کہا۔ ہم تو یہاں اس لئے آئے تھے کہ آرام اور سکون کی زندگی گزار سکیں گے لیکن۔''

''تحریکی والا ٹنٹا نمٹ جائے تو یہ قصہ ختم ہو جائے گا۔'' میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

''مجھے تو نہیں لگتا کہ ہم اس دلدل سے کبھی نکل سکیں گے۔'' وہ گہرا سانس لیتے ہوئے بولی ''نجانے کیا بات ہے آج کل میں کچھ عجیب سی بے چینی محسوس کرنے لگی ہوں۔ ایک انجانا سا خوف ہے جو ہر وقت دماغ پر طاری رہنے لگا ہے۔ عجیب وغریب وہم اور وسوسے آتے رہتے ہیں۔''

''ڈر، خوف اور وسوسے ہماری زندگی کا حصہ ہیں۔''

میں نے جواب دیا۔ ''لیکن اگر ان چیزوں کو دل میں جگہ دے دی جائے تو جینا دشوار ہو جائے گا اور تم تو بڑی حوصلہ مند ہو۔ یہ سب کچھ غیر معمولی تو نہیں ہے پھر کس بات کا خوف؟''

''پتہ نہیں گھبراہٹ سی رہنے لگی ہے۔'' نرگس نے جواب دیا۔ ہم دیر تک باتیں کرتے رہے۔ میں نرگس کو تسلی دیتا رہا اور پھر ساڑھے بارہ بجے کے قریب میں نے کپڑے تبدیل کئے تو وہ بولی۔

''میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گی۔ میں گھر میں اکیلی نہیں رہ سکتی۔''

''نہیں نرگس۔'' میں نے منع کر دیا۔ پتہ نہیں کس قسم کی صورتحال کا سامنا ہو۔ تمہارا جانا مناسب نہیں ہے۔ میرے جانے کے بعد تم دروازے لاک کر لینا اور بہتر ہو گا کہ تم سو جاؤ۔ میری واپسی پتہ نہیں کس وقت ہو۔''

میں بڑی مشکل سے نرگس کو گھر پر رہنے پر آمادہ کر سکا تھا۔ ایک بجنے میں چند منٹ باقی تھے کہ میں گیٹ سے باہر آ گیا۔ رنگا کے کسی آدمی نے یہ مکان دیکھا نہیں تھا۔ میں نے اسے صرف نمبر بتایا تھا اور راستہ سمجھا دیا تھا اور میں یہ سوچ کر باہر آ گیا تھا کہ انہیں مکان تلاش کرنے میں دشواری پیش نہ آئے۔ میں نے اپنا پستول نرگس کو دے دیا۔ وہ بھی میرے ساتھ گیٹ میں کھڑی تھی۔ ایک بجے کے لگ بھگ ایک گاڑی گیٹ میں داخل ہوئی تو میں نے نرگس کو اشارہ کیا۔ وہ گیٹ بند کر کے اندر چلی گئی۔

وہ سیاہ رنگ کی ایک وین تھی۔ گلی میں داخل ہوتے ہی اس کی رفتار بہت کم ہو گئی تھی اور پھر میرے قریب آ کر وہ رک گئی۔ وین کی ڈرائیونگ سیٹ پر گھنگریالے بالوں والا سیاہ فام شیدی بیٹھا ہوا تھا۔ وہ چہرہ میرے لئے اجنبی تھا۔ وین کی کھڑکیوں کے شیشوں پر پلاسٹک کی ایسی شیٹس لگی ہوئی تھیں جن سے

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

اندر سے باہر تو دیکھا جا سکتا تھا لیکن باہر سے اندر دیکھنا ممکن نہیں تھا۔ اس لئے میں وین کے پچھلے حصے میں بیٹھے ہوئے کسی شخص کو نہیں دیکھ سکا تھا لیکن وین کے رکتے ہی پچھلا دروازہ کھلا اور ایک جانی پہچانی آواز سنائی دی۔

"اندر آ جاؤ راجہ۔"

وہ ٹیڈی کی آواز تھی۔ میں وین میں سوار ہو گیا۔ دروازہ بند ہوا اور وین حرکت میں آ گئی۔ وین میں اندھیرا تھا اور چند سیکنڈ کے بعد ہی میری آنکھیں اس اندھیرے سے مانوس ہو سکی تھیں۔ وین میں ٹیڈی کے ساتھ رنگا بھی بیٹھا ہوا تھا۔

وین گلیوں سے نکل کر مین روڈ پر آ کر ایئرپورٹ کی طرف دوڑتی رہی اور میں رنگا اور ٹیڈی سے باتیں کرتا رہا۔

ایئرپورٹ پر وین پارکنگ پلاٹ پر ایسی جگہ پر کھڑی کر دی گئی جہاں سے ہم روائیول لاؤنج سے برآمد ہونے والے لوگوں پر بھی نگاہ رکھ سکتے تھے۔ رنگا نے وین کے ڈرائیور کو اکرم کے نام سے مخاطب کر کے بلوچی زبان میں کچھ کہا۔ وہ وین سے اتر کر لاؤنج کی طرف چلا گیا۔ اس کی واپسی میں دس منٹ سے زیادہ نہیں لگے تھے۔ اس نے بتایا کہ لاہور کی پرواز ٹھیک وقت پر ہی آنے والی تھی۔

پونے دو بجے کے قریب ہمارے بائیں طرف چند گز کے فاصلے پر سفید رنگ کی نئے ماڈل کی ایک ٹویوٹا کار آ کر رکی۔ اس کار میں سے رضیہ کو برآمد ہوتے دیکھ کر میں اچھل پڑا۔ میں نے اپنی سیٹ پر جلدی سے رخ بدل لیا لیکن مجھے فوراً ہی خیال آ گیا کہ باہر کا کوئی شخص ہمیں نہیں دیکھ سکتا تھا۔ میں سنبھل کر بیٹھ گیا اور سفید ٹویوٹا کی طرف دیکھنے لگا۔ اس وقت ڈرائیونگ سائیڈ سے سالار بھی اتر رہا تھا۔

رنگا میرے سامنے والی سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کی پشت ٹویوٹا کی طرف تھی اس لئے وہ ان لوگوں کو نہیں دیکھ سکا تھا۔

"پیچھے مڑ کر دیکھو رنگا۔" میں نے سرگوشی میں کہا۔ "یہ رضیہ ہے اور اس کے ساتھ سالار ہے۔ تحریکی کا آدمی۔"

رنگا نے پیچھے مڑ کر دیکھا اور پھر پہلو بدل کر بیٹھ گیا۔

رضیہ اس وقت ہیئر برش سے بال درست کر رہی تھی۔ پھر اس نے برش کندھے پر لٹکے ہوئے بیگ میں رکھا اور سالار کے ساتھ پارکنگ سے نکل کر ٹرمینل کی طرف چلنے لگی۔

"قدرت ہماری مدد کر رہی ہے۔" رنگا نے کہا۔ "اب ہم لوگوں کو وین سے اترنے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ وہ لوگ واپسی ادھر ہی آئے گا۔"

رنگا نے ٹھیک ہی کہا تھا ہمیں وین سے اترنے کی ضرورت نہیں تھی۔ تاہم ہمیں تقریباً پون گھنٹے تک انتظار کرنا پڑا۔ اس دوران میری نظریں مسلسل رضیہ اور سالار پر مرکوز رہی تھیں جو روائیول لاؤنج کے سامنے ٹہل رہے تھے۔

پونے تین بجے کے قریب شاہ جی ٹرالی دھکیلتا ہوا روائیول والے گیٹ سے برآمد ہوا۔ ٹرالی پر پھلوں کی دو پیٹیاں اور ان کے اوپر سیاہ رنگ کا بریف کیس رکھا ہوا تھا۔ مجھے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ ہیروئن

انہی پیٹیوں میں ہوگی۔ وہ کتنی آزادی سے مال لے کر آیا تھا۔ سرکاری محکموں کے اہلکار کس حد تک کرپشن کی دلدل میں پھنسے ہوئے تھے۔

ان تینوں کا رخ پارکنگ پلاٹ کی طرف تھا کچھ اور مسافر بھی اس طرف آ رہے تھے۔ پارکنگ پلاٹ کے کنارے والے فٹ پاتھ پر پہنچ کر شاہ جی وغیرہ رک گئے۔ بریف کیس رضیہ نے سنبھال لیا۔ ایک پیٹی شاہ جی نے اٹھالی اور دوسری سالار نے۔

ہم وین میں بیٹھے ان کی طرف دیکھتے رہے۔ ہم ان سے صرف چند فٹ کے فاصلے پر تھے اور وہ ہم سے بے خبر تھے۔

دونوں پیٹیاں کار کی ڈکی میں رکھ دی گئیں۔ سالار نے سٹیئرنگ سنبھال لیا۔ رضیہ اور شاہ جی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئے اور کار حرکت میں آ گئی۔

"اکرم تم اپنا پستول راجہ کو دے دو اور کار کا تعاقب کرو۔ اس بات کا خیال رکھنا کہ ان لوگوں کو شبہ نہ ہونے پائے۔" رنگا نے سیٹ پر سنبھل کر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"فکر نہ کرو راجہ۔" ڈرائیور نے اپنا پستول مجھے دے دیا اور سنبھال کر بیٹھتے ہوئے انجن سٹارٹ کر دیا۔

اس وقت یکے بعد دیگرے کئی انٹرنیشنل فلائٹس بھی آئی تھیں۔ ایئرپورٹ اور اس کے آس پاس آمدورفت کی سڑکوں پر رونق تھی۔ کئی گاڑیاں اپنے مہمانوں کو لے کر واپس جا رہی تھیں۔ ان کا رخ شاہراہ فیصل کی طرف تھا۔ رضیہ والی سفید ٹویوٹا بھی اسی طرف جا رہی تھی لیکن پھر اچانک ہی وہ دائیں طرف ایک تنگ سی سڑک پر مڑ گئی۔ یہ تنگ سی سڑک ایئرپورٹ کے علاقے میں چکر کاٹتی ہوئی ایئرپورٹ کے پچھلی طرف گلستان جوہر سے جا ملتی تھی۔ ایئرپورٹ کے پچھلی طرف کا علاقہ ویران تھا سڑک بھی ٹوٹی ہوئی تھی۔ اس سے آگے گلستان جوہر کا وہ علاقہ بھی ابھی انڈر ڈویلپمنٹ تھا۔ دن کے وقت تو اس طرف تھوڑا بہت ٹریفک رہتا تھا لیکن رات کو تو بہت کم لوگ اس طرف آنے کی ہمت کرتے تھے۔ اس سے آگے گلشن اقبال کیلئے یہ راستہ اگرچہ قریب پڑتا تھا لیکن رات کے اندھیرے میں لوگ اس طرف آنے سے گریز کرتے تھے لیکن رضیہ والی گاڑی اس طرف مڑتے دیکھ کر مجھے کچھ حیرت بھی ہوئی تھی کہ انہوں نے اس راستے کا انتخاب کیوں کیا تھا جبکہ ان کے پاس بیس کلو ہیروئن بھی تھی۔

"یہ لوگ واقعی بیوقوف ہیں۔" میں نے رنگا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "انہیں اس غیر آباد اور سنسان راستے کے بجائے شارع فیصل کی طرف سے جانا چاہئے تھا۔"

"شارع فیصل پر زیادہ خطرہ ہے۔" رنگا نے جواب دیا۔ "شارع فیصل پر سادہ لباس پولیس والے ایئرپورٹ سے آنے والوں کو روک کر پریشان کرتے ہیں۔ یہ رہزنوں سے زیادہ خطرناک ہیں۔ اس لحاظ سے اس سنسان راستے پر زیادہ خطرہ نہیں ہے۔"

رنگا نے شاید ٹھیک ہی کہا تھا۔

رضیہ والی کار ایئرپورٹ کے پچھلی طرف کچے راستے پر نکل آئی تھی۔ ہم اس سے تقریباً چالیس گز کے فاصلے پر تھے۔ ہمارے پیچھے بھی ایک کار تھی اور ٹھیک کچے راستے پر پیچھے آنے والی کار ہماری اور رضیہ کی

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

کار کو اوورٹیک کرتے ہوئے آگے نکل گئی۔

کچے راستے کے اختتام پر ایک سڑک تو رن وے جنگلے کے ساتھ ساتھ چلی گئی تھی اور دوسری بائیں طرف ایک پلیا کے اوپر سے ہوتی ہوئی گلستان جوہر میں داخل ہو جاتی تھی۔ اس کشادہ سڑک کے دونوں طرف بڑے بڑے پلازہ زیر تعمیر تھے۔ ابھی کام ابتدائی مراحل میں تھا۔ اس سڑک پر زیادہ سناٹا تھا تاہم دو سو گز آگے وہ چورنگی تھی جہاں سے آبادی شروع ہو جاتی تھی اور انہیں چورنگی کے آس پاس پولیس کی کسی وین کی موجودگی کا امکان تھا۔

''اکرم۔'' رنگا نے سنبھل کر بیٹھتے ہوئے کہا۔ ''اس گاڑی کو روکو۔''

''ابھی لو واپہ۔'' اکرم نے جواب دیا اور وین کی رفتار ایک دم بڑھا دی اور پھر چند ہی سیکنڈ میں وہ وین کو سفید ٹویوٹا سے آگے لے آیا اور اس کار کو رکنے پر مجبور کر دیا۔

وین رکتے ہی رنگا اور ٹیڈی چھلانگ لگا کر نیچے اتر آئے۔ ٹیڈی کار ڈرائیور کے سامنے آ گیا تھا۔ میں نے ایک جھٹکے سے کار کا دروازہ کھولا اور رضیہ کو بازو سے پکڑ کر کار سے باہر کھینچ لیا۔ اس کے منہ سے چیخ نکل گئی تھی۔

دوسری طرف رنگا نے بھی شاہ جی کو پکڑ کر کار سے باہر کھینچ لیا تھا۔

''کک کون ہو تم لوگ۔ کیا چاہتے ہو؟'' شاہ جی کے منہ سے خوف زدہ سی آواز نکلی۔

اس دوران رضیہ اپنے حواس پر کسی حد تک قابو پا چکی تھی۔ اس نے میری شکل دیکھی تو ایک دم چیخ اٹھی۔

''تت ..... تم ..... میں ..... میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گی۔ حرامی۔'' وہ میرے ہاتھ میں پستول کی پروا کیے بغیر مجھ پر جھپٹ پڑی۔ میں نے اس کے منہ پر بھرپور تھپڑ رسید کر دیا۔ وہ چیختی ہوئی تیورا کر نیچے گری۔ میں نے اسے ایک زوردار ٹھوکر بھی رسید کر دی تھی۔ دوسری طرف شاید شاہ جی نے بھی کوئی حرکت کرنے کی کوشش کی تھی۔ رنگا نے اس کے منہ پر پستول کی نال سے ضرب لگائی تو وہ بھی چیختا ہوا کار سے ٹکرا کر نیچے گر گیا۔ رنگا نے اس پر ٹھوکروں کی بارش کر دی۔

''نہیں رے۔''

ٹیڈی کی آواز سن کر میں چونک گیا۔ وہ بڑی تیزی سے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے ہوئے سالار کی طرف لپکا تھا۔ آگے جھک کر اس نے سالار کو دو تین گھونسے جڑ دیئے اور گریبان سے پکڑ کر نیچے کھینچ لیا۔

''اس کو بولو کار کا ڈکی کھولے۔'' رنگا نے کہا۔

ٹیڈی نے سالار کو زوردار ٹھوکر مارتے ہوئے کار کی ڈکی کھولنے کا حکم دیا۔ سالار نے اگنیشن سے چابیوں کا گچھا نکالا اور کار کے پچھلی طرف آ گیا۔ اس نے ایک چابی نکال کر ڈکی کا لاک کھول دیا۔

''تم تینوں اس طرف بھاگ جاؤ۔ جلدی کرو ورنہ گولی مار دوں گا۔'' رنگا نے شاہ جی اور سالار کو ٹھوکریں مارتے ہوئے کہا۔

رضیہ ابھی تک زمین پر پڑی ہوئی تھی۔ وہ بڑی مشکل سے اٹھ کر کھڑی ہو سکی تھی۔ پھر ان تینوں نے ٹیلوں کی طرف دوڑ لگا دی۔ رضیہ دو مرتبہ ٹھوکر کھا کر گری تھی لیکن اس نے دوبارہ اٹھ کر بھاگنے میں دیر

نہیں لگائی تھی۔

میں نے پچھلی سیٹ پر رکھا ہوا شاہ جی کا سیاہ بریف کیس اٹھا لیا اور ٹیڈی نے بڑی پھرتی سے ڈکی میں رکھی ہوئی پھلوں کی دونوں پیٹیاں کار کی ڈکی سے نکال کر وین میں منتقل کر دیں اور اس کے بعد ہم وہاں نہیں رکے تھے۔

وین تیز رفتاری سے سڑک پر دوڑنے لگی۔ یہ سب کچھ دو منٹ کے اندر اندر اور بڑی آسانی سے ہو گیا تھا۔ وہ نہایت بودے ثابت ہوئے تھے۔ معمولی سی مزاحمت کا سامنا بھی نہیں کرنا پڑا تھا۔

میرا خیال تھا کہ میں راستے میں کسی جگہ اتر جاؤں گا لیکن وین گلشن اقبال کی طرف جانے کے بجائے دوسرے راستوں سے ہوتی ہوئی اندرون شہر کی طرف جا رہی تھی۔

اور جب ہم رنگا کے اڈے پر پہنچے تو چار بجنے والے تھے۔ وین اس پرانی اور خستہ سی عمارت کے کمپاؤنڈ میں داخل ہو کر رک گئی جہاں سب سے پہلے میری ملاقات ٹیڈی اور حضوری سے ہوئی تھی۔ دونوں پیٹیاں اوپر پہنچا دی گئیں۔ شاہ جی کا بریف کیس میرے پاس تھا۔ وین عمارت سے نکل کر کہیں اور چلی گئی تھی۔

پھلوں کی وہ دونوں پیٹیاں اسی کمرے میں رکھی ہوئی تھیں جہاں پہلے روز رنگا سے ملاقات سے پہلے مجھے تھوڑی دیر کیلئے روکا گیا تھا۔ وہاں حضوری کے علاوہ دو آدمی اور بھی تھے اور ان کے چہرے میرے لئے اجنبی تھے۔

''پیٹیاں کھولو۔'' رنگا نے اپنے آدمیوں کو اشارہ کیا۔

پیٹیاں لکڑی کی تھیں۔ ان کے اوپر لوہے کی پتلی پتلی پٹیاں لپٹی ہوئی تھیں۔ ٹیڈی نے ایک دیوار گیر الماری سے پلاسٹر نکال لیا اور ایک پیٹی کے قریب گھٹنوں کے بل بیٹھ کر پٹیاں کاٹنے لگا اور پھر وہ لکڑی کی پھٹیاں اکھاڑنے لگا۔

اس پیٹی میں کریلے بھرے ہوئے تھے۔ میں نے رنگا کی طرف دیکھا۔ کریلے دیکھ کر اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات ابھر آئے تھے۔ ٹیڈی پہلے تو دو دو چار چار کریلے اٹھا کر باہر ڈالتا رہا پھر اس نے پیٹی الٹ دی۔ اس میں کریلے کے سوا کچھ نہیں تھا۔ ٹیڈی اور اس کے ساتھی کریلے توڑ توڑ کر دیکھنے لگے۔ خیال تھا کہ شاید ان میں ہیروئن بھری ہوئی ہو لیکن وہ کریلے ہی تھے۔

''دوسری پیٹی کھولو۔'' رنگا کے منہ سے عجیب سی آواز نکلی۔

دوسری پیٹی کھولنے میں رنگا نے زیادہ دیر نہیں لگائی تھی اور اس میں بھی کریلے ہی تھے۔ بیس کلو تو کیا ان میں ہیروئن کی دس گرام کی ایک پڑیا تک برآمد نہیں ہوئی تھی۔

میں نے ایک بار پھر رنگا کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے کے تاثرات بگڑ گئے تھے اور پھر جیسے اس پر پاگل پن کا دورہ پڑ گیا۔ وہ پیروں سے کریلوں کو کچلنے لگا اور پھر انہیں ٹھوکریں مارتا رہا۔ کریلے پورے کمرے میں فرش پر بکھرتے گئے۔

میں نے آگے بڑھ کر رنگا کو بازو سے پکڑ لیا۔ ایک طرف سے ٹیڈی نے اسے بازو سے تھام لیا اور ہم اسے آگے والے کمرے میں لے آئے۔ یہ وہی کمرہ تھا جہاں رنگا سے میری پہلی ملاقات ہوئی تھی۔

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

میں نے اسے کشن پر بٹھا دیا۔

''ایسا دھوکا۔'' رنگا کے منہ سے غراہٹ سی نکلی۔ ''یہ اس حرامی تحریمی کی چال تھی۔ میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔'' وہ ایک لمحہ کو خاموش ہوا پھر ٹیڈی کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ ''یہ اطلاع لاہور سے رسول بخش نے دی تھی۔ اسے بھی اسی فلائٹ پر آنا تھا۔ وہ جیسے ہی یہاں پہنچے اسے میرے پاس لے کر آنا۔''

''میں نے اسے روائیونگ لاؤنج والے گیٹ سے نکلتے ہوئے دیکھا تھا۔ ہوسکتا ہے وہ اپنے گھر چلا گیا ہو یا یہاں پہنچنے والا ہو۔'' ٹیڈی نے جواب دیا۔ اور پھر دس منٹ بعد ہی رسول بخش نامی وہ شخص بھی پہنچ گیا۔ اسے دیکھ کر رنگا پر ایک بار پھر پاگل پن کا دورہ پڑ گیا۔ اس نے رسول بخش کو دھنک کر رکھ دیا۔

''تم کو اس لئے لاہور بھیجا تھا کہ ہمارے ساتھ یہ دھوکا ہو۔'' وہ چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا۔ ''ہمیں اس طرح بے وقوف بنایا انہوں نے جیسے کسی بچے کو بے وقوف بنایا جاتا ہے۔''

''میری اطلاع بالکل درست تھی واجہ۔'' رسول بخش نے کراہتے ہوئے کہا۔ اس سے پہلے کہ رنگا اس پر پھر ہاتھ اٹھاتا یا کچھ کہتا فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ حضوری نے ریسیور اٹھا لیا۔ ہیلو کہنے کے بعد چند لمحے دوسری طرف سے کچھ سنتا رہا پھر ریسیور رنگا کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔

''تمہارا فون ہے واجہ۔''

رنگا کے چہرے پر الجھن کے تاثرات ابھر آئے۔ میں نے بھی اس وقت گھڑی کی طرف دیکھا تھا۔ ساڑھے چار بج رہے تھے۔ میں پھر رنگا کی طرف دیکھنے لگا۔ فون پر بات کرتے ہوئے اس کے چہرے کے تاثرات بگڑتے جا رہے تھے۔ وہ ماؤتھ پیس میں کچھ کہتا تو اس کے منہ سے ایک دو گالیاں ضرور نکلتیں۔ میں اس کی باتوں اور چہرے کے تاثرات سے کچھ اندازہ لگا سکتا تھا کہ وہ کس کی کال ہوسکتی ہے۔

''میرا ایک بات سن لو حرامی۔'' وہ کہہ رہا تھا۔ اب ہمارے اور تمہارے درمیان آخری معرکہ ہوگا اور یقین کرو کہ اس مرتبہ میں تمہیں بھاگنے نہیں دوں گا۔ ہاں ہاں تمہارا دوسرا باپ بھی یہاں موجود ہے لو اس سے بھی بات کر لو۔''

اس نے ریسیور میری طرف بڑھا دیا۔

''کیسی رہی ناجی۔'' ہیلو کے جواب میں تحریمی کی آواز سنائی دی۔ وہ کہہ رہا تھا۔ کیا تم تحریمی کو بیوقوف سمجھتے ہو کہ ہر مرتبہ تمہارے فریب کا شکار ہو جائے گا۔ تمہارے لئے تو میرے پاس کچھ ایسی گرما گرم خبریں ہیں کہ تمہاری طبیعت صاف ہو جائے گی۔'' وہ ایک لمحہ کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا۔ ''رنگا کے آدمی کی اطلاع غلط نہیں تھی۔ رسول بخش کئی روز پہلے شاہ جی کی نظروں میں آ گیا تھا۔ تم لوگوں کو بے وقوف بنانے کیلئے یہ سکیم ان نے بنائی تھی۔ شاہ جی تو اپنے ساتھ بیس کلو کریلے لے کر آیا اور کریلے وہ سبزی ہے جس سے رنگا کو بچپن ہی سے شدید نفرت ہے۔ بہرحال اس جہاز پر ہمارا دوسرا آدمی بیس کلو ہیروئن لے کر آ رہا تھا۔ تم لوگ شاہ جی کے پیچھے لگ گئے اور ہمارا دوسرا آدمی مال لے کر آرام سے یہاں پہنچ گیا اور شاہ جی وغیرہ راستے میں آسانی سے تم لوگوں کے ہتھے چڑھ گئے۔ کیا تم انہیں اتنا ہی بے وقوف سمجھتے ہو کہ کروڑوں کا مال لے کر ویرانے کی طرف نکل جاتے۔ نہیں ناجی بیوقوف تو ہم نے تمہیں بنایا

اور اب تمہارے لئے ایک اور خبر' لیکن اس سے پہلے یہ آواز سن لو۔ تم یقیناً پہچان لو گے۔'' ایک لمحے کو خاموشی رہی اور اس کے بعد ریسیور پر جو آواز سنائی دی اس نے تو مجھے اچھلنے پر مجبور کر دیا تھا۔ میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔

''ناجی مجھے ان بھیڑیوں سے بچا لو یہ لوگ مجھے۔'' وہ نرگس کی آواز تھی۔ جسے پہچاننے میں' میں کوئی غلطی نہیں کی تھی۔ مگر اس کا جملہ مکمل نہیں ہونے دیا گیا۔ اس کے فوراً ہی بعد دوبارہ تحریمی کی غراتی ہوئی آواز سنائی دی۔

''تم نے اس آواز کو ضرور پہچان لیا ہوگا۔'' وہ کہہ رہا تھا۔ تمہاری اس چہیتی کو کئی روز پہلے رضیہ نے بلاک تھری کی مارکیٹ میں دیکھ لیا تھا۔ وہ تو اسی وقت نرگس کا تیا پانچہ کر دینا چاہتی تھی۔ لیکن اتفاق سے میں اس کے ساتھ تھا۔ میں نے رضیہ کو روکے رکھا۔ نرگس کا تعاقب کر کے ہم نے تمہارے ٹھکانے کا پتہ چلا لیا۔ میں موقع کی تلاش میں تھا اور آج میں نے منصوبے پر عمل کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ میں تمہیں اور رنگا کو بیک وقت سرپرائز دینا چاہتا تھا۔ رنگا کیلئے تو سرپرائز یہ ہے کہ اسے کریلے بھیج کر بے وقوف بنایا گیا اور تمہارے لئے سرپرائز یہ ہے کہ تمہاری دوست اس وقت میرے قبضے میں ہے اگر تم دس کلو ہیروئن کا تھیلا میرے حوالے کر دو تو نرگس کو کوئی نقصان پہنچائے بغیر چھوڑ دیا جائے گا۔ بصورت دیگر تم جانتے ہو کہ رضیہ اس سے کس طرح خار کھائے بیٹھی ہے۔

وہ اس کے اتنے ٹکڑے کر دے گی کہ تم گنتی بھی نہیں کر پاؤ گے۔ میں تمہیں تین دن کا وقت دے رہا ہوں۔ میرا فون نمبر تمہارے پاس موجود ہے۔ اگر یہ ڈیل منظور ہو تو اطلاع دے دینا اور ایک بات ذہن میں رکھنا کسی قسم کی مہم جوئی کی کوشش نہ صرف نرگس کی موت کا باعث بن جائے گی بلکہ تم بھی نقصان اٹھاؤ گے۔ میں تمہارے فون کا انتظار کروں گا۔''

اس سے پہلے کہ میں کچھ کہتا رابطہ منقطع ہو گیا۔ میں ریسیور کان سے لگائے بیٹھا رہا۔ میرے دماغ میں دھماکے ہو رہے تھے۔ رنگا وغیرہ نے میرے چہرے کے تاثرات سے میری کیفیت کا اندازہ لگا لیا تھا۔

''وہ کیا بولا تم کو؟'' رنگا نے سوالیہ نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔

''وہ نرگس کو اٹھا کر لے گیا ہے۔'' میں نے جواب دیا۔

''نہیں رے۔'' ٹیڈی ایک دم بول پڑا۔

''نرگس اس کے قبضے میں ہے۔ مجھے فون پر اس کی آواز بھی سنائی گئی ہے۔'' میں نے جواب دیا۔

''وہ بلف تو نہیں کر رہا؟'' رنگا نے کہا۔

''نہیں' میں نرگس کی آواز پہچاننے میں غلطی نہیں کر سکتا۔'' میں نے جواب دیا۔ ''تحریمی نے مطالبہ کیا ہے کہ اگر میں نے وہ دس کلو ہیروئن اس کے حوالے نہیں کی تو وہ نرگس کو قتل کر دے گا۔''

''ہیروئن۔'' رنگا نے چونک کر میری طرف دیکھا۔ ''وہ ہیروئن کہاں ہے۔ میں تو سمجھا تھا کہ تم نے اسے ضائع کر دیا ہوگا۔''

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

"اسی مکان میں ہے۔" میں نے جواب دیا۔ لیکن مجھے حیرت ہے انہیں وہاں سے ہیروئن کیسے نہیں ملی۔ انہوں نے فیڈرل بی ایریا والے بنگلے پر چھاپہ مارا تھا تو ہیروئن کی تلاش میں ایک ایک چیز الٹ پلٹ کر رکھ دی تھی۔ انہوں نے یہاں بھی تلاشی لی ہوگی۔ وہ تھیلا کسی ایسی جگہ پر نہیں رکھا گیا تھا کہ نظروں میں نہ آ سکتا لیکن۔"

"چلو واجہ رنگا اٹھتے ہوئے بولا۔ ابھی چلو۔ دیکھتے ہیں کیا قصہ ہے۔"

رنگا نے ٹیڈی کو اشارہ کیا۔ وہ ہم سے پہلے ہی باہر نکل گیا اور چند منٹ بعد جب ہم کمرے سے نکل کر نیچے آئے تو بلڈنگ کمپاؤنڈ میں وہی سیاہ وین موجود تھی اور ٹیڈی سٹیئرنگ کے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔ دونوں پچھلی سیٹوں پر آمنے سامنے بیٹھ گئے اور وین حرکت میں آ کر عمارت سے باہر نکل گئی۔

سڑکوں پر ٹریفک اس وقت نہ ہونے کے برابر تھا۔ ٹیڈی بڑی تیز رفتاری سے وین ڈرائیو کر رہا تھا۔ لیاری سے گلشن اقبال تک پہنچنے میں پچیس منٹ سے زیادہ نہیں لگے۔

پانچ بج چکے تھے۔ صبح ہونے کو تھی اور گلی سنسان پڑی تھی۔ ٹیڈی نے گاڑی بنگلے کے سامنے روک دی۔ میں اور رنگا چھلانگ لگا کر وین سے اتر آئے۔ ٹیڈی بھی انجن بند کر کے نیچے آ گیا تھا۔

گیٹ لاک نہیں تھا۔ برآمدے والا دروازہ بھی محض بھڑا ہوا تھا۔ اندر لاؤنج کی بتی جل رہی تھی۔ ایک صوفہ اور دو کرسیاں الٹی پڑی تھیں۔ صورتحال کا اندازہ لگانے میں مجھے دشواری پیش نہیں آئی میں تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا بیڈروم میں پہنچ گیا۔ یہاں بھی صورتحال خاصی ابتر تھی۔ صاف اندازہ لگایا جا سکتا کہ یہاں کسی قسم کی دھینگا مشتی ہوئی تھی۔ الماری کے پٹ کھلے ہوئے تھے اور کپڑے باہر فرش پر بکھرے ہوئے تھے لیکن الماری کا سب سے نیچے والا حصہ لاک تھا۔

میں نے ڈریسنگ ٹیبل کی دراز کھول کر چابیوں کا گچھا نکالا اور ایک چابی منتخب کر کے الماری کا نچلا خانہ کھولنے لگا۔ دراز کھلتے ہی میرے منہ سے گہرا سانس نکل گیا۔ وہ دونوں تھیلے وہاں موجود تھے۔

آہٹ سن کر میں پیچھے مڑ گیا۔ رنگا دروازے میں داخل ہو رہا تھا۔ میں نے وہ دونوں تھیلے الماری سے نکال کر بیڈ پر پھینک دیئے۔

"یہ کیا ہے؟" رنگا نے الجھی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھا۔

"ہیروئن ہے۔" میں نے اس تھیلے کا منہ کھول دیا۔ انہوں نے الماری کی تلاشی لی تھی لیکن مجھے حیرت ہے نیچے والا خانہ کیوں نہیں کھولا۔ ہیروئن والا یہ تھیلا اسی میں رکھا ہوا تھا۔"

"اور یہ دوسرے تھیلے میں کیا ہے؟" اس نے پوچھا۔

"کچھ زیورات ہیں۔" میں نے کہا اور مختصر طور پر ان زیورات کے بارے میں بتانے لگا۔ "میں نے سوچا تھا ان زیورات کو فروخت کر کے یہاں کوئی چھوٹا سا بزنس شروع کر دوں گا لیکن یہاں آتے ہی گڑبڑ شروع ہو گئی اور میں پہلے کی طرح اس دلدل میں پھنستا چلا گیا۔"

"ایک بات ہے واجہ۔" رنگا نے کہا۔ آدمی اس دھندے میں آ تو جاتا ہے مگر نکل نہیں سکتا۔ موت ہی اسے نجات دلاتی ہے۔"

اس نے بات کرتے ہوئے زیورات والا تھیلا کھولا تو اس کی آنکھوں میں عجیب سی چمک ابھر

آئی۔

"ایک بات سمجھ میں آتی ہے۔" وہ کہہ رہا تھا۔ "ہوسکتا ہے نرگس نے شور مچا دیا ہو اور پڑوسیوں کی مداخلت کے اندیشے سے انہیں پوری طرح تلاشی لینے کا موقع نہیں مل سکا اور وہ لوگ نرگس کو لے کر بھاگ گئے۔"

"ہوسکتا ہے ایسا ہی ہوا ہو۔" میں نے کہا اور پھر اسی لمحہ کال بیل کی آواز سن کر میں اچھل پڑا۔ میں تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا لاؤنج میں آ گیا۔ جہاں ٹیڈی کھڑا ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ اس دوران کال بیل کی آواز ایک بار پھر سنائی دی۔ میں برآمدے میں پہنچا تو باہر مختلف آوازیں سن کر تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا باہر آ گیا۔

گیٹ کے سامنے دس بارہ آدمی تھے۔ ان میں سب سے آگے ریحان تھا۔ زبیدہ کا شوہر۔ میں نے اسے پہلے صرف ایک مرتبہ دیکھا تھا۔

"ریحان صاحب۔" میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "یہ سب کچھ کیسے ہوا۔ وہ کون لوگ تھے؟ آپ لوگوں نے میری بیوی کو بچانے کی کوشش کیوں نہیں کی۔"

اور پھر ریحان نے جو بات بتائی اس سے مجھے اندازہ ہو گیا کہ یہ سب کچھ کیسے ہوا ہوگا۔ اس کے کہنے کے مطابق وہ اپنے کمرے میں لیٹا کوئی کتاب پڑھ رہا تھا کہ دو بجے کے قریب گلی میں کوئی گاڑی رکنے کی آواز سنائی دی۔ یہ کوئی غیر معمولی بات نہیں تھی لیکن نجانے کیا بات تھی کہ اسے کچھ شبہ سا ہوا۔ وہ اپنے کمرے سے نکل کر دوسرے کمرے میں آ گیا۔ جہاں ایک کھڑکی سے باہر گلی میں دیکھا جا سکتا تھا۔ ایک آدمی میرے بنگلے کی دیوار پھاند کر اندر داخل ہوا۔ اس نے گیٹ کھول دیا۔ گاڑی سے ایک عورت اور چار آدمی اتر کر بنگلے میں داخل ہو گئے۔ انہوں نے کسی طرح برآمدے والا دروازہ بھی کھول لیا اور وہ تینوں اندر غائب ہو گئے۔

اندر سے نسوانی چیخوں کی آواز سنائی دی تو اس نے زبیدہ کو بھی جگا دیا۔ انہیں یہ اچھی طرح احساس تھا کہ کوئی گڑبڑ ہے لیکن وہ باہر آنے کی ہمت نہیں کر سکے اور پھر بنگلے سے ایک فائر کی آواز سن کر ریحان نے اپنا لائسنس یافتہ پستول نکال لیا اور اندرونی زینے سے چھت پر چڑھ کر ہوائی فائرنگ شروع کر دی۔

گلی کے دوسرے گھروں میں بھی لوگ جاگ گئے تھے۔ بعض دوسرے گھروں سے بھی ہوائی فائرنگ شروع ہو گئی۔

ریحان کے کہنے کے مطابق میرے بنگلے میں گھسنے والے لوگ میری بیوی کو گھسیٹتے ہوئے باہر لائے اور کار میں ڈال کر فرار ہو گئے۔

ریحان کے کہنے کے مطابق اس کے گھر میں ٹیلی فون نہیں تھا لیکن بعض دوسرے گھروں سے ٹیلی فون پر پولیس کو اس واقعہ کی اطلاع دی گئی تھی۔ پولیس کی ایک موبائل اس طرف آئی تھی۔ پولیس نے فائرنگ سے ڈکیتی اور اغوا کی واردات قرار دیا تھا اور ریحان کو گھر کا خیال رکھنے کی ہدایت دے کر وہ لوگ واپس چلے گئے تھے۔

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

میں نے ریحان کو بتایا کہ میں اپنے دوست کو لینے کیلئے ایئرپورٹ گیا ہوا تھا۔ وہ لوگ مجھ سے ہمدردی کرنے لگے۔ میں نے بڑی مشکل سے ان لوگوں سے پیچھا چھڑایا تھا۔

"اب کیا کرنا ہے واجد؟" میں اندر آیا تو رنگا نے سوالیہ نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔

"ہم اس پوزیشن میں نہیں ہیں کہ تحریمی کے خلاف فوری طور پر کوئی کارروائی کر سکیں۔" میں نے کہا۔ "اس نے مجھے تین دن کی مہلت دی ہے اور مجھے یقین ہے کہ اس دوران وہ نرگس کو کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا۔ تم یہ دونوں تھیلے لے جاؤ۔ میں دن میں کسی وقت آؤں گا اور پھر کوئی پروگرام بنائیں گے۔"

"ابھی ہمارے ساتھ کیوں نہیں چلتے۔" رنگا نے کہا۔

"ابھی محلے کے لوگوں سے میری بات ہوئی تھی۔" میں نے کہا۔ "انہوں نے بتایا کہ پولیس بھی آئی تھی۔ ہو سکتا ہے کسی نے پولیس کو فون پر میری آمد کے بارے میں بتا دیا ہو اس وقت پولیس سے منہ چھپانا مناسب نہیں سمجھتا۔ یہاں میں منیر احمد کے نام سے رہ رہا ہوں۔ میری عدم موجودگی میں میری بیوی کو اغوا کر لیا گیا ہے اور میرا پولیس سے رابطہ کرنا ضروری ہے تاکہ میں خود شبہات کی زد سے بچ سکوں۔"

"لیکن اگر تحریمی نے پولیس کو تمہاری اصلیت سے آگاہ کر دیا تو؟" رنگا نے کہا۔

"وہ ایسا نہیں کرے گا۔" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "دس کلو ہیروئن میرے قبضے میں ہے اگر اس نے پولیس کو میری اصلیت سے آگاہ کر دیا تو اسے ہیروئن سے بھی ہاتھ دھونے پڑیں گے۔ اس لیے مجھے یقین ہے کہ وہ ایسا نہیں کرے گا۔"

"سوچ لو...... کہیں خود نہ پھنس جانا۔" رنگا بولا۔

"میری تم فکر مت کرو۔" میں نے کہا۔ "یہ دونوں پیکٹ لے جاؤ۔ ہیروئن کسی گٹر میں بہا کر ضائع کر دینا۔ میری یہ امانت سنبھال کر رکھنا۔" میں نے زیورات والے تھیلے کی طرف اشارہ کیا۔

"ہیروئن تو میں آج ہی گٹر میں بہا دوں گا اور یہ تھیلا تمہارا امانت ہے واجد۔ میں اپنے پاس رکھوں گا۔" رنگا نے کہا۔

ان کے جانے کے بعد میں فرنیچر اور دوسرا الٹا ہوا سامان درست کرنے لگا۔ باہر دن کی روشنی پھیل رہی تھی اور گلی میں لوگوں کی آمد و رفت شروع ہو چکی تھی۔ میں نے کچن میں جا کر چائے بنائی اور لاؤنج میں بیٹھا چائے کی چسکیاں لے رہا تھا کہ کال بیل کی آواز سنائی دی۔ میری نظریں بے اختیار گھڑی کی طرف اٹھ گئیں۔ ساڑھے سات بج رہے تھے۔

وہ سامنے کا پڑوسی ریحان تھا جو میرے لئے ناشتہ لے کر آیا تھا۔ میں نے اس کے ہاتھ سے ٹرے لینا چاہی مگر وہ اندر آ گیا اور لاؤنج میں آ کر اس نے ٹرے کافی ٹیبل پر رکھ دی اور میری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"پولیس سے کوئی اطلاع ملی؟"

"میں نے فون پر پولیس سے رابطہ کیا تھا۔" میں نے جھوٹ بولا۔ "پولیس والے یہاں آنے والے ہیں وہ......"

"آپ کو خود پولیس اسٹیشن جانا چاہئے۔" اس نے میری بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "جب تک آپ پیچھے نہیں پڑیں گے پولیس کوئی کارروائی نہیں کرے گی۔"

"دیکھتا ہوں۔" میں نے جواب دیا۔ "اگر پولیس یہاں نہ آئی تو مجھے خود ہی جانا پڑے گا۔"

"میں آٹھ بجے دفتر چلا جاؤں گا۔ پڑوس والے بنگلے میں حفیظ صاحب موجود ہیں۔ میں نے ان سے بات کر لی ہے اگر آپ ضروری سمجھیں تو انہیں ساتھ لے جائیے یا پولیس یہاں آئے تو انہیں بلا لیجئے۔" ریحان نے کہا۔

"بہتر ہے۔" میں نے سر ہلا دیا۔

ریحان کے جانے کے بعد میں ناشتہ کرنے لگا۔ ناشتہ سلائس، مکھن، انڈے کا آملیٹ اور جیم پر مشتمل تھا۔

ناشتے کے تھوڑی ہی دیر بعد موٹر سائیکل پر دو پولیس والے پہنچ گئے۔ ایک ادھیڑ عمر اے ایس آئی تھا اور دوسرا کانسٹیبل۔ میں انہیں اندر لے آیا۔ ریحان ابھی تک دفتر نہیں گیا تھا۔ پولیس والوں کو دیکھ کر وہ بھی آ گیا اور وہی پولیس کو صورتحال سے آگاہ کرنے لگا۔

"آپ کہاں تھے؟" اے ایس آئی نے یہ سوال مجھ سے کیا تھا۔

"میں اپنے ایک دوست کو لینے ایئرپورٹ گیا ہوا تھا۔" میں نے جواب دیا۔

"وہ لاہور سے آیا تھا اور اسے سعودی عرب جانا تھا۔ دو گھنٹوں کا وقت تھا اس لیے میں اس کے ساتھ ایئرپورٹ پر ہی رہا اور پانچ بجے کے قریب واپس آیا تو یہاں یہ صورتحال تھی۔"

اے ایس آئی مجھ سے مختلف نوعیت کے سوالات پوچھتا رہا اور میں نہایت محتاط انداز میں جواب دیتا رہا۔ میں نے اسے بھی یہی بتایا کہ میں بجلی کے آلات کی سپلائی کا کام کرتا ہوں۔ کراچی کی طرف چونکہ اکثر آنا جانا رہتا ہے اس لئے میں نے یہاں یہ مکان کرائے پر لے رکھا ہے۔ اس مرتبہ لمبی مدت کیلئے آیا تھا اس لئے بیوی کو بھی لے آیا۔

اس دوران پڑوس میں رہنے والے حفیظ صاحب اور دو آدمی اور بھی آ گئے تھے۔ مجھ سے یہاں کسی کو شکایت نہیں تھی۔ نرگس بھی محلے کی عورتوں سے ملتی رہتی تھی اس کے سب سے اچھے تعلقات تھے اور میری حمایت میں بول رہے تھے۔

"آپ کی کسی سے دشمنی؟" پولیس آفیسر نے سوالیہ نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔

"میں تو یہاں بہت کم لوگوں کو جانتا ہوں۔ کسی سے دشمنی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔" میں نے جواب دیا۔

"کوئی اور نقصان تو نہیں ہوا آپ کا، میرا مطلب ہے کوئی نقدی وغیرہ....."

"وہ لوگ میری بیوی کو اٹھا کر لے گئے اس سے بڑا نقصان اور کیا ہو گا۔" میں نے جواب دیا۔ "میں نہیں جانتا وہ کون لوگ تھے آپ ان لوگوں کا سراغ لگا کر میری بیوی کو برآمد کیجئے۔ میں اس کیلئے بڑے سے بڑا نقصان اٹھانے کیلئے تیار ہوں۔ تفتیشی سرگرمیوں میں روپے پیسے کی ضرورت ہو تو میں وہ بھی دینے کو تیار ہوں۔ آپ خرچ کی فکر مت کریں آفیسر ..... اپنی بیوی کیلئے میں سب کچھ کرنے کو تیار ہوں۔"

www.pdfbooksfree.pk

میں جذباتی ہو گیا اور وہ سب کچھ کہہ گیا جو ایک غم زدہ شوہر کو کہنا چاہئے تھا۔

''ٹھیک ہے منیر احمد صاحب۔'' اے ایس آئی اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ ''بدقسمتی سے آج صبح سے میرے ہی بلاک فائیو میں قتل کی ایک اور واردات ہو گئی ہے ایس ایچ او صاحب اس طرف گئے ہوئے ہیں آپ بارہ بجے کے بعد تھانے آ جائیے ہم سے جو ہو سکے گا ہم کریں گے۔ شہریوں کی جان و مال کی حفاظت ہمارا فرض ہے۔''

پولیس آفیسر کو رخصت کرتے ہوئے میں نے پانچ سو روپے کا ایک نوٹ اس کی مٹھی میں دبا دیا تھا۔ ریحان اور حفیظ وغیرہ بھی چلے گئے۔ ان کے جانے کے بعد میں گیٹ بند کر کے اندر آ گیا اور صوفے پر ڈھیر ہو گیا۔

میں رات بھر جاگا تھا اور اس صورتحال سے بھی میرے دماغ میں سنسناہٹ ہو رہی تھی۔ اب یہ بات بھی میری سمجھ میں آ گئی تھی کہ وہ لوگ ہیروئن تلاش کیوں نہیں کر سکے تھے۔ میرے گھر سے چیخنے اور فائر کی آواز سنتے ہی ریحان اور محلے کے دوسرے لوگوں نے ہوائی فائرنگ شروع کر دی تھی اور وہ لوگ بدحواس ہو کر بھاگ کھڑے ہوئے تھے۔ ریحان نے بتایا تھا کہ ان کے ساتھ ایک عورت بھی تھی۔ وہ یقیناً رضیہ تھی۔ محلے والوں کی فائرنگ کی وجہ سے انہیں پوری طرح سے تلاشی لینے کا موقع نہیں مل سکا تھا۔

مجھے نرگس کی پریشانی تھی۔ میری وجہ سے اس نے بڑی تکلیفیں اٹھائی تھیں اور اب وہ بدترین دشمنوں کی قید میں تھی۔ تحریمی نے مجھے تین دن کی مہلت دی تھی اور میں جانتا تھا کہ وہ تین دن تک نرگس کو کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے اور اس کے بعد نرگس کی زندگی کی ضمانت نہیں دی جا سکتی تھی۔

دس کلو ہیروئن کا تھیلا نرگس کی زندگی کی ضمانت بن سکتا تھا لیکن میں وہ ہیروئن تحریمی کو واپس نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ ہیروئن واپس کر دینے سے میری اور ان کی دشمنی ختم نہیں ہو سکتی تھی۔ میں نے انہیں پہلے بھی کروڑوں کا نقصان پہنچایا تھا۔ وہ اپنے اس نقصان کو فراموش نہیں کر سکتے تھے۔ ویسے بھی میں وہ ہیروئن رنگا کے حوالے کر چکا تھا اور ہو سکتا ہے وہ اب تک ضائع کی جا چکی ہو۔

یہی سب کچھ سوچتے ہوئے میری آنکھ لگ گئی اور میں صوفے پر پڑے پڑے سو گیا۔

اور پھر کال بیل کی آواز سن کر میری آنکھ کھلی تھی۔ میں نے دیوار پر لگی ہوئی گھڑی کی طرف دیکھا دوپہر کے تین بجنے والے تھے۔ کال بیل مسلسل بج رہی تھی۔ لگتا تھا جیسے کوئی بٹن پر انگلی رکھ کر اٹھانا بھول گیا ہو۔

میں ہڑبڑا کر اٹھ گیا اور تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا باہر نکل گیا۔ اس طرح نیند سے بیدار ہونے پر دماغ میں سنسناہٹ سی ہو رہی تھی اور جب میں نے گیٹ کھولا تو میرے دماغ بھک سے اڑ گیا۔

رضیہ میرے سامنے کھڑی تھی۔ اس کی آنکھوں میں اگرچہ نفرت کی چنگاریاں بھڑک رہی تھیں لیکن ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ اس سے دو قدم پیچھے سالار بھی کھڑا تھا۔

میں نے ادھر ادھر دیکھا۔ سامنے والے مکان میں زبیدہ دروازے کی آڑ میں کھڑی ہماری طرف دیکھ رہی تھی۔ دوسرے مکان سے بھی ایک چہرہ جھانکتا ہوا نظر آیا۔ رضیہ نے جس طرح گھنٹی بجائی تھی اس سے پڑوسی بھی شاید پریشان ہو گئے تھے۔

''ایسی بھی کیا بے مروتی مجھے اندر آنے کیلئے نہیں کہو گے؟'' رضیہ نے میرے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔

میرے دماغ میں ابھی تک دھماکے ہو رہے تھے۔ ان دونوں کو دیکھ کر میرے دل میں ہلکا سا خوف ابھرا تھا لیکن ایسا بزدل بھی نہیں تھا کہ ڈر کر دروازہ بند کر لیتا۔ میں راستے سے ایک طرف ہٹ گیا۔ رضیہ اور سالار اندر آ گئے تو میں نے دروازہ بھیڑ دیا۔

ہم لاؤنج میں آ گئے۔ رضیہ متجسس نظروں سے ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔ سالار بھی خاصا محتاط نظر آ رہا تھا۔ اس کا ایک ہاتھ پتلون کی جیب میں تھا اور مجھے یقین تھا کہ اس نے جیب میں رکھے ہوئے پستول کے دستے پر گرفت جما رکھی ہو گی۔

''اب یہ بات تمہاری سمجھ میں آ گئی ہو گی کہ ہم سے بچ کر کہیں نہیں جا سکتے۔'' رضیہ نے ایک بار پھر ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا۔ اس نے گرے کلر کی سلور بارڈر والی ساڑی پہن رکھی تھی۔ بلاؤز سلیولیس اور خاصا مختصر تھا۔ میک اپ بھی سلیقے کا تھا۔ گویا وہ خوب تیاری کر کے آئی تھی۔

''تم اب تک ہمیں اچھا خاصا نقصان پہنچا چکے ہو۔'' وہ بات جاری رکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ ''بندرگاہ پر جو مال پکڑوایا تھا اس نے اگرچہ تحریمی کی کمر دوہری کر دی تھی مگر وہ بڑا مضبوط آدمی ہے۔ اس کی پشت پر بین الاقوامی ڈرگ مافیا ہے۔ دنیا کی بڑی بڑی حکومتیں دیوالیہ ہو سکتی ہیں لیکن ڈرگ مافیا کی تنظیمیں کبھی مالی بحران میں مبتلا نہیں ہو سکتیں۔ کراچی کی بندرگاہ پر پچیس کلو ہیروئن پکڑے جانے سے تحریمی دیوالیہ نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ تحریمی ایک آدمی کا نام نہیں۔ وہ ایک بہت طاقتور تنظیم کا نمائندہ ہے۔ تم تو کیا یہاں کی حکومت بھی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ اس کا تم نے بھی اندازہ لگا لیا ہو گا اور پھر تم سے ایک بڑی حماقت یہ ہوئی کہ رنگا جیسے شہدے سے مل گئے۔ رنگا ایک معمولی سا غنڈہ ہے۔ ٹھیلوں اور پتھارے والوں سے ہفتہ وصول کرنے والا۔ ہو سکتا ہے اس نے اپنے بارے میں تمہیں کوئی دلچسپ کہانی سنائی ہو لیکن اس کے پاس کوئی طاقت نہیں ہے۔ تحریمی سے دشمنی اس کا ذاتی معاملہ ہے لیکن کئی سال گزرنے کے بعد بھی وہ تحریمی کا کچھ نہیں بگاڑ سکا۔ وہ تحریمی سے اپنا ذاتی انتقام لینے کیلئے اب تک کئی لوگوں کو اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کر چکا ہے۔ اس نے تحریمی کے ساتھ کئی بار پنگا بھی لیا لیکن نقصان ہمیشہ اس کا اپنا ہی ہوا۔ اور اب تم اس کے ہتھے چڑھ گئے۔ میرا خیال ہے کہ تم سے بڑا بے وقوف کوئی نہیں ہو گا جو رنگا جیسے معمولی غنڈے کے سہارے تحریمی سے ٹکر لینے کی کوشش کر رہے ہو۔ تحریمی تمہیں چٹکی میں مسل دے گا ناجی۔''

''کیا تم تحریمی کے گن گانے کیلئے یہاں آئی ہو؟'' میں نے اسے گھورا۔ ''اپنی آمد کا مقصد بتاؤ رضیہ۔''

''مقصد بتانے کیلئے ہی آئی ہوں۔ بلکہ میں تمہیں آنے والے خطرے سے آگاہ کرنے آئی ہوں۔'' رضیہ نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے جواب دیا۔ اس دوران سالار بڑی آزادی سے پورے گھر میں گھوم رہا تھا۔

''تم جانتی ہو میں خطرات سے نہیں ڈرتا۔'' میں نے رضیہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ صوفے پر اس طرح بیٹھی تھی کہ ایک پیر دوسری ٹانگ پر رکھا ہوا تھا۔ ساڑی کا پلو نہ صرف کندھے پر سے سرک گیا تھا

aazzamm@yahoo.com

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

بلکہ اس کی ایک ٹانگ بھی اوپر تک برہنہ ہوگئی تھی۔

''دیکھو ناجی۔'' وہ قدرے آگے جھکتے ہوئے بولی۔ ''میں نے تمہارے ساتھ کبھی کوئی برائی نہیں کی۔ وہ میں ہی تھی جس نے ہمیشہ برے وقت پر تمہیں سہارا دیا لیکن تم نے اس کا کیا بدلہ دیا۔ مجھے ہوٹل میں چھوڑ کر بھاگ گئے اور جب طویل عرصہ بعد واپس آئے تو اس وقت بھی میں ہی تمہارا سہارا بنی تھی۔ میں نے پرانی باتیں دل سے نکال دی تھیں لیکن نرگس کی وجہ سے تم مجھ سے دور ہٹتے گئے۔ بلکہ وہ تمہارے دل میں میرے خلاف نفرت بھرتی رہی۔ تم نے اس کی باتوں میں آ کر میرے ساتھ ایک بار پھر دھوکا کیا۔ نہ صرف میرے گھر سے لاکھوں روپے چرا کر لے گئے بلکہ میری جائیداد بھی دھوکے سے بیچ دی اور مجھے کوڑی کوڑی کا محتاج بنا دیا۔ اگر شاہ جی اور تحریمی مجھے سہارا نہ دیتے تو میں اس وقت سڑکوں پر بھیک مانگ رہی ہوتی۔ لیکن ...'' وہ خاموش ہو کر کچھ اور آگے جھک گئی۔ میری نظریں اس کے بلاؤز کے اندر رینگنے لگیں۔

''میں یہ سب کچھ بھولنے کو تیار ہوں۔'' وہ کہہ رہی تھی۔ ''میں وہی رضیہ ہوں جس نے تمہیں زندگی کی لذتوں سے روشناس کرایا تھا۔ میری بانہیں اب بھی تمہیں اپنے حصار میں لینے کو تیار ہیں۔ میں ماضی کی ہر بات فراموش کرنے کو تیار ہوں۔ تم نے مجھے جو نقصان پہنچایا ہے میں اسے بھی بھول جاؤں گی اور.....''

''اور اس کیلئے تمہاری شرائط کیا ہیں؟'' میں نے مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔

''تحریمی کی وہ دس کلو ہیروئن واپس کر دو جو تم نے اس کے آدمی سے چھینی تھی۔'' رضیہ نے جواب دیا۔ ''میں وعدہ کرتی ہوں کہ ماضی میں جو کچھ ہوا تحریمی بھی اسے بھول جائے گا اور اگر تم چاہو تو تحریمی تمہیں اپنے گروہ میں جگہ دینے کو بھی تیار ہے بلکہ وہ تم جیسے ذہین اور نڈر آدمی کو اپنے ساتھ دیکھنے کا خواہشمند ہے۔ وہ تمہیں کوئی اچھی پیشکش بھی کر سکتا ہے۔ تم زندگی بھر عیش کرو گے اور.....''

''اور تمہیں نرگس سے دستبردار ہونا پڑے گا۔'' رضیہ نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔ ''یہ نرگس ہی دراصل تمہاری تباہی اور بربادی کی ذمے دار ہے۔ اگر تم نے اس سے علیحدگی اختیار نہ کی تو وہ تمہیں بالکل برباد کر دے گی اور میں وعدہ کرتی ہوں کہ نرگس کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ وہ جہاں چاہے گی اسے سیٹل کر دیا جائے گا اور اسے اتنی رقم بھی دے دی جائے گی کہ دس بارہ سال تک اسے کوئی پریشانی نہیں ہو گی۔''

''اور؟'' میں نے اس کے چہرے پر نظریں جما دیں۔

''اور...'' رضیہ نے ایک بار پھر پہلو بدلا۔ اس مرتبہ ٹانگ پر سے ساڑھی کچھ اور سمٹ گئی تھی۔ ''اور تمہیں رنگا سے بھی علیحدگی اختیار کرنی پڑے گی۔'' وہ کہہ رہی تھی۔ رنگا ایک معمولی سا غنڈہ اور کنویں کا مینڈک ہے۔ وہ صرف اپنے علاقے تک محدود ہے جہاں اس کی قوم کے لوگوں کی اکثریت آباد ہے۔ لیاری اور بغدادی سے باہر وہ کچھ بھی نہیں۔ اس سے تم کوئی بھی فائدہ نہیں اٹھا سکو گے۔''

''اگر میں تمہاری یہ باتیں ماننے سے انکار کر دوں تو؟'' میں نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔

''سراسر گھاٹے میں رہو گے۔'' رضیہ بولی۔ ''تحریمی تمہیں تین دن کی مہلت دے چکا ہے۔ اس وقت تک نرگس بھی محفوظ رہے گی اور تمہارے خلاف بھی کوئی کارروائی نہیں کی جائے گی اور انکار کی صورت

میں نرگس کی موت اور اپنے نقصان کے ذمے دار تم خود ہو گے۔ ایک بات میں تمہیں بتا دینا ضروری سمجھتی ہوں کہ تحریمی ایک ایسا عفریت ہے جس سے تمہیں دنیا کے کسی کونے میں بھی پناہ نہیں ملے گی۔ اچھی طرح سوچ لو تمہارے پاس تین دن ہیں۔ مجھے امید ہے کہ تم اس مہلت سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرو گے۔''

''ایک بات میں نے تم سے اب تک نہیں کہی۔'' میں نے کہا۔ ''صبح چار بجے تحریمی نے مجھے فون پر بتا دیا تھا کہ نرگس اس کے قبضے میں ہے۔ یہاں پولیس بھی مجھ سے پوچھنے کیلئے آئی تھی اور میں نے پولیس کو تم لوگوں کے بارے میں نہیں بتایا اور اگر.....''

''تم نے پولیس کو ہمارے بارے میں کچھ نہ بتا کر عقلمندی کی ہے۔'' رضیہ نے میری بات کاٹتے ہوئے کہا۔

''تحریمی بے وقوف نہیں ہے۔ وہ جانتا ہے ایسی کارروائیاں کسی کے تعاون کے بغیر نہیں کی جا سکتیں۔ اسے بھی ''تعاون'' حاصل تھا۔ آج صبح پولیس کا ایک ادنیٰ ترین آفیسر تمہارے پاس آیا تھا۔ صرف تمہاری اشک شوئی کیلئے۔ تمہاری خاموشی کی وجہ سے اگر اس سے پہلے تم خود پولیس کے پاس جاتے تو شاید تمہی کو نرگس کے اغوا کے الزام میں سلاخوں کے پیچھے بند کر دیا جاتا۔ اس کے علاوہ.....'' وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگی۔

''اس کے علاوہ تحریمی پولیس کو اس معاملے میں ملوث نہیں کرنا چاہتا۔ وہ چاہتا ہے کہ یہ معاملہ آپس میں طے ہو جائے۔ اس لئے میں تمہارے پاس آئی ہوں۔ میں نے کھلے دل سے ساری باتیں تمہارے سامنے رکھ دی ہیں۔ اب یہ فیصلہ تمہارے ہاتھ میں ہے کہ تم کیا چاہتے ہو۔ تمہارے پاس تین دن ہیں اور اگر تم چاہو تو میں یہ تین دن تمہارے پاس رہ سکتی ہوں تاکہ تمہیں تنہائی کا احساس نہ ہو۔'' آخری جملہ کہتے ہوئے اس کے ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ آ گئی تھی۔

میں خاموشی سے اس کی طرف دیکھتا رہا۔ رضیہ کچھ اور پھیل کر بیٹھ گئی تھی۔ میری نظریں بار بار اس کے بدن کے کھلے ہوئے حصوں کی طرف اٹھ رہی تھیں۔ وہ جان بوجھ کر ساڑھی کو سرکاتی جا رہی تھی۔

''تم چاہو تو میں ابھی یہاں رہ جاؤں۔ سالار واپس چلا جائے گا۔'' رضیہ نے ایک بار پھر میری طرف دیکھتے ہوئے معنی خیز لہجے میں کہا۔

''تم جا سکتی ہو۔'' میں ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ سالار بھی اس وقت ایک کمرے سے نکل رہا تھا۔ میرا خیال تھا کہ اس دوران وہ تلاشی لے کر اپنا اطمینان کر چکا تھا۔

رضیہ کی آنکھوں میں الجھن سی تیر گئی۔ وہ بھی اٹھ کر کھڑی ہو گئی اور ساڑی کا پلو سنبھالنے لگی۔

''ٹھیک ہے ناجی۔'' وہ گہرا سانس لیتے ہوئے بولی۔ ''اب تین دن بعد ہی تم سے ملاقات ہو گی۔ کوئی فیصلہ کرنے سے پہلے نرگس کے علاوہ اپنے بارے میں بھی سوچ لینا۔''

وہ دونوں باہر چلے گئے۔ میں دوبارہ صوفے پر بیٹھ گیا تھا۔ میں نے ان کے ساتھ گیٹ تک جانے کی ضرورت بھی نہیں سمجھی تھی۔ رضیہ یا سالار نے باہر نکلنے کے بعد گیٹ کا ذیلی دروازہ بند کر دیا تھا۔

میرے دماغ میں دھماکے ہو رہے تھے۔ سر بری طرح دکھ رہا تھا۔ رضیہ نے یہاں آ کر جس دیدہ دلیری کا مظاہرہ کیا تھا اس پر مجھے زیادہ حیرت نہیں ہوئی تھی۔ تحریمی کے بارے میں میرے اندازے

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

درست نکلے تھے۔ رنگا نے اس کے بارے میں جو کچھ بتایا تھا اس سے میں نے ایک اندازہ قائم کر لیا تھا کہ تحریمی یہاں اپنے قدم خوب مضبوطی سے جما چکا تھا۔ پولیس کا اسے کوئی خوف نہیں رہا تھا بلکہ وہ پولیس سے اپنی مرضی کے مطابق کام لے رہا تھا۔ ایک طرف اس نے رنگا کو پولیس کے ذریعے پریشان کرنا شروع کر دیا تھا اور دوسری طرف مجھے بھی رضیہ کے ذریعے وارننگ دے دی گئی تھی کہ میں اس کے خلاف پولیس کے پاس جانے کی حماقت نہ کروں۔

رضیہ نے ٹھیک ہی کہا تھا۔ یہ کارروائی پولیس تعاون کے بغیر ممکن نہیں تھی۔ وہ لوگ کئی روز پہلے یہاں میری موجودگی سے واقف ہو چکے تھے۔ وہ اگر چاہتے تو پولیس کو میرے بارے میں آگاہ کر سکتے تھے۔ میں بہت سے سنگین کیسز میں ملک بھر کی پولیس کو مطلوب تھا لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا کیونکہ ان کی دس کلو ہیروئن میرے قبضے میں تھی۔ انہوں نے ترگس کو اغوا کر لیا تھا اور وہ لوگ پولیس کو ملوث کئے بغیر میرے ساتھ یہ معاملہ سیٹل کرنا چاہتے تھے۔

مجھے رضیہ کے ذریعے تحریمی کا پیغام مل گیا تھا اور میں نے اس پیغام کو پوری طرح سمجھ بھی لیا تھا۔ رضیہ اس معاملے کو طے کرنے کیلئے پچھلی ساری باتیں بھول جانے کو تیار تھی۔ میں نے اس کے گھر سے لاکھوں روپے کی نقدی اٹھائی تھی۔ اس کی جائیداد بھی جعلسازی کے ذریعے لاکھوں روپے میں بیچ دی تھی لیکن وہ سب کچھ فراموش کر دینے کو تیار تھی۔ اس کی وجہ یقیناً یہ تھی کہ تحریمی کی دس کلو ہیروئن میرے قبضے میں تھی۔ بین الاقوامی منڈی میں یہ کروڑوں ڈالر کا مال تھا اور پاکستانی کرنسی میں تو اس کی قیمت کئی گنا زیادہ بنتی تھی اور اس ہیروئن کی واپسی پر رضیہ کو شاید بہت بڑا کمیشن ملنے کی توقع تھی۔ اس لئے اس نے مجھے یہ پیشکش کی تھی کہ اگر میں ہیروئن کا وہ بنڈل واپس کر دوں تو وہ پچھلی ساری باتیں بھول جائے گی۔

یہ سب کچھ سوچتے ہوئے میرے دماغ کی نسیں پھٹنے لگیں۔ سر بری طرح دکھ رہا تھا۔ میں اٹھ کر کچن میں آ گیا اور چائے بنانے لگا۔

کچھ دیر بعد چائے پیتے ہوئے میں نے فون کا ریسیور اٹھا کر رنگا کا نمبر ملایا۔ یہ کال تیسری گھنٹی پر ریسیو کر لی گئی۔ لیکن وہ آواز نہ رنگا کی تھی اور نہ ہی حریری کی۔ حالانکہ پہلے میں جب بھی اس نمبر پر فون کیا تھا کال ہمیشہ حریری نے ہی ریسیو کی تھی لیکن اس وقت ایک بھاری مردانہ آواز میری سماعت سے ٹکرائی تھی۔

''رنگا سے بات کراؤ۔ میں ناجی بول رہا ہوں۔'' میں نے ہیلو کے جواب میں کہا۔

''واجہ رنگا تو اس وقت موجود نہیں ہے۔ وہ باہر گیا ہوا ہے۔ آپ پیغام دے دو واجہ۔'' دوسری طرف سے کہا گیا۔

''وہ جب بھی واپس آئے کہنا مجھے فون کر لے۔ بہت ضروری کام ہے۔'' میں نے کہا۔ ریسیور رکھ کر میں چائے کی چسکیاں لیتا رہا اور پھر اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گیا۔ الماری پوری طرح کھلی ہوئی تھی اور سارے کپڑے فرش پر بکھرے ہوئے تھے۔ بیڈ کا میٹریس بھی الٹا ہوا تھا اور پچھلی طرف سے اسے چاقو کی نوک سے کاٹ دیا گیا تھا۔

میں دوسرے کمرے میں آ گیا۔ وہاں بھی بیڈ کا میٹریس کٹا ہوا ہوا۔ تیسرے بیڈ روم کا بھی یہی

حال تھا۔ رضیہ نے مجھے لاؤنج میں باتوں میں لگائے رکھا تھا اور سالار نے اس دوران خوب اچھی طرح تلاشی لے کر اپنا اطمینان کر لیا تھا۔ پچھلی مرتبہ انہوں نے فیڈرل بی ایریا والے بنگلے پر چھاپہ مارا تھا تو اس وقت بھی خوب اچھی طرح تلاشی لی تھی لیکن انہیں ہیروئن نہیں ملی تھی اور پھر اسی بنگلے سے جاتے ہوئے میں نے بلے کو بتایا تھا کہ ہم بھی اسی بنگلے میں تھے اور ہیروئن بھی یہیں تھی اور اس مرتبہ شاید سالار کسی غلطی کا اعادہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ ہیروئن کی تلاش میں اس نے میٹریس بھی کاٹ کر رکھ دیئے تھے۔

اپنے کمرے میں آ کر میں باتھ روم میں گھس گیا۔ نہا کر کپڑے بدلے اور باہر جانے کیلئے تیار ہو گیا۔ میں نے باہر جانے کیلئے اپنی گاڑی استعمال کرنے کا فیصلہ کیا تھا کیونکہ اب چھپے رہنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ میں مکمل طور پر ان کی نظروں میں آ چکا تھا۔

سب سے پہلے میں نے ایک ریسٹورنٹ میں کھانا کھایا اور پھر گاڑی کو بلا مقصد مختلف سڑکوں پر دوڑاتا رہا۔ میرا ذہن اس وقت بری طرح الجھا ہوا تھا۔ مجھے کچھ اندازہ نہیں تھا کہ میں کس طرف جا رہا ہوں اور آخر کار شہید ملت روڈ کے ایک چوراہے پر میں نے کار ایک پہاڑی کے ساتھ سروس روڈ پر اور اس کے فوراً ہی بعد ایک تنگ سی سڑک پر موڑ دی۔ اس پہاڑی کے ایک طرف بنگلے تھے اور دوسری طرف وہ پہاڑی تھی جس کے اوپر پارک بنا ہوا تھا۔ میں نے گاڑی پہاڑی پر جانے والی تنگ سی سڑک پر موڑ دی۔

وسیع و عریض پہاڑی پر بڑا خوبصورت پارک بنایا گیا تھا لیکن پانی کی قلت نے اس کا حسن بگاڑ کر رکھ دیا تھا۔ اس پہاڑی کا ایک حصہ باہر کی طرف نکلا ہوا تھا۔ جس کے کناروں پر ریلنگ لگا کر اسے محفوظ کر دیا گیا تھا۔ ریلنگ کے ساتھ ساتھ کنکریٹ کے بنچ بچھے ہوئے تھے۔ اس سے ذرا فاصلے پر کھانے پینے کی چیزوں کے سٹال تھے۔ اس طرف خاصی رونق تھی۔ یہاں سے شہر کے اس طرف کے حصے کا نظارہ کیا جا سکتا تھا۔

میں ایک بنچ پر بیٹھ گیا۔ کچھ ہی دیر بعد کولڈ ڈرنکس کے سٹال کا نوعمر ملازم لڑکا آواز لگاتا ہوا اس طرف آیا تو میں نے اس سے ایک بوتل لے لی اور چسکیاں لیتے ہوئے کبھی نشیب میں دور تک پھیلے ہوئے بنگلوں کو دیکھنے لگتا اور کبھی چبوترے پر کھیلتے ہوئے بچوں کو۔

شام کا اندھیرا پھیلتے ہی برقی قمقمے جگمگا اٹھے تھے۔ میں اس کے بعد کافی دیر وہاں بیٹھا رہا اور پھر اٹھ کر گاڑی میں آ گیا۔

شہر کی مختلف سڑکوں پر گھومتے ہوئے میں نے کار کا رخ لیاری کی طرف موڑ دیا۔ لیاری میں مجھے رنگا کے اڈے تک جانے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ ایک جگہ پر حضوری کو دیکھ کر میں نے کار روک دی اور اس سے پتہ چلا کہ رنگا علاقے میں نہیں ہے۔ اس کے بارے میں کسی کو معلوم نہیں تھا کہ وہ کہاں گیا ہے۔ میں شہر کی آوارہ گردی کرتا ہوا رات بارہ بجے کے قریب اپنے ٹھکانے پر واپس آ گیا۔ اور سب سے پہلے میں نے رنگا کو فون کیا۔ اس مرتبہ بھی کال کسی اور نے ریسیو کی تھی لیکن رنگا سے بات ہو گئی تھی۔

''سوری واجہ!'' اس نے کہا۔ ''میں صبح سے بہت مصروف تھا۔ مجھے پتہ چل گیا تھا کہ تم نے صبح مجھے فون بھی کیا تھا اور شام کو خود بھی آئے تھے۔ بولو کیا معاملہ ہے؟''

اس کا لہجہ محسوس کر کے میں چونکے بغیر نہیں رہا۔ مجھے اوپرے پن کا احساس ہوا تھا۔

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

تحریمی کا ایک آدمی میرے پاس آیا تھا۔ میں نے رضیہ کا نام لئے بغیر کہا۔ تحریمی نے پیشکش کی ہے کہ اگر ہیروئن واپس کر دی جائے تو وہ نرگس کو چھوڑ دے گا۔ میں نے اسے رضیہ سے ہونے والی دوسری باتیں بتانے کی ضرورت نہیں سمجھی تھی۔

''تحریمی کو بولو اس ہیروئن کو بھول جائے۔'' رنگا نے جواب دیا۔ ''وہ زہر تو آج صبح ہی میں نے گٹر میں بہا دیا تھا اور تمہاری دوست نرگس کو ہم اس کے قبضے سے ضرور چھڑائیں گے۔ ہمارے پاس آج کی رات اور اگلے دو دن باقی ہیں۔ اس دوران ہم بندوبست کر لیں گے۔ میرے آدمی جتے ہوئے ہیں۔ میں نے یہ بھی معلوم کر لیا ہے کہ نرگس تحریمی کے گلشن والے بنگلے میں نہیں ہے۔ اسے کہیں اور پہنچا دیا گیا ہے۔ جیسے ہی پتہ چلے گا ہم ریڈ کر کے نرگس کو چھڑا لیں گے۔ تم فکر مت کرو۔''

ہم میں تقریباً پندرہ منٹ تک بات ہوتی رہی۔ اس دوران مجھے بار بار یہ احساس ہوتا رہا کہ اس کے لہجے میں وہ پہلے جیسی بات نہیں تھی اور یہ احساس مجھے رنگا کے بارے میں بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر رہا تھا۔

دوسرا دن بھی گزر گیا۔ میں نے ایک دو مرتبہ رنگا سے بات کرنے کی کوشش کی مگر رابطہ نہیں ہو سکا تھا۔

شام سات بجے کے قریب میں باہر سے آیا تو اس کے تھوڑی ہی دیر بعد ریحان اپنی بیوی زبیدہ کے ساتھ آ گیا۔ انہوں نے نرگس کے بارے میں دریافت کیا تو میں نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ پولیس اس کا سراغ لگانے کی کوشش کر رہی ہے۔ حالانکہ میں نہ کل پولیس سٹیشن گیا تھا اور نہ آج' کل صبح ایک اے ایس آئی یہاں آیا تھا اس کے بعد کسی پولیس والے نے بھی یہاں آ کر جھانکا تک نہیں تھا۔ انہیں ضرورت بھی کیا تھی۔ یہ کھیل تحریمی نے شروع کیا تھا اور پولیس کی حیثیت اس کھیل میں خاموش تماشائی کی تھی۔

وہ دونوں میاں بیوی دیر تک بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ وہ لوگ میرے بارے میں صرف اتنا جانتے تھے کہ میرا نام منیر احمد ہے اور میں بجلی کے آلات سپلائی کرتا ہوں اور یہ کہ نرگس میری بیوی ہے۔ میں یہاں بہت شرافت سے رہ رہا تھا۔ نرگس نے بھی مختلف گھروں کی خواتین سے اچھے تعلقات استوار کر لئے تھے۔ اس لئے اس گلی میں ہماری اچھی عزت تھی اور میں سوچ رہا تھا کہ اگر ان لوگوں کو میری اصلیت کا پتہ چل جائے تو شاید خود پکڑ کر مجھے پولیس کے حوالے کر دیں۔

باتوں ہی باتوں میں زبیدہ نے کہہ دیا تھا کہ میرے لئے رات کا کھانا ان کے گھر سے آ جائے گا اور پھر تقریباً نو بجے کے قریب ٹیلی فون کی گھنٹی بجی تو میں نے ریسیور اٹھا لیا۔

''ہیلو ناجی۔'' ایک نسوانی بھرائی ہوئی آواز میری سماعت سے ٹکرائی۔ ''میری بات غور سے سنو۔ بیچ میں ٹوکنے کی ضرورت نہیں کیونکہ میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔'' وہ کہہ رہی تھی۔ ''تمہاری دوست نرگس اس وقت ابوالحسن اصفہانی کے ایک ویران جنگل میں ہے۔''

''ابوالحسن اصفہانی روڈ پر جنگل تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا؟'' میں نے کہا۔

''ٹوکو مت۔ میری بات سنتے رہو۔'' اس نے کہا۔ ''ابوالحسن اصفہانی روڈ پر بھایانی ہائیٹس اور حشمت میموریل سکول کے بیچ میں تقریباً پانچ ایکڑ کا ایک پلاٹ خالی پڑا ہے۔ یہ پلاٹ پتہ نہیں کس کا ہے

لیکن یہاں کیکر کا جنگل آباد ہو چکا ہے۔ اس پلاٹ کے گرد چار دیواری ہے اور بھایانی ہائیٹس کے ساتھ اس پلاٹ کے کارنر پر دیوار کے اندر کی طرف چوکیدار کا کمرہ ہے وہاں چوکیدار بھی رہتا ہے لیکن اسے کچھ معلوم نہیں کہ جنگل کے اندر کیا ہو رہا ہے۔''

وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگی۔ ''کئی سال پہلے اس پلاٹ کے عین وسط میں ایک بنگلے کی تعمیر شروع ہوئی تھی لیکن پھر کسی وجہ سے کام ادھورا چھوڑ دیا گیا۔ بنگلے کا اور سٹرکچر اب بھی وہاں موجود ہے اور نرگس کو وہیں پہنچا دیا گیا ہے۔ اس کی حفاظت کیلئے وہاں صرف ایک آدمی ہے۔ تم کوشش کرو تو نرگس کو وہاں سے نکال سکتے ہو۔''

''تم کون ہو اور؟''

''ٹوکو مت اور میری بات سنتے رہو۔'' اس عورت نے میری بات کاٹ دی۔ میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔ میں تمہیں ایک آخری بات بتانا چاہتی ہوں۔ نرگس کو وہاں سے نکال کر تم یہاں نہیں آؤ گے۔ جہاں اس وقت بیٹھے ہوئے ہو۔''

''تو پھر کہاں جاؤں گا؟'' میں نے پوچھا۔

''ایک نمبر نوٹ کرو۔'' اس نے کہا اور نمبر نوٹ کرانے کے بعد بولی۔ ''یہ بنگلہ گلشن اقبال کے بلاک تیرہ ڈی ون میں ہے۔ کامیکس پٹرول پمپ سے ذرا آگے بائیں طرف گلی سے اس بلاک میں داخل ہو گے تو چند گز آگے بائیں طرف کی گلی میں الٹے ہاتھ پر وہ بنگلہ ہے۔ آسانی سے تلاش کر لو گے۔ تم نرگس کو لے کر سیدھے وہیں پہنچو گے اور میری اجازت کے بغیر وہاں سے باہر نہیں نکلو گے۔''

''تم کون ہو اور ہم سے یہ ہمدردی کیوں؟'' میں نے پوچھا۔

''تفصیل بتانے کا وقت نہیں لیکن میرے بارے میں بھی جلد ہی جان لو گے۔ فی الحال اللہ نگہبان۔'' دوسری طرف سے کہا گیا اور اس کے ساتھ ہی لائن منقطع ہو گئی۔ میں نے ریسیور رکھ دیا اور ریحان اور زبیدہ کی طرف دیکھنے لگا۔

''خیریت کوئی خاص بات۔'' ریحان نے پوچھا۔ اس نے میرے چہرے کے تاثرات سے اس فون کال کی اہمیت کا اندازہ لگا لیا تھا۔

''میرے ایک دوست کا فون تھا۔'' میں نے جواب دیا۔ ''اسے اندیشہ ہے کہ نرگس کو تاوان کیلئے اغوا نہ کیا گیا ہو۔ آج کل اس قسم کی وارداتیں تو ہو رہی ہیں لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کیا چکر ہے۔ وہ کون لوگ ہیں اور نرگس کو کیوں اغوا کیا گیا ہے۔ اگر تاوان کیلئے اغوا کیا گیا ہوتا تو انہیں اب تک مجھ سے رابطہ کرنا چاہئے تھا۔''

''یہ لوگ بہت ہوشیار ہوتے ہیں۔'' ریحان بولا۔ ''جب تک پولیس کی سرگرمیاں اور تمہاری بھاگ دوڑ کم نہیں ہو گی وہ تم سے رابطہ نہیں کریں گے۔''

''یہی تو سوچ کر پریشانی ہو رہی ہے کہ وہ بیچاری نجانے کہاں اور کس حال میں ہو گی۔'' میں نے کہا۔ میں اب بات ختم کر دینا چاہتا تھا اور میری خواہش تھی کہ اب وہ لوگ چلے جائیں اور آخر کار دس منٹ بعد زبیدہ اٹھ گئی۔

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

''کھانا تیار ہو گیا ہو گا۔ میں ریحان صاحب سے کہلوا دوں گی تم وہیں آ کر کھا لینا۔ آؤ جی۔''

آخری دو الفاظ اس نے اپنے شوہر کی طرف دیکھتے ہوئے کہے تھے۔

ان کے جانے کے فوراً بعد میں نے فون کا ریسیور اٹھا لیا اور رنگا کا نمبر ملانے لگا۔ کال اس وقت بھی اسی بھاری آواز والے نے ریسیو کی تھی۔ مجھے حیرت تھی کہ تین دن سے میری کالز یہ آدمی کیوں ریسیو کر رہا تھا۔ حالانکہ اس سے پہلے میں نے جب بھی فون کیا تھا کال حریری وصول کرتی تھی اور اب بھی لائن ملنے پر گھنٹی بجتی تھی تو میں اس کی سریلی آواز سننے کا منتظر رہتا تھا لیکن ہر مرتبہ پہاڑی کوے جیسی یہ بھاری آواز میری سماعت سے ٹکرائی تھی۔

''رنگا اس وقت بہت بزی ہے واجہ۔'' میری آواز سنتے ہی دوسری طرف سے کہا گیا۔ ''آپ دو گھنٹے بعد فون کرنا۔''

''اسے کہو بہت ضروری بات ہے۔'' میں نے کہا۔

دوسری طرف سے تقریباً ڈیڑھ منٹ تک خاموشی رہی پھر رنگا کی آواز سنائی دی۔

''ہاں واجہ ذرا جلدی بولو۔ میں اس وقت بہت مصروف ہوں۔''

اس کے اس انداز گفتگو سے میں چونکے بغیر نہیں رہ سکا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ بہت مجبوری کے تحت مجھ سے بات کر رہا ہو۔

''کیا بات ہے رنگا؟ تمہارا لہجہ کچھ اکھڑا اکھڑا سا ہے۔'' میں نے پوچھا۔

''علاقے میں لفڑا ہو گیا ہے واجہ۔ بندہ مارا گیا ہے۔ تم بولو کیا بات ہے؟'' اس نے کہا۔

''نرگس کا پتہ چل گیا ہے۔'' میں نے کہا۔ لیکن شاید تم اس طرف توجہ نہ دے سکو۔ بہرحال میں خود ہی دیکھ لوں گا۔''

میں نے رنگا کے جواب کا انتظار کئے بغیر ریسیور رکھ دیا۔ میرا خیال تھا کہ وہ میری ناراضگی سمجھ گیا ہو گا اور تھوڑی دیر بعد خود ہی فون کرے گا لیکن دس منٹ گزر گئے اور اس کا فون نہیں آیا۔

میرے ذہن میں طرح طرح کے وسوسے سر ابھارنے لگے۔ رضیہ کی کہی ہوئی باتیں یاد آنے لگیں۔ کہیں وہ میرے ساتھ کوئی دھوکا تو نہیں کرے گا۔ میں نے تو ہیروئن کے علاوہ زیورات کا تھیلا بھی اس کے حوالے کر دیا تھا۔ رضیہ نے کہا تھا کہ رنگا نے میری ہمدردیاں حاصل کرنے کیلئے مجھے اپنے بارے میں کوئی فرضی کہانی سنائی ہو گی۔ رضیہ نے کچھ دوسرے لوگوں کے بارے میں بھی بتایا تھا جو رنگا کے ہاتھوں نقصان اٹھا چکے تھے۔ رضیہ تحریمی کے بہت قریب تھی اور تحریمی رنگا کا پرانا حریف تھا۔ رضیہ کو یہ ساری باتیں تحریمی سے ہی معلوم ہوئی ہوں گی لیکن میں نے ان خیالات کو ذہن سے جھٹک دیا۔ رنگا میرے ساتھ کوئی دھوکا نہیں کر سکتا لیکن بہرحال میں نے طے کر لیا تھا کہ کل سب سے پہلے رنگا سے زیورات کا تھیلا واپس لوں گا۔ دس کلو ہیروئن کی مجھے پروا نہیں تھی۔

اور نرگس والے مشن پر بھی میں نے اکیلے ہی جانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اس پراسرار ہمدرد عورت نے فون پر بتایا تھا کہ نرگس کی نگرانی کیلئے وہاں صرف ایک آدمی ہے اور ایک آدمی سے میں آسانی سے نمٹ سکتا تھا۔

میں ابھی یہ سب سوچ رہا تھا کہ گیٹ کی طرف سے ریحان کی آواز سنائی دی۔ وہ مجھے کھانے کیلئے بلا رہا تھا۔

میں نے بتیاں بند کر دیں اور باہر آ کر برآمدے کا دروازہ لاک کر دیا اور گاڑی بھی باہر نکال کر گیٹ کو بھی تالا لگا دیا۔ اب میرا یہاں واپس آنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔

ریحان کے گھر آ کر چابیوں کا گچھا میں نے ریحان کے حوالے کر دیا۔

''کل میرا ایک دوست اپنی بیوی کے ساتھ آیا تھا۔'' میں نے کہا۔ ''میں ایک کام سے جا رہا ہوں۔ واپسی میں دیر ہو سکتی ہے۔ ممکن ہے اس دوران میرا وہ دوست آ جائے تو چابیاں اسے دے دیجئے۔''

چابیاں واپس کرنے کے لئے مجھے ایک فرضی کہانی تو گھڑنی تھی کیونکہ صاف طور پر تو نہیں کہہ سکتا تھا کہ اب جا رہا ہوں اور واپس نہیں آؤں گا۔ اس طرح میں نے واپسی کا راستہ بھی کھلا رکھا تھا۔ کھانا میں نے بے دلی سے کھایا۔ اس کے بعد چائے بھی پی گئی۔ وہ دونوں میاں بیوی بڑے خلوص اور ہمدردی سے پیش آ رہے تھے

-

جب میں ان سے رخصت ہوا تو گیارہ بج رہے تھے۔ میں گلیوں سے ہوتا ہوا پوسٹ آفس کے قریب مین روڈ پر نکل آیا اور گاڑی کو بائیں طرف گھما دیا۔ یہی سڑک سیدھی بھایانی ہائٹس تک چلی گئی تھی۔

کراچی جیسے شہر میں رات گیارہ بجے کا وقت ایسا نہیں تھا کہ رات کا تصور ذہن میں ابھرتا۔ بیشتر علاقوں میں تو رات ایک ڈیڑھ بجے تک زندگی جاگتی تھی اور شہر کے بعض علاقے تو ایسے تھے جہاں رات ہوتی ہی نہیں تھی۔ یہاں بھی ڈاکخانے کے موڑ سے ڈسکو بیکری کے چوراہے تک دن کا سا سماں تھا۔ اس سے آگے مسکن اپارٹمنٹس والے موڑ پر بھی خاصی رونق تھی۔

بلاک تھری کی طرف الآصف اسکوائر کے قریب سپر ہائی وے سے جا ملتی تھی۔ یہی ابوالحسن اصفہانی روڈ تھی۔ مسکن موڑ کے سامنے ہی بھایانی ہائٹس کے کئی بلڈنگوں پر فلیٹس تھے۔ میں نے مسکن موڑ سے گاڑی بائیں طرف موڑ لی اور کچھ آگے جا کر ایک تنگ اور سنسان گلی کے موڑ پر روک لی۔

ابوالاصفہانی روڈ دو رویہ سڑک تھی۔ بیچ میں ٹریفک آئی لینڈ تھا جس میں پودے لگے ہوئے تھے۔ میں گاڑی میں بیٹھا سڑک کے دوسری طرف بھایانی ہائٹس کے بغل میں اس وسیع و عریض پلاٹ کی طرف دیکھنے لگا جو واقعی کیکر کے جنگل میں تبدیل ہو چکا تھا۔

میں اس طرف سے پہلے بھی ایک دو مرتبہ گزر چکا تھا مگر کبھی توجہ نہیں دی تھی۔ باؤنڈری وال تقریباً پانچ فٹ اونچی تھی جس کے ساتھ کوڑے کے ڈھیر لگے ہوئے تھے۔ دیوار کے دوسری طرف تاریک جنگل تھا۔ البتہ بھایانی ہائٹس کی طرف دیوار کے کارنر پر اندر کی طرف چوکیدار کا کمرہ تھا۔ وہیں اس کمرے میں آمد و رفت کیلئے ایک چھوٹا سا روشندان بھی تھا جس سے بلب کی روشنی نظر آ رہی تھی۔

میں نے گاڑی آگے بڑھا دی اور اسے گھما کر پلاٹ سے آگے ملحق سکول والی گلی میں لے گیا اور چند گز کا فاصلہ طے کر کے اسے پچھلی گلی میں موڑ دیا۔

یہ تنگ سی گلی تھی۔ ایک طرف ماچس کی ڈبیہ کی طرح ایک دوسرے سے ملے ہوئے مکان تھے اور دوسری طرف ان کے سامنے کیکر کے جنگل کا پچھلا حصہ تھا۔ اس طرف بھی پانچ چھ فٹ اونچی دیوار تھی

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

لیکن اندر داخل ہونے کا کوئی راستہ نہیں تھا۔

میں گاڑی موڑ کر واپس لے آیا اور مین روڈ پر آہستہ آہستہ بھایانی ہائٹس کی طرف بڑھتا رہا۔ میں گہری نظروں سے جنگل کی دیوار کا جائزہ لے رہا تھا لیکن کہیں بھی کوئی گیپ دکھائی نہیں دیا۔

میں نے گاڑی ذرا آگے لے جا کر روک لی۔ سڑک پر ٹریفک کی آمدورفت جاری تھی۔ میں گاڑی میں بیٹھا ادھر ادھر دیکھتا رہا۔ میرے خیال میں چوکیدار کا کمرہ ہی ایک ایسا راستہ تھا جہاں سے اس جنگل میں داخل ہوا جا سکتا تھا۔ دس منٹ گزر گئے اور پھر اسی دیوار میں وہ چھوٹا سا دروازہ کھلتے دیکھ کر میں چونک گیا۔ اندر سے دو آدمی برآمد ہوئے تھے۔ ایک لمبے قد کا جوان آدمی تھا جس نے پینٹ اور ٹی شرٹ پہن رکھی تھی اور دوسرا آدمی ادھیڑ عمر جس نے شلوار قمیص پہنی ہوئی تھی۔ ادھیڑ عمر شخص نے دروازے کو تالا لگا کر چابی جیب میں ڈال لی اور وہ دونوں باتیں کرتے ہوئے سڑک پار کر کے مسکن اپارٹمنٹس کی طرف واقع دکانوں کی طرف چلے گئے۔

میں بھی کار سے اتر کر ان کے پیچھے چل پڑا اور سڑک پار کر کے دوسری طرف چلا گیا۔ اس طرح میں دور رہ کر ان پر نگاہ رکھ سکتا تھا۔ وہ دونوں ایک پٹھان کے ہوٹل کے سامنے بچھی ہوئی کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ کچھ اور گاہک بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ کچھ ہی دیر بعد ہوٹل کے ملازم لڑکے نے ان کے سامنے چائے کے دو کپ رکھ دیئے۔

چائے پینے کے بعد وہ زیادہ دیر وہاں نہیں بیٹھے۔ پینٹ شرٹ والا سڑک پار کر کے میری طرف آ گیا۔ اسی وقت ایک منی بس وہاں آ کر رکی۔ وہ آدمی بس میں سوار ہو گیا اور بس وہاں سے روانہ ہو گئی۔

ادھیڑ عمر نے چائے کے پیسے دیئے۔ ملازم نے اسے پلاسٹک کی ایک تھیلی بھی تھما دی جس میں غالباً دو تین کپ چائے بھری ہوئی تھی۔ وہ بوڑھا واپس چل پڑا۔ میں بھی سڑک کے دوسری طرف تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا اس کے متوازی چلتا رہا اور اس سے پہلے اپنی کار کے قریب پہنچ گیا۔

وہ بوڑھا میرے قریب سے گزر کر دیوار میں اس دروازے کے قریب پہنچ گیا اور تالا کھول کر وہ جیسے ہی اندر داخل ہوا میں بھی تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا وہاں پہنچ گیا اور اس سے پہلے کہ وہ دروازہ بند کرتا میں پھرتی سے اندر گھس گیا اور دروازہ بند کر کے جیب سے پستول نکال لیا۔ یہ وہی پستول تھا جو اس رات ایئرپورٹ سے واپسی پر وین کے ڈرائیور اکرم نے مجھے دیا تھا۔

”کک... کون...... ہو تم اور۔“

”خاموش۔“ میں نے ہونٹوں پر انگلی رکھی۔ ”منہ سے آواز نکالی تو کھوپڑی اڑا دوں گا۔“

بوڑھے کا چہرہ دھواں ہو گیا۔ میں نے بڑی پھرتی سے دروازے کا کنڈا چڑھا دیا۔

”یہاں کتنے آدمی ہیں۔“ میں نے بوڑھے کے خوفزدہ چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ ”جھوٹ بولنے کی کوشش کی تو زندہ نہیں بچو گے۔“

”کک کوئی نہیں۔“ بوڑھا ہکلایا۔ ”اکیلا ہوں۔ دیکھ لو۔“

”اور یہ چائے کس کیلئے لائے ہو۔ جبکہ تم خود پی کر آئے ہو۔“ میں نے پوچھا۔

”آ...... آ...... اپنے لئے لایا ہوں۔“ اس کا چہرہ خوف کی شدت سے دھواں ہو رہا تھا۔ میں نے ادھر ادھر دیکھا کمرے کے دوسری طرف بھی ایک دروازہ تھا جو بند تھا۔ ”وہ آدمی کون تھا جو یہاں سے گیا ہے؟“ میں نے سوال کیا۔

مم...... میرا بھتیجا ہے۔ سرکاری دفتر میں کلرک ہے۔ کبھی کبھی مجھے ملنے کو آ جاتا ہے۔“ بوڑھے نے جواب دیا۔ وہ اپنے خوف پر قابو پانے کی کوشش کر رہا تھا۔

جنگل کے اندر اس بنگلے میں عورت کے ساتھ کتنے آدمی ہیں؟“ میں نے پوچھا۔

بوڑھا اچھل پڑا۔ اس کی آنکھوں میں بے پناہ خوف ابھر آیا تھا۔

”کک...... کوئی نہیں صاحب جی۔ جنگل میں کوئی بنگلہ نہیں وہ وہاں کوئی نہیں ہے۔“ بوڑھا اب خوف سے ہولے ہولے کانپنے لگا تھا۔

میرا دل تو چاہا تھا کہ اس کے منہ پر گھونسہ مار کر ایک دو دانت باہر نکال دوں لیکن یہ کمرہ لب سڑک تھا اس کی چیخ کی آواز سن کر سڑک پر سے گزرنے والا کوئی بھی شخص متوجہ ہو سکتا تھا۔ میں نے آگے بڑھ کر پستول کی نال اس کی کنپٹی سے لگا دی۔ وہ اپنے پیروں پر کھڑا نہیں رہ سکا اور جھلنگا سی چارپائی پر گر گیا۔ میں نے ایک پیر چارپائی کی پٹی پر رکھا اور پستول کی نال ایک بار پھر اس کی کنپٹی سے لگا دی۔

”اب اگر تم نے زبان نہیں کھولی تو کھوپڑی اڑا دوں گا۔“ میں غرایا۔

”بب...... بتاتا ہوں۔“ اس نے ہکلاتے ہوئے ایک ہاتھ اٹھا دیا۔ ”وہاں صرف ایک آدمی ہے۔ یہ چائے میں اسی کیلئے لایا تھا۔ وہ چائے کیلئے میرا انتظار کر رہا ہو گا۔“

اور پھر اس نے بہت سی باتیں بتا دیں۔ اس کے کہنے کے مطابق اس پلاٹ کا مالک ایک بہت بڑا سیٹھ ہے جو یہاں کبھی نہیں آیا۔ وہ خود ہر مہینے کی دو تاریخ کو تنخواہ لینے کیلئے اس کے دفتر چلا جاتا ہے۔ ایک آدمی نے اسے بڑی رقم کا لالچ دے کر چند روز کیلئے جنگل کے اندر واقع وہ بنگلہ استعمال کرنے پر آمادہ کر لیا تھا اور اسے یقین دلایا گیا تھا کہ کسی کو پتہ نہیں چلے گا۔ اور اس پر بھی کوئی حرف نہیں آئے گا۔

وہ لوگ دو دن پہلے ایک عورت کو لے کر یہاں آئے تھے۔ اس سے ایک دن پہلے انہوں نے بنگلے کا فرش وغیرہ صاف کر دیا تھا۔ وہ عورت کو عیاشی کیلئے نہیں لائے تھے۔ وہ قیدی تھی اور بہت خوفزدہ تھی۔

اس بوڑھے کے کہنے کے مطابق ایک آدمی صبح سے شام تک اور ایک آدمی شام سے صبح تک اس عورت کی نگرانی کرتا تھا۔ اس عورت کو باندھ کر رکھا جاتا تھا۔ صرف کھانا کھانے کے وقت یا ضرورت کے وقت اس کے ہاتھ پیر کھولے جاتے تھے۔

”اس بنگلے کا راستہ کس طرف سے ہے۔“ میں نے پوچھا۔

”اس دروازے کے دوسری طرف۔“ اس نے اندرونی دروازے کی طرف اشارہ کیا۔ ”یہ خودرو کیکر کا جنگل ہے۔ ہر طرف کانٹے ہی کانٹے ہیں لیکن بنگلے تک کا راستہ صاف ہے۔“

میں نے اس کا نام پوچھا اور پھر کونے میں پڑی ہوئی ایک رسی اٹھا کر اس کے ہاتھ پیر پشت پر باندھ دیئے اور منہ میں ایک کپڑا ٹھونس کر اس پر بھی پٹی باندھ دی تاکہ وہ کسی طرح منہ سے کپڑا نکال کر چیخنا شروع نہ کر دے۔

چوکیدار کو باندھنے کے بعد میں ایک بار پھر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ چارپائی کے نیچے لوہے کا ایک

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

ٹرنک پڑا ہوا تھا اور دو جوڑے پرانے جوتوں کے تھے۔ کمرے کے ایک کونے میں ایک سالخوردہ سی چھوٹی میز تھی جس پر مختلف چیزیں پڑی ہوئی تھیں اس کے اوپر دیوار پر ایک آئینہ بھی ٹنگا ہوا تھا۔ دروازے کے قریب ہی دیوار کے ساتھ ایک مٹکا بھی رکھا ہوا تھا۔

جھلنگا سی چارپائی پر تکیے کے قریب ایک ٹارچ بھی رکھی ہوئی تھی۔ میں نے وہ ٹارچ اٹھائی اور دوسری طرف کا دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔

اس طرف گنجان درخت اور گہری تاریکی تھی۔ جھینگروں اور دیگر حشرات الارض کی آوازیں بڑا پراسرار تاثر دے رہی تھیں۔ ٹارچ کی روشنی میں میں نے پہلے ادھر ادھر دیکھا اور پھر مجھے وہ پگڈنڈی سی نظر آ گئی۔ وہ کوئی باقاعدہ راستہ نہیں تھا۔ آمدورفت سے جھاڑیاں کچھ دب گئی تھیں۔ اوپر اور دائیں بائیں کچھ شاخیں کاٹ دی گئی تھیں۔ اس طرح کیکر کے ان گنجان درختوں کے درمیان اتنا راستہ بن گیا تھا کہ کسی قدر محتاط ہو کر چلا جا سکتا تھا۔

میں ٹارچ کی روشنی میں آگے بڑھتا رہا۔ میرے بائیں ہاتھ میں ٹارچ تھی اور دائیں ہاتھ میں پستول جسے میں نے قدرے پیچھے رکھا ہوا تھا۔ چاروں طرف آبادی کے بیچ میں یہ گنجان جنگل بڑا عجیب سا لگ رہا تھا۔

تقریباً پچاس گز آگے جا کر میں جیسے ہی دائیں طرف مڑا مجھے وہ مدھم سی روشنی نظر آ گئی۔ روشنی بہت مدھم تھی۔ اس جنگلے میں کسی جگہ غالباً کیروسین جل رہا تھا۔

سوکھی ہوئی شاخیں اور خشک جھاڑیاں میرے پیروں کے نیچے دب رہی تھیں جس سے چرچراہٹ کی آوازیں پیدا ہو رہی تھیں۔

”کون ہے اوئے؟“

ایک غراتی ہوئی آواز سن کر میں چونک گیا۔

”میں ہوں قلندر چائے لے کر آیا ہوں۔“ میں نے رکے بغیر آگے بڑھتے ہوئے جواب دیا۔ میں نے ٹارچ والا ہاتھ آگے کر کے نکال رکھا تھا اور اس کا رخ سامنے کر رکھا تھا تاکہ میں خود روشنی کے ہالے سے بھی بچا رہوں۔

درمیانے قد کا وہ شخص برآمدے میں کھڑا تھا۔ ٹارچ کی روشنی اس کے جسم کے نیچے والے حصے پر پڑی۔ اس کے ہاتھ میں پستول نظر آ گیا۔

”آؤ یار بہت دیر سے انتظار کر رہا تھا۔“ وہ پستول جیب میں رکھتا ہوا اندر کی طرف مڑ گیا۔ میں برآمدے سے ہوتا ہوا دروازے میں داخل ہو گیا۔ یہ بنگلے کا پرانا سرکچر تھا اور ظاہر ہے دروازوں اور کھڑکیوں کے پٹ وغیرہ نہیں تھے۔ یہ ہال کمرہ تھا اور روشنی بائیں طرف کے ایک کمرے سے نظر آ رہی تھی۔ وہ شخص اس کمرے میں گیا تھا۔ میں بھی اسی طرف بڑھ گیا۔

وہ شخص کمرے کے ایک کونے میں رکھی ہوئی چھوٹی میز پر جھکا ہوا تھا۔ غالباً کپ اٹھا رہا تھا۔ اس کی پشت میری طرف تھی۔ اس طرح مجھے کمرے کا جائزہ لینے کا موقع مل گیا۔

بہت بڑا کمرہ تھا۔ ایک دوسرے سے فاصلے پر دو چارپائیاں بچھی ہوئی تھیں۔ ایک چارپائی خالی

تھی اور دوسری پر نرگس پڑی ہوئی تھی۔ اس کے دونوں پیر ٹخنوں کے قریب رسی سے بندھے ہوئے تھے جبکہ دونوں ہاتھ الگ الگ چارپائی کی پٹیوں سے بندھے ہوئے تھے۔ نرگس کے جسم پر لباس برائے نام ہی تھا۔ اس کے بال بکھرے ہوئے تھے اور چہرے اور جسم کے بعض حصوں پر خراشیں نظر آ رہی تھیں۔ اس کے چہرے پر خوف اور آنکھوں میں بے پناہ وحشت تھی۔

کمرے کے پچھلی طرف کشادہ کھڑکی کی جگہ تھی۔ بائیں طرف وہ بلاک رکھ کر ان پر کولر رکھا ہوا تھا جس کے اوپر ایک گلاس بھی ٹکا ہوا تھا۔ میز کے قریب دیوار پر ایک چھوٹا سا شیلف لگا ہوا تھا جس پر کیروسین لیمپ رکھا ہوا تھا۔

نرگس کی حالت دیکھ کر مجھے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ یہاں اس کے ساتھ کیا کچھ ہوتا رہا ہے۔ وہ اس وقت جاگ رہی تھی۔ پہلے تو اس نے توجہ نہیں دی لیکن میرے چہرے پر نظر پڑتے ہی جیسے وہ چونک سی گئی۔ میں نے اسے خاموش رہنے کا اشارہ کر دیا۔

”تم چائے کپوں میں ڈالو قلندر میں اسے کھولتا ہوں۔“ میز پر جھکا ہوا شخص سیدھا ہو گیا اور پھر جیسے ہی میری طرف مڑا اس دم اچھل پڑا۔ ”کک..... کون ہو تم؟“ وہ ہکلا کر رہ گیا۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں سی اڑنے لگی تھیں۔

”تمہاری موت۔“ میں نے غرا کر کہا۔ ”تم اپنی جگہ سے حرکت نہیں کرو گے۔ ورنہ تمہاری کھوپڑی اڑا دوں گا۔“

اس شخص نے پتلون کی جیب کی طرف ہاتھ بڑھانا چاہا لیکن میں نے پستول سے اشارہ کیا تو اس کا ہاتھ رک گیا۔

”اس طرف دیوار کے ساتھ کھڑے ہو جاؤ۔“ میں نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔ ”تمہارا منہ دیوار کی طرف ہونا چاہئے اور دونوں ہاتھ سر سے اوپر دیوار پر۔“

اس شخص نے میرے حکم کی تعمیل کرنے میں دیر نہیں لگائی تھی۔ میں نے ایک بار پھر ادھر ادھر دیکھا۔ میز پر دو سیب اور ان کے قریب ایک چھری بھی رکھی ہوئی تھی۔ میں نے ٹارچ میز پر رکھ کر پستول بائیں ہاتھ میں پکڑ لیا اور دائیں ہاتھ سے چھری اٹھا کر نرگس والی چارپائی کے قریب آ گیا اور اس کے ہاتھوں کی بندشیں کاٹنے لگا۔ دونوں ہاتھ کھلتے ہی نرگس اٹھ کر بیٹھ گئی۔ میں نے چھری اس کے حوالے کر دی اور وہ پیروں پر بندھی ہوئی رسی کاٹنے لگی۔

میں پستول دائیں ہاتھ میں لے کر اس شخص کی طرف متوجہ ہو گیا۔ میرے حکم پر وہ شخص میری طرف مڑ گیا تھا۔

اس نے دونوں ہاتھ اب بھی سر سے اوپر اٹھا رکھے تھے۔

”یہاں تک آ کر تم نے واقعی بہادری کا ثبوت دیا ہے۔“ وہ شخص کہہ رہا تھا۔ ”لیکن تم تحریکی کو نہیں جانتے۔ اگر تم اس لونڈیا کو یہاں سے لے جانے میں کامیاب ہو بھی گئے تو تمہیں کہیں بھی چھپنے کی جگہ نہیں ملے گی۔ وہ تمہیں پاتال سے بھی ڈھونڈ نکالے گا۔“

”تحریکی سے بھی میں نمٹ لوں گا۔ پہلے تمہارا بندوبست تو کر لوں۔“ میں نے جواب دیا اور اس

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

سے پہلے کہ میں کوئی اور قدم اٹھاتا ایک غیر متوقع صورتحال سامنے آ گئی۔

نرگس نے اچانک ہی چیختے ہوئے اس شخص پر چھری سے حملہ کر دیا تھا۔ نرگس اپنے مقصد میں کامیاب تو نہیں ہو سکی لیکن اس شخص کو موقع مل گیا۔ اس نے بڑی پھرتی سے اپنے آپ کو بچاتے ہوئے نرگس کو گرفت میں لے لیا اور ایک ہی جھٹکے سے چھری نرگس کے ہاتھ سے نکل کر زمین پر گر گئی۔

میرے لئے بڑی مشکل ہو گئی تھی۔ اس شخص نے نرگس کو گرفت میں لے کر اپنے سامنے ڈھال بنا رکھا تھا اور میں گولی بھی نہیں چلا سکتا تھا۔

نرگس اپنے آپ کو چھڑانے کی جدوجہد کر رہی تھی۔ اور پھر وہ اس شخص کو ساتھ لیتی ہوئی زمین پر گر گئی۔ گرتے ہوئے وہ شخص اس کے اوپر آیا تھا اس طرح مجھے موقع مل گیا۔ میں نے بڑی تیزی سے آگے بڑھ کر اس کے سر پر زوردار ٹھوکر مار دی۔

وہ شخص بلبلا اٹھا۔ نرگس بھی مچل کر اس کی گرفت سے نکل گئی۔ وہ شخص سنبھلنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن میں نے اسے ٹھوکروں پر رکھ لیا اور پھر وہ شخص زمین پر پڑے پڑے اس طرح اچھلا کہ اس کے پیر کی ٹھوکر میرے پستول والے ہاتھ پر لگی اور پستول میرے ہاتھ سے نکل کر نرگس والی چارپائی کے نیچے گر گیا۔ اس کے پیر کی ٹھوکر میری پنڈلی پر لگی تھی۔ میں لڑکھڑا گیا لیکن فوراً ہی سنبھل کر اس شخص پر حملہ آور ہوا۔

ہم دونوں ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہوتے رہے پھر اس شخص نے مجھے اچھال دیا۔ میں دیوار سے ٹکرایا۔ میرا سر دیوار سے لگا تھا۔ میرا دماغ جھنجنا کر رہ گیا۔

میں اپنے آپ کو سنبھالنے کی کوشش کر رہا تھا کہ وہ شخص میری طرف لپکا لیکن اس لمحہ فضا فائر کی آواز اور اس شخص کی چیخ سے گونج اٹھی۔ میں نے نرگس کی طرف دیکھا۔ اس کے ہاتھ میں میرا پستول تھا اور وہ خونخوار نظروں سے اس شخص کی طرف دیکھ رہی تھی۔

گولی اس شخص کے بائیں کندھے پر لگی تھی۔ جہاں سے خون بہہ نکلا تھا۔ اس نے دائیں ہاتھ سے مجروح کندھا پکڑ لیا اور پھر اچانک ہی اس نے چھلانگ لگا دی۔ میرا خیال تھا کہ وہ نرگس پر حملہ آور ہو گا۔ نرگس نے بھی گولی چلا دی تھی۔

لیکن اس شخص نے نرگس پر نہیں کھڑکی کی طرف چھلانگ لگائی تھی۔ نرگس کی چلائی ہوئی گولی سامنے دیوار پر لگی تھی۔ مجھے اس شخص کی پھرتی پر حیرت ہوئی تھی۔ زخمی ہونے کے باوجود ہوا میں اڑتا ہوا کھڑکی سے باہر جا گرا تھا۔ نرگس نے کھڑکی کی طرف دیکھا اور فائر کر دیا تھا لیکن یہ گولی بھی ضائع گئی۔

میں نے لپک کر نرگس کے ہاتھ سے پستول لے لیا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر دروازے کی طرف کھینچتے ہوئے چیخا۔

ہم ہال کمرے سے نکل کر برآمدے میں آ گئے۔ آگے اندھیرا تھا۔ اتنا موقع نہیں تھا کہ میں دوبارہ کمرے میں جا کر ٹارچ لاتا۔ اندیشہ یہ تھا کہ اگر وہ شخص ہم سے پہلے چوکیدار کے کمرے تک پہنچ جاتا تو ہمارے فرار کا راستہ مسدود ہو جاتا اور ہم یہاں پھنس کر رہ جاتے۔

میں نرگس کا ہاتھ پکڑ کر درختوں کے بیچ میں اس راستے کی طرف بھاگ کھڑا ہوا۔ ابھی ہم نے چند ہی گز کا فاصلہ طے کیا تھا کہ فضا فائر کی آواز سے گونج اٹھی۔ گولی ہمارے سروں کے اوپر سے گزر گئی تھی

۔ میں نرگس کو پکڑے بھاگتا رہا۔ نرگس چیختی ہوئی نیچے گری۔ وہ ننگے پیر تھی اور اس کے پیروں میں کانٹے چبھ گئے تھے۔ میں اسے سنبھالنا چاہتا تھا کہ ایک اور فائر ہوا۔ اس مرتبہ نرگس کے منہ سے بھی خوفناک چیخ نکل گئی تھی۔ میں اسے اٹھانے کی کوشش کرنے لگا تو وہ چیخی۔

"مم... میرے سینے میں گگ گولی لگی ہے۔ تت... تم۔"

اسی وقت ایک اور فائر ہوا۔ اس مرتبہ گولی میرے سر کے اوپر سے گزر گئی تھی۔ میں نے آواز کی سمت میں فائر کر دیا۔ وہ شخص ہم سے زیادہ دور نہیں تھا۔ گولی چلانے کے بعد اسے اپنی جگہ سے ہٹنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ اندھیرے میں چلائی ہوئی میری گولی نشانے پر لگی۔ فائر کی آواز کے ساتھ ہی اس شخص کی چیخ بھی سنائی دی تھی۔

میں نے جھک کر نرگس کو کندھے پر اٹھا لیا اور چوکیدار کے کمرے کی طرف دوڑنے لگا۔ اس دوران دو فائر اور ہوئے تھے لیکن ہم محفوظ ہی رہے۔

اندھیرے میں بھاگتے ہوئے میرے پیر بھی جھاڑیوں میں الجھ رہے تھے اور اوپر سے درختوں کی جھکی ہوئی کانٹے دار شاخیں بھی میرے چہرے اور جسم سے ٹکرا رہی تھیں۔ اور مختصر سے جنگل میں کئی گولیاں چلی تھیں۔ آواز دور تک گونجی ہو گی۔ مجھے اندیشہ تھا کہ ہمیں سڑک پر روکنے کی کوشش نہ کی جائے۔

چوکیدار کے کمرے میں آ کر میں نے وہ دروازہ بند کر کے اندر سے کنڈی لگا دی۔ چارپائی پر پڑے ہوئے چوکیدار کی آنکھوں میں بے پناہ دہشت ابھر آئی تھی۔ میں نے اس کی طرف توجہ دیئے بغیر دوسرے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ دروازہ کھول کر باہر جھانکا اور تیزی سے باہر آ گیا۔

اپنی کار تک پہنچنے میں مجھے چند سیکنڈ سے زیادہ نہیں لگے تھے۔ جب میں نرگس کو کار کی پچھلی سیٹ پر ڈال رہا تھا تو اسی وقت پیچھے سے آنے والی ایک منی بس میرے قریب سے گزری۔ منی بس میں صرف ایک دو مسافر بیٹھے ہوئے تھے۔ میں کار کا پچھلا دروازہ بند کر کے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا اور انجن سٹارٹ کر رہا تھا کہ پیچھے بہت دور سے پولیس کے سائرن کی آواز سنائی دی۔ میں نے مڑ کر دیکھا۔ مہینہ ٹاؤن پولیس سٹیشن کی طرف سے آنے والی پولیس کی گاڑی کافی دور تھی۔ میں نے کار کو ایک جھٹکے سے آگے بڑھا دیا۔

مجھے بلاک تیرہ ڈی ون تک پہنچنے میں چند منٹ سے زیادہ نہیں لگے اور پھر مطلوبہ بنگلہ بھی آسانی سے مل گیا۔ اس گلی میں بڑے بڑے بنگلے تھے۔ کئی بنگلوں کے سامنے گاڑیاں کھڑی تھیں لیکن کسی قسم کی آمدورفت نہیں تھی۔ اس بنگلے کے سامنے کار روک کر میں نیچے اتر آیا اور بیل بجا دی۔

میرا دل بڑی تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ نو بجے کے قریب جب میں نے اس پراسرار عورت کی کال ریسیو کی تھی تو مجھے شبہ تھا کہ مجھے کسی چکر میں پھنسانے کی کوشش تو نہیں کی جا رہی لیکن میں نے اس کی اطلاع کو نظر انداز بھی نہیں کیا تھا۔ اس کی اطلاع درست ثابت ہوئی تھی اور میں نرگس کو بھی وہاں سے نکال لایا تھا۔ لیکن اب اس بنگلے کے سامنے پہنچ کر میں ایک بار پھر الجھن میں مبتلا ہو گیا تھا۔ اگر یہاں.....

گیٹ کا ذیلی دروازہ کھلا اور میرے خیالات منتشر ہو گئے۔ وہ ایک ادھیڑ عمر عورت تھی۔ اس نے پہلے میری طرف دیکھا اور پھر کار کی طرف دیکھنے لگی۔

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

''میرا نام ناجی ہے اور۔''

''میں گیٹ کھولتی ہوں۔ گاڑی اندر لے آؤ۔'' اس نے میری بات کاٹتے ہوئے کہا اور ذیلی دروازہ بند کر کے گیٹ کھولنے لگی۔

میں کار کی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔

وہ بنگلہ خاصا بڑا تھا۔ کمپاؤنڈ بہت وسیع تھا۔ ایک طرف لان تھا اور گیٹ سے پختہ روش برآمدے تک چلی گئی تھی۔ بائیں طرف ایک کشادہ گلیارہ سا تھا جہاں پہلے ہی سے ایک کار کھڑی تھی۔ میں نے اپنی کار برآمدے کے سامنے روکی اور نرگس کو اٹھا کر اندر لے آیا۔ وہ عورت الجھی ہوئی نظروں سے مجھے اور نرگس کو دیکھ رہی تھی۔

''اسے گولی لگی ہے۔'' میں نے کہا۔ ''اور فوری طور پر طبی امداد کی ضرورت ہے۔''

وہ عورت ہمیں ایک کمرے میں لے آئی۔ میں نے نرگس کو بیڈ پر لٹا دیا اور اس کے زخم کو دیکھنے لگا۔ گولی نرگس کے سینے پر عین درمیان میں لگی تھی۔ اس کے بالائی جسم کا بیشتر حصہ برہنہ تھا اور خون میں لتھڑا ہوا تھا۔ خون زیادہ بہہ جانے کی وجہ سے وہ بے ہوش ہو چکی تھی۔

''یہاں ٹیلی فون ہے؟'' میں نے قریب کھڑی ہوئی اس عورت کے طرف دیکھا۔ وہ مجھے اشارہ کرتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی۔ میں بھی اس کے پیچھے ہی آ گیا۔ ٹیلی فون لاؤنج میں رکھا ہوا تھا۔ میں نے ریسیور اٹھا کر رنگا کا نمبر ملایا۔ کال اسی بھاری آواز والے نے ریسیو کی تھی۔

''رنگا نہیں ہے وجہ۔'' اس نے میرے پوچھنے پر جواب دیا۔ ''وہ علاقے میں گیا ہوا ہے۔ یہاں بڑا دنگا فساد ہو رہا ہے۔ اب تک دو آدمی مارے جا چکے ہیں۔ بہت لوگ زخمی ہوئے ہیں۔ تم کام بتاؤ۔ میں اس کو بول دوں گا۔''

میں اسے نرگس کے بارے میں بتانا چاہتا تھا لیکن نجانے کیا سوچ کر میں نے ارادہ ملتوی کر دیا اور ریسیور رکھ کر قریب کھڑی ہوئی اس عورت کی طرف دیکھنے لگا۔

''میری ایک دوست ڈاکٹر ہے۔ میں اسے فون کرتی ہوں۔ تم کمرے میں چلو۔ میں بھی آتی ہوں۔'' اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

میں نرگس والے کمرے میں آ گیا۔ اس کے زخم سے کافی خون بہہ چکا تھا۔ چہرہ زرد ہو رہا تھا۔ اسے اٹھانے سے میرے اپنے کپڑے خون آلود ہو رہے تھے۔ تقریباً پانچ منٹ بعد وہ عورت بھی کمرے میں آ گئی۔

''ڈاکٹر کو یہاں آنے میں آدھا گھنٹہ لگے گا۔'' اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''اس وقت تک ہم اس کیلئے دعا کے سوا کچھ نہیں کر سکتے۔''

میں نے پہلی بار توجہ سے اس عورت کی طرف دیکھا۔ اس کی عمر پینتیس اور چالیس کے درمیان رہی ہو گی۔ وہ صحت مند جسم کی مالک حسین عورت تھی۔ بال گردن تک کٹے ہوئے تھے۔ گلے میں سونے کی چین اور کانوں میں غالباً ہیرے کے بندے تھے۔ چین میں بھی ہیرے کے جڑاؤ والا ایک لاکٹ تھا۔ اس نے شلوار قمیص پہن رکھی تھی۔ قمیص اوپر سے خاصی ٹائٹ تھی۔

اس نے اب تک میرے بارے میں کچھ نہیں پوچھا تھا اور نہ ہی یہ دریافت کیا تھا کہ نرگس کو گولی کیسے لگی تھی۔ وہ کچھ دیر کبھی مجھے اور کبھی نرگس کو دیکھتی رہی اور پھر کچھ کہے بغیر کمرے سے چلی گئی۔ میں پلنگ کے قریب ایک کرسی پر بیٹھ گیا اور بے بسی سے نرگس کی طرف دیکھنے لگا۔

چند منٹ بعد وہ عورت واپس آ گئی۔ اس کے دونوں ہاتھوں میں چائے کے مگ تھے۔ اس نے ایک مگ میری طرف بڑھا دیا۔

''لو چائے پیو اور اپنے آپ کو سنبھالو۔'' اس نے کہا۔

میں نے اس کے ہاتھ سے مگ لے لیا۔ وہ بھی ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔ میرے چہرے پر کئی خراشیں تھیں۔ جن میں جلن ہو رہی تھی۔ لیکن مجھے اپنی تکلیف سے زیادہ نرگس کا خیال تھا جو زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا تھی۔

وہ لیڈی ڈاکٹر تقریباً ایک گھنٹے بعد آئی تھی۔ وہ اگرچہ سرجن تھی لیکن یہ کیس اس کے بس کا نہیں تھا۔ نرگس کے سینے سے گولی نکالنے کیلئے آپریشن کی ضرورت تھی اور یہاں آپریشن نہیں ہو سکتا تھا۔

''اسے آپریشن کیلئے ہسپتال لے جانا پڑے گا۔'' اس نے کہا۔

''یہ ممکن نہیں۔'' مجھ سے پہلے وہ عورت بول اٹھی۔ ''جو کچھ کرنا ہے یہیں پر کرو۔''

''یہاں اس کی زندگی کی ضمانت نہیں دی جا سکتی لیکن بہرحال گولی نکالنے کی کوشش کرتی ہوں۔'' لیڈی ڈاکٹر نے جواب دیا اور اپنا بیگ کھولنے لگی۔

لوکل انستھیسیا دے کر تقریباً ایک گھنٹے کی کوشش سے وہ نرگس کے سینے میں پیوست گولی نکالنے میں کامیاب ہو گئی۔

''اگلے بارہ گھنٹے بہت اہم ہیں۔'' وہ باری باری ہم دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ ''اگر یہ بارہ گھنٹے نکال لئے تو پھر اس کیلئے کوئی خطرہ نہیں ہو گا۔ خون بہت ضائع ہو چکا ہے۔ اسے خون دینا بھی بہت ضروری ہے۔ میں کوشش کرتی ہوں۔ اگر بندوبست ہو جائے تو۔''

اس نے ایک سرنج میں چند سی سی خون محفوظ کر لیا اور وہاں سے رخصت ہو گئی۔ اس وقت دو بج چکے تھے۔ اس کی واپسی ساڑھے تین بجے کے قریب ہوئی تھی۔ اس نے ایک مخصوص ساخت کے بیگ میں سے خون کی ایک تھیلی نکالی' بیگ فریج میں رکھ دیا اور نرگس کو خون لگانے لگی۔ خون کی تھیلی ٹانگنے کیلئے سٹینڈ نہیں تھا۔ تھیلی بیڈ کے ساتھ والی کھڑکی کی گرل سے باندھ دی گئی۔

ڈاکٹر تقریباً پندرہ منٹ تک ٹیوب میں خون کے بہاؤ کا جائزہ لیتی رہی پھر اپنا بیگ سنبھالتے ہوئے بولی۔

''یہ بوتل کم از کم چار گھنٹوں تک چلے گی۔ میں صبح سات بجے آ کر دیکھوں گی۔ اس دوران ایسی ویسی بات ہو تو مجھے فون کر دینا۔''

لیڈی ڈاکٹر کے جانے کے بعد ہم دونوں نرگس والے کمرے میں آ گئے اور تقریباً آدھا گھنٹہ خاموش بیٹھے کبھی نرگس کو اور کبھی ایک دوسرے کو دیکھتے رہے پھر وہ عورت مجھے اشارہ کرتے ہوئے اٹھ گئی۔ ہم دوسرے کمرے میں آ گئے۔ یہ شاندار بیڈ روم تھا۔ شیشے کے دروازے والی ایک الماری میں

www.pdfbooksfree.pk

مردانہ کپڑے ٹنگے ہوئے تھے۔

''وہ باتھ روم ہے۔'' اس نے ایک دروازے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''نہا کر کپڑے بدل لو۔ یہ کپڑے تمہیں فٹ آ جائیں گے۔ خون آلود کپڑے اتار کر باتھ روم میں ہی ایک طرف ڈال دینا اور یہ لوشن رکھا ہے چہرے اور جسم پر دوسری جگہ خراشوں پر لگا لینا۔''

وہ کمرے سے باہر چلی گئی۔ میں نے دروازہ بند کر دیا اور الماری کھول کر ٹنگے ہوئے کپڑوں کا جائزہ لینے لگا۔ پھر میں نے شلوار قمیص کا ایک جوڑا نکال لیا اور باتھ روم میں گھس گیا۔

آئینے میں جائزہ لیا تو پتہ چلا کہ چہرے اور گردن پر کانٹوں سے لاتعداد خراشیں آئی تھیں۔ بانہوں پر بھی جگہ جگہ خراشیں تھیں جن میں جلن ہو رہی تھی۔

میں نے نہا کر خراشوں پر لوشن لگایا تو ٹھنڈک سی پڑ گئی۔ میں نے کپڑے پہنے اور باہر آ گیا۔ وہ عورت لاؤنج میں بیٹھی ہوئی تھی۔ نرگس والے کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا اور نرگس کا بیڈ وہاں سے صاف نظر آ رہا تھا۔ میں بھی اس عورت کے سامنے دوسرے صوفے پر بیٹھ گیا۔ اس کا نام تابندہ تھا۔ وہ بیوہ تھی۔ تین سال پہلے یورپ کے کاروباری دورے کے دوران ایک ہوائی حادثے میں اس کے شوہر کا انتقال ہو گیا تھا۔ اس کا امپورٹ ایکسپورٹ کا بزنس تھا۔ دنیا کے مختلف ممالک سے کنزیومرز آئٹم درآمد کئے جاتے تھے اور یہاں سے بھی ایسی اشیاء ایکسپورٹ کی جاتی تھیں جن میں خاصا منافع مل جاتا تھا۔

یہ بنگلہ تابندہ کے شوہر نے اپنی موت سے دو سال پہلے خریدا تھا۔ اس کے علاوہ تھوڑی بہت اور جائیداد بھی تھی جس سے ہر مہینے معقول کرایہ بھی مل جاتا تھا۔ تابندہ پڑھی لکھی عورت تھی۔ شوہر کی موت کے بعد اس نے کاروبار سنبھال لیا۔ اس کا منیجر دیانتدار اور محنتی آدمی تھا اور تابندہ کو اس پر مکمل بھروسہ تھا۔ شروع کے دو سال تو وہ باقاعدگی سے دفتر میں بیٹھتی رہی پھر اس نے سارا کام منیجر پر چھوڑ دیا تھا۔ اب وہ ہفتے میں ایک آدھ بار ہی دفتر جاتی تھی۔

تابندہ کی شادی تقریباً دس سال پہلے ہوئی تھی۔ شادی کے ایک سال بعد اس نے ایک بچی کو جنم دیا تھا جو چند روز بعد ہی اللہ کو پیاری ہو گئی۔ اس کے چند مہینے بعد تابندہ کو ایک حادثہ پیش آ گیا۔ کچھ اندرونی چوٹیں آئی تھیں جس سے وہ ماں بننے کی صلاحیت سے محروم ہو گئی۔ اس طرح اس کی کوکھ اجڑ گئی۔

تابندہ کے پاس گھر کے کام کاج کیلئے ایک ملازمہ تھی جو چوبیس گھنٹے اس کے پاس رہتی تھی لیکن دو دن پہلے وہ ایک ہفتے کی چھٹی لے کر بہاولپور چلی گئی تھی۔

رات کو مجھے ایک عورت ہی نے ٹیلی فون کیا تھا۔ میں تابندہ سے باتوں کے دوران اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا تھا کہ کیا وہ فون تابندہ ہی نے کیا تھا لیکن اس کی آواز بہت مختلف تھی۔

تابندہ نے ابھی تک مجھ سے میرے یا نرگس کے بارے میں کچھ نہیں پوچھا تھا۔ میں نے بھی اس سے کوئی سوال نہیں کیا تھا حالانکہ میں اس کے بارے میں بہت کچھ جاننا چاہتا تھا۔ اگر اس نے مجھے فون نہیں کیا تھا اور وہ مجھے نہیں جانتی تھی تو اس نے میرا نام سنتے ہی گیٹ کیوں کھول دیا تھا اور نرگس کیلئے اتنی پریشان کیوں تھی۔ لیڈی ڈاکٹر نے نرگس کو آپریشن کیلئے ہسپتال لے جانے کو کہا تھا مگر تابندہ نے اس کی سختی سے مخالفت کی تھی جس کا مطلب تھا کہ وہ صورت حال کی نزاکت سے آگاہ تھی۔ نرگس کو ہسپتال لے جانے

کی صورت میں پولیس کی مداخلت لازمی ہو جاتی۔

''رات کو مجھے تم نے فون کیا تھا؟'' آخر کار میرے دل کی بات زبان پر آ ہی گئی۔

''نہیں۔'' اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''میں اب سے پہلے تمہیں جانتی بھی نہیں تھی بلکہ اب بھی نہیں جانتی۔''

''تو پھر تم نے مجھے دیکھتے ہی بنگلے کا گیٹ کیوں کھول دیا تھا؟'' میں نے چبھتی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

''مجھے تمہارا نام بتایا گیا تھا کہ تم یہاں آؤ گے اور تمہارے ساتھ نرگس نام کی ایک عورت بھی ہو گی۔'' تابندہ نے جواب دیا۔ ''تمہاری آمد میرے لئے غیر متوقع نہیں تھی لیکن یہ صورتحال بالکل غیر متوقع تھی اور میں نے جو کچھ بھی کیا ہے انسانی ہمدردی کی بنا پر کیا ہے۔ تمہاری دوست کی زندگی بچ گئی تو مجھے خوشی ہو گی لیکن مجھے زیادہ امید نہیں ہے۔ تمہیں بھی ذہنی طور پر اپنے آپ کو تیار رکھنا چاہئے۔ خون بہت زیادہ بہہ چکا ہے۔ آپریشن بھی اس طرح نہیں ہوا جس طرح ہونا چاہئے تھا۔ ڈاکٹر سلمٰی نے بارہ گھنٹے اہم قرار دیئے ہیں۔ کسی بھی وقت کچھ ہو سکتا ہے۔''

نرگس کی صورتحال سے میں بے خبر نہیں تھا۔ اس کی حالت خاصی نازک اور تشویشناک تھی اور میں دل ہی دل میں اس کی سلامتی کیلئے دعائیں مانگ رہا تھا۔

نرگس کا اور میرا بہت پرانا ساتھ تھا۔ جب میں ہندوستان سے واپس آیا تھا تو میرے ہی ہمدردوں نے مجھے لوٹنے اور قتل کرنے کی کوشش کی تھی اور وہ نرگس ہی تھی جس نے مجھے اپنے گاؤں سے باہر مویشیوں کے باڑے میں پناہ دی تھی۔ اس نے اپنے شوہر کی مخالفت کی پروا بھی نہیں کی تھی اور نہ ہی اسے گاؤں والوں کا ڈر خوف تھا اور پھر وہ اپنے شوہر اور گاؤں کو ہی چھوڑ کر میرے ساتھ آ گئی تھی۔

وہ اچھی طرح جان چکی تھی کہ میں نہ صرف قتل کے ایک پرانے کیس میں پولیس کو مطلوب ہوں بلکہ لاہور میں قتل کی کئی اور وارداتیں بھی میرے نام سے منسوب ہیں۔ اس کے علاوہ بھی میں لاتعداد اور سنگین جرائم میں پولیس کو مطلوب تھا۔ میرے پکڑے جانے کی صورت میں وہ بھی لپیٹ میں آ جاتی اور اس کی باقی زندگی بھی جیل میں ہی گزرتی۔

رضیہ نے کہا تھا کہ وہ میرے پاس قیمتی زیورات دیکھ کر میرے ساتھ چلی آئی تھی۔ دولت کے لالچ میں اس نے اپنے شوہر اور اپنے گاؤں کو چھوڑ دیا تھا۔ جب ہم لاہور میں تھے تو رضیہ گاہے گاہے مجھے نرگس سے متنفر کرنے کی کوشش کرتی رہتی تھی۔ رضیہ کے خیال میں نرگس دولت کے لالچ میں میرے ساتھ آئی تھی لیکن رضیہ نے خود میرے زیور ہتھیانے کی کوشش کی تھی۔ اس کے برعکس نرگس نے کبھی ایسی کوئی حرکت نہیں کی تھی جس سے ایسا کوئی تاثر ملتا۔ حالانکہ سب کچھ نرگس ہی کی تحویل میں تھا۔ کروڑوں روپے مالیت کے وہ زیورات بھی اور لاکھوں روپے کی وہ نقد رقم بھی جو لاہور میں رضیہ کی جائیداد فروخت کر کے حاصل کی گئی تھی۔ لیکن اس نے ایسا نہیں کیا تھا۔ اس نے تو اپنی زندگی میرے لئے وقف کر رکھی تھی۔ اس نے میری خاطر بہت دکھ اٹھائے تھے۔ بہت مصیبتیں برداشت کی تھیں اور اب وہ موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا تھی۔

aazzamm@yahoo.com
www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

صبح چھ بجے کے قریب نرگس کو ہوش آیا۔ خون کی کافی مقدار اس کے جسم میں منتقل ہو چکی تھی لیکن اس کے چہرے کی زردی میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ ہوش میں آنے کے بعد وہ ہاتھ پیر مارنے لگی جس سے اس کی اذیت کا اندازہ لگایا جا سکتا تھا۔ اس نے ہاتھ مار کر بلڈ والی سوئی بھی بازو سے نکال دی تھی۔ خون کے قطرے قالین پر ٹپک رہے تھے۔ تابندہ نے ٹیوب کا سٹاپر بند کر دیا۔ نرگس کی سانس اکھڑنے لگی۔ میں اسے سنبھالنے کی کوشش کر رہا تھا۔ تابندہ دوڑ کر لاؤنج میں چلی گئی اور فون کا ریسیور اٹھا کر نمبر ملانے لگی۔

نرگس کبھی بری طرف تڑپنے لگتی اور کبھی بے حس و حرکت ہو جاتی۔ اس کا سانس بار بار اکھڑ رہا تھا۔ تقریباً چالیس منٹ بعد ڈاکٹر سلمیٰ پہنچ گئی۔ اس وقت نرگس بے حس و حرکت پڑی تھی۔ ڈاکٹر سلمیٰ کتنی دیر تک اسے چیک کرتی رہی پھر اس نے تابندہ کی طرف دیکھتے ہوئے مایوسی میں سر ہلا دیا۔

''اگر رات کو اسے ہسپتال پہنچا دیا جاتا تو اس کے بچنے کی امید ہو سکتی تھی۔'' اس نے مدھم لہجے میں کہا۔ ''اسے آکسیجن پر رکھا جاتا اور ایمرجنسی کی صورت میں دیگر ٹریٹمنٹ بھی دیا جا سکتا تھا جبکہ یہاں ایسی کوئی سہولت میسر نہیں تھی۔ مجھے افسوس ہے۔''

''تم جانتی ہو ہم اسے ہسپتال نہیں لے جا سکتے تھے۔ بہرحال اب تم چاہو تو جا سکتی ہو۔'' تابندہ نے کہا۔

ڈاکٹر سلمیٰ ایک بار پھر لاش کی طرف متوجہ ہو گئی۔ زخم سے خون رس رہا تھا۔ اس نے اس طرح بینڈیج کر دی کہ مزید خون نہ رس سکے اور پھر وہ اپنا بیگ اٹھا کر رخصت ہو گئی۔

میں بیڈ کے قریب کرسی پر بیٹھ گیا۔ مجھے نرگس کی موت کا یقین نہیں آ رہا تھا۔ میں نے خود اس کی نبض ٹٹولنے کی کوشش کی' سینے پر ہاتھ رکھ کر دیکھا۔ گردن کے قریب ایک نس پر انگلی رکھ کر کچھ محسوس کرنے کی کوشش کی لیکن زندگی موت کے سناٹے میں ڈوب چکی تھی۔ میں کرسی پر بیٹھا نرگس کو دیکھتا رہا۔

تابندہ نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ وہ چند منٹ میرے پاس کھڑی رہی پھر اس نے ایک چادر نرگس پر ڈال دی اور مجھے اٹھا کر کمرے سے باہر لے آئی۔ مجھے اس نے لاؤنج میں ایک صوفے پر بٹھا دیا اور خود ٹیلی فون پر کسی سے باتیں کرنے لگی۔

وہ اگرچہ مجھ سے صرف دس بارہ فٹ کے فاصلے پر تھی لیکن اس قدر دھیمی آواز میں بات کر رہی تھی کہ اس کی آواز مجھ تک نہیں پہنچ رہی تھی۔ وہ پندرہ بیس منٹ تک فون پر بات کرتی رہی پھر ریسیور رکھ کر میری طرف دیکھا اور کچن میں چلی گئی۔

کچھ دیر بعد وہ چائے بنا کر لے آئی۔ اس نے ایک کپ میرے سامنے سنٹرل ٹیبل پر رکھ دیا اور دوسرا خود لے کر سامنے والے صوفے پر بیٹھ گئی۔ میں نے نظریں اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔ وہ بھی میرے ساتھ پوری رات جاگی تھی اور اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔

ہم دونوں کافی دیر خاموشی سے چائے کی چسکیاں لیتے رہے پھر تابندہ مجھ سے اظہار ہمدردی کرنے لگی اور پھر اس نے ایک چونکا دینے والا سوال کیا۔

''نرگس کون تھی اور تمہارے ساتھ کب سے تھی؟''

میں چند لمحے اس کی طرف دیکھتا رہا اور پھر اسے بتانے لگا کہ نرگس کون تھی۔ وہ خاموشی سے سنتی رہی۔ بیچ بیچ میں کوئی سوال بھی کر دیتی تو میں اس کا جواب دے دیتا۔

باتوں میں مجھے رنگا کا خیال آ گیا۔ میں نے دیوار گیر گھڑی کی طرف دیکھا۔ نو بج رہے تھے۔ میں اپنی جگہ سے اٹھ کر ٹیلی فون کے قریب بیٹھ گیا اور ریسیور اٹھا کر رنگا کا نمبر ملانے لگا۔ کال اسی بھاری آواز والے نے ریسیور کی تھی۔

''رنگا یہاں نہیں ہے واجہ۔'' اس نے میری آواز سن کر کہا۔ ''وہ آج صبح سویرے ایک ضروری کام سے حب چلا گیا ہے۔''

''حب۔'' میں نے حیرت سے یہ نام دہرایا۔ میں یہاں مصیبت میں گرفتار تھا۔ نرگس ختم ہو گئی تھی اور رنگا کسی ضروری کام سے حب چلا گیا تھا۔

''اچھا ٹیڈی یا حضوری سے بات کرا دو۔''

''حضوری بھی رنگا دادا کے ساتھ گیا ہے اور ٹیڈی کا کچھ پتا نہیں۔ وہ کل رات سے چھپتا پھر رہا ہے۔'' اس نے جواب دیا۔

''میں نہیں جانتا تم کون ہو۔'' میں نے کہا۔ ''میں کل شام سے فون کر رہا ہوں۔ رنگا مجھ سے بات کیوں نہیں کرتا آخر ایسا کیا مسئلہ ہے؟''

''کل سارا رات ادھر پھڈا ہوا ہے واجہ۔'' اس نے جواب دیا۔ ''رنگا دادا کا گروہ میں فوٹ پڑ گیا ہے۔ وہ لوگ سارا رات ایک دوسرے پر گولیاں چلاتے رہے ہیں نا۔ ٹیڈی نے رنگا سے بغاوت کر دیا ہے۔ وہ لوگ ایک دوسرے کے خون کا پیاسا ہو گیا ہے۔''

یہ اطلاع میرے لئے بہت ہی حیرت انگیز تھی۔ گزشتہ رات صرف ایک مرتبہ رنگا سے بات ہوئی تھی۔ اس نے یہ تو بتایا تھا کہ علاقے میں لفڑا ہو گیا ہے لیکن بغاوت والی بات اس نے نہیں بتائی تھی اور ٹیڈی وہ تو اس کے بچپن کا دوست تھا۔ رنگا نے خود بتایا تھا کہ حضوری اور ٹیڈی نے بچپن سے اب تک قدم قدم پر اس کا ساتھ دیا تھا۔ اس کے لئے بڑی تکلیفیں اٹھائی تھیں لیکن اب یکا یک ان میں اس طرح پھوٹ پڑ جانا کہ وہ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو رہے تھے۔ میرے لئے انتہائی حیرت انگیز بات تھی۔ اس شخص کے کہنے کے مطابق رنگا ایک ضروری کام سے حب چلا گیا تھا۔ حب کراچی کی ساحلی حدود سے ملا ہوا بلوچستان کا ایک قصبہ تھا۔ وہاں بھی رنگا کے قبیلے کے لوگ آباد تھے اور میں سوچ رہا تھا کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ ٹیڈی کا پلڑا بھاری ہو گیا ہو اور رنگا اپنی جان بچانے کیلئے حب کی طرف بھاگ گیا ہو۔ مجھے ان زیورات کی فکر بھی ہو رہی تھی۔ کروڑوں روپے مالیت کے زیورات تھے۔ مجھے اپنی کشتی ڈوبتی ہوئی نظر آنے لگی۔

وہ شخص ابھی تک لائن پر تھا۔ میں نے جھجکتے ہوئے کہا۔ ''تو پھر ایسا کرو حریری سے میری بات کرا دو۔ میرے لئے بھی بہت ایمرجنسی۔''

''حریری کا نام آئندہ زبان پر مت لانا واجہ۔'' دوسری طرف سے کہا گیا اور اس کے ساتھ ہی لائن کٹ گئی۔

میں ریسیور کان سے لگائے بیٹھا رہا۔ میں نے محسوس کیا تھا کہ تابندہ کن انکھیوں سے میری

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

طرف دیکھ رہی تھی اور بڑی توجہ سے میری باتیں سن رہی تھی۔ میں نے ریسیور رکھا تو وہ اس وقت بھی میری طرف دیکھ رہی تھی۔ لیکن اس نے یہ نہیں پوچھا کہ رنگا کون تھا اور حریری کون تھی۔

تقریباً ایک گھنٹے بعد کال بیل بج اٹھی۔ تابندہ نے برآمدے کے دروازے سے باہر جھانکا پھر مجھے لے کر نرگس والے کمرے میں آ گئی اور چادر نرگس کے چہرے سے ہٹا دی۔

''آخری بار اس کا چہرہ دیکھ لو۔'' وہ بولی۔ ''یہ جا رہی ہے کبھی واپس نہ آنے کیلئے۔''

''کیا؟'' میں چونک گیا۔

''ظاہر ہے اسے زیادہ دیر یہاں نہیں رکھا جا سکتا۔'' تابندہ نے کہا۔ ''میں نے فون کر دیا تھا۔ وہ لوگ ڈیڈ باڈی لینے کیلئے آئے ہیں۔ اطمینان رکھو اس کی تجہیز و تکفین اور تمام رسومات ہوں گی فرق صرف اتنا ہوگا کہ تم ان آخری رسومات میں شریک نہیں ہو گے۔''

میں نے جھک کے نرگس کی سرد پیشانی پر بوسہ دیا۔ میری آنکھوں سے بے اختیار آنسو بہہ نکلے تھے۔ تابندہ نے نرگس کا چہرہ چادر سے ڈھک دیا اور مجھے بازو سے پکڑ کر دوسرے کمرے میں لے آئی۔

''جب تک میں نہ کہوں تم اس کمرے سے باہر نہیں نکلو گے۔'' وہ کہتے ہوئے کمرے سے باہر چلی گئی اور دروازہ بھیڑ دیا۔

چند منٹ بعد گیٹ کھلا اور کسی گاڑی کے اندر داخل ہونے کی آواز سنائی دی۔ میں جس کمرے میں تھا اس کی ایک کھڑکی سامنے کی طرف بھی کھلتی تھی۔ کھڑکی کے سامنے نیلے رنگ کا دبیز پردہ پڑا تھا۔ میں نے پردے کا کونا سرکا کر محتاط انداز میں باہر جھانکا۔

وہ سیاہ رنگ کی ایک لمبی سی وین تھی جو میری کار کے پیچھے کھڑی تھی۔ وین کی کھڑکیوں کے شیشے تاریک تھے۔ تین آدمی وین سے اترے تھے۔ پچھلا دروازہ کھول کر انہوں نے سٹریچر باہر نکالا اور برآمدے میں داخل ہو کر میری نظروں سے اوجھل ہو گئے۔

تقریباً آدھے گھنٹے بعد وہ سٹریچر لے کر باہر آ گئے۔ سٹریچر پر نرگس کی لاش تھی۔ سٹریچر وین کے پچھلے حصے میں رکھ دیا گیا اور دو آدمی بھی پیچھے ہی بیٹھ گئے۔ انہوں نے دروازہ بند کر لیا تھا۔ تیسرا ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔ اس نے انجن سٹارٹ کیا اور وین ریورس گیئر میں چلتی ہوئی گیٹ کے قریب پہنچ کر رک گئی۔ تابندہ نے گیٹ کھول دیا۔ وین باہر چلی گئی۔ میرا خیال تھا کہ وہ کوئی ایمبولینس ہو گی لیکن اس کے سامنے یا دائیں بائیں کہیں بھی ایمبولینس لکھا ہوا نظر نہیں آیا تھا۔ نہ ہی کوئی ایسا نشان تھا جس سے یہ پتہ چلتا کہ اس وین کا تعلق کسی ہسپتال یا فلاحی ادارے سے ہے۔

تابندہ گیٹ بند کر کے اندر آ گئی اور اس نے میرے کمرے کا دروازہ کھول دیا۔ میری آنکھوں میں آنسو دیکھ کر وہ افسردہ سے لہجے میں ایک بار پھر مجھے تسلی دینے لگی۔

اس کے ایک گھنٹے بعد تابندہ نے مجھے زبردستی ناشتہ کروایا اور میں دوسرے کمرے میں آ کر بستر پر لیٹ گیا۔ میں دیر تک نرگس کے بارے میں سوچتا رہا۔ میرے دماغ میں سنسناہٹ ہو رہی تھی اور پھر پتہ نہیں کس وقت میں نیند کی آغوش میں پہنچ گیا۔

میں پورا دن سویا رہا تھا۔ میری آنکھ کھلی تو شام کا اندھیرا پھیل چکا تھا۔ کمرے کی بتی بھی بجھی

ہوئی تھی۔ دروازہ ایک انچ کے قریب کھلا ہوا تھا اور لاؤنج میں روشنی دکھائی دے رہی تھی۔

میرا سر بے حد بوجھل تھا۔ دماغ کی نسوں میں شدید تناؤ محسوس ہو رہا تھا۔ میں نے آنکھیں بند کر لیں اور گہرے گہرے سانس لینے لگا۔ چٹ کی آواز سن کر میں نے آنکھیں کھول دیں۔ کمرے میں روشنی بھر گئی تھی۔ میں چند لمحے بے حس و حرکت پڑا پلکیں جھپکتا اور چھت کو گھورتا رہا پھر دروازے کی طرف دیکھا اور اس کے ساتھ ہی اچھل پڑا۔ میرے دل کی دھڑکن خطرناک حد تک تیز ہو گئی تھی۔ میں ایک جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔ دماغ میں دھماکے سے ہونے لگے تھے۔ مجھے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ حریری دروازے میں کھڑی تھی۔

میں شاید کوئی خواب دیکھ رہا تھا۔

میں نے انگلی دانتوں کے نیچے دبا لی اور میرے منہ سے سسکاری سی نکل گئی۔ میں خواب نہیں دیکھ رہا تھا۔ وہ ناقابل تردید حقیقت کی طرح میرے سامنے کھڑی تھی۔ ملکوتی حسن کا پیکر' قدرت کا حسین ترین شاہکار' اس کی آنکھوں میں ستاروں جیسی چمک اور ہونٹوں پر بڑی دلفریب مسکراہٹ تھی۔ رنگا کے ہاں میں نے جب بھی اسے دیکھا تھا وہ قدیم الف لیلوی لباس میں نظر آئی تھی لیکن اس وقت اس نے انگوری رنگ کا لباس پہن رکھا تھا۔ قمیص چولی کی طرح تھی جس کا دامن گھٹنوں سے خاصا اوپر تھا۔ لباس کا دوسرا حصہ فلیپر ٹائپ کے پاجامے پر مشتمل تھا۔ جس کے پائنچے خاصے کھلے تھے۔ قمیص اوپر سے اس قدر ٹائٹ تھی جیسے وہ کپڑا بھی اس کے جسم ہی کا حصہ ہو۔

''میں کوئی سپنا نہیں جیتی جاگتی ہستی ہوں۔'' حریری کے لبوں کو حرکت ہوئی اور وہی جلترنگ جیسی آواز میری سماعت سے ٹکرائی۔

نجانے کیا بات تھی کہ حریری کو اپنے سامنے دیکھ کر میرے پورے بدن میں سنسنی کی لہر دوڑنے لگی تھی۔ حالانکہ میں اسے دیکھنے کیلئے اس سے بات کرنے کیلئے کئی دنوں سے بے چین ہو رہا تھا اور اب حریری کو دیکھ کر مجھ پر عجیب سی کیفیت طاری ہو رہی تھی اور پھر دفعتاً جیسے رنگا کا خیال آ گیا۔ اس خیال کے ساتھ ہی میرے دل پر مردنی سی طاری ہو گئی۔ چشم تصور سے اس کالے بھوت کو حریری جیسی اپسرا کے ساتھ دیکھ کر مجھے کراہت سی محسوس ہونے لگی۔ لیکن اسی لمحہ ایک اور خیال بم کے دھماکے کی طرح میرے دماغ میں گونج اٹھا۔

حریری یہاں کیسے آ گئی؟

یہ سوالیہ نشان میرے دماغ میں پھیلتا چلا گیا لیکن یہ سوال زبان پر نہیں آ سکا۔ اس کے برعکس میں غیر ارادی طور پر اس کے پیچھے دروازے کی طرف دیکھنے لگا۔ حریری شاید میری نگاہوں کا مطلب سمجھ گئی تھی۔ اس کے ہونٹوں کی مسکراہٹ گہری ہو گئی اور جلترنگ جیسی وہ آواز میری سماعت سے ٹکرائی۔

''وہ نہیں ہے۔ اب تم اسے میرے ساتھ نہیں دیکھو گے۔''

اب مجھے اپنی سماعت پر بھی یقین نہیں آ رہا تھا۔ حریری رنگا کی خاطر اپنا وطن چھوڑ کر آئی تھی۔ ان دونوں کو ہمیشہ ساتھ دیکھا گیا تھا۔ ٹیڈی نے بھی ایک مرتبہ مجھے بتایا تھا کہ رنگا جب علاقے کے دورے پر بھی نکلتا تھا تو حریری ہمیشہ اس کے ساتھ ہوتی تھی۔ لوگ انہیں لازم و ملزوم سمجھتے تھے اور اب حریری نے

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

عجیب سی بات کہہ دی تھی کہ رنگا کو اب کبھی اس کے ساتھ نہیں دیکھ سکوں گا۔

دروازہ نیم وا تھا۔ حریری آگے بڑھ آئی۔ میں بیڈ سے اتر کر کھڑا ہو گیا۔ میرے دماغ میں اب بھی سنسناہٹ سی ہو رہی تھی اور ایک بار پھر وہی خیال ذہن میں ابھر آیا کہ حریری یہاں کیسے آئی۔ اسے کیسے معلوم ہوا کہ میں یہاں ہوں۔ تابندہ سے اس کا کیا تعلق ہے اور یہ کہ وہ رنگا کے بغیر یہاں کیسے آ گئی تھی؟ یہ اور اس جیسے کئی سوالوں کا جواب نہیں تھا۔

''بیٹھ جاؤ کھڑے کیوں ہو گئے؟'' حریری نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا اور خود بھی بڑے متمکن انداز میں بیڈ کے قریب کرسی پر بیٹھ گئی۔ میں بیڈ پر پیر لٹکا کر بیٹھ گیا اور اس کی طرف دیکھنے لگا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس سے کیسے بات کروں اور کیا بات کروں۔

''تم مجھے یہاں دیکھ کر حیران ہو رہے ہو؟'' حریری نے میرے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔

''ہاں۔ مجھے واقعی حیرت ہو رہی ہے بلکہ مجھے تو اب تک یقین نہیں آ رہا۔ تمہیں کیسے پتہ چلا کہ میں یہاں ہوں؟'' میں نے کہا۔

''پتہ کیسے نہ ہوتا' میں نے ہی تو تمہیں یہاں کا ایڈریس بتایا تھا۔'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''کیا؟'' میں اچھل پڑا۔ ''کل رات وہ ٹیلی فون کال۔''

''وہ فون میں نے ہی کیا تھا۔'' حریری نے میری بات کاٹ دی۔

''نرگس کے بارے میں اطلاع میں نے ہی دی تھی اور اس بنگلے کا پتہ بھی میں نے ہی بتایا تھا۔''

''لیکن وہ آواز۔'' میں الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔ اس انکشاف سے میرے اوپر حیرتوں کا پہاڑ ٹوٹ پڑا تھا۔

''وہ آواز بھی میری ہی تھی۔'' حریری نے انکشاف کیا۔ ''آواز بدلنے کی کوشش کے ساتھ میں نے فون کے ماؤتھ پیس پر رومال رکھ دیا تھا۔ اس طرح تم میری آواز نہ پہچان سکے۔'' وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بولی۔ ''تم اپنے مشن میں کامیاب تو ہو گئے لیکن مجھے افسوس ہے کہ تمہاری دوست کی زندگی اس کا ساتھ نہ دے سکی۔ اسے بچانے کی کوشش تو کی گئی تھی لیکن۔''

حریری نے جان بوجھ کر جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔ نرگس کے ذکر سے مجھ پر ایک دم اداسی طاری ہو گئی۔ حریری نے میرے چہرے کے تاثرات سے میری اندرونی کیفیت کو محسوس کر لیا تھا۔ اس نے بات بدل دی۔

اسی وقت دروازہ پوری طرح کھل گیا اور تابندہ کا چہرہ دکھائی دیا۔

''چائے تیار ہو چکی ہے۔ تم لوگ لاؤنج میں آ جاؤ۔'' اس نے باری باری ہم دونوں کے طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''چلو پہلے چائے پی لو پھر اطمینان سے باتیں ہوں گی۔'' حریری کہتے ہوئے کرسی سے اٹھ گئی۔

''تم چلو میں آ رہا ہوں۔'' میں بھی اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔

حریری کمرے سے باہر چلی گئی اور میں باتھ روم میں گھس گیا۔ میرے دماغ میں ابھی تک

سنسناہٹ ہو رہی تھی۔ میں نے بیسن میں سر جھکا کر نل کھول دیا۔ ٹھنڈے پانی سے مجھے کسی حد تک سکون ملا تھا۔

میں تقریباً دس منٹ بعد کمرے سے باہر آیا۔ لاؤنج میں سنٹر ٹیبل پر چائے اور ناشتہ لگا ہوا تھا۔ چکن پیٹریڈ اور پنیر کے سینڈوچ تھے۔

تابندہ اور حریری آمنے سامنے صوفوں پر بیٹھی ہوئی تھیں۔ حریری نے ایک پیر دوسری ٹانگ پر رکھا ہوا تھا۔ مجھے دیکھ کر اس نے پیر نیچے کر لیا۔ میں اس کے سامنے حریری کے قریب صوفے پر بیٹھ گیا۔

''تم کچھ کھائے بغیر سو گئے تھے اور میں نے تمہیں جگانا مناسب نہیں سمجھا تھا بلکہ میں خود بھی سو گئی تھی۔'' تابندہ نے کہا۔ ''کھانا تو ابھی دیر میں بنے گا اس لئے میں نے سینڈوچ بنا لئے ہیں۔ شروع ہو جاؤ۔ تمہیں بھی بھوک لگ رہی ہو گی۔''

میں نے سینڈوچ والی پلیٹ کی طرف ہاتھ بڑھا دیا۔ اس وقت حریری کا ہاتھ بھی آگے بڑھا تھا اور ہم نے بیک وقت ایک ایک سینڈوچ اٹھا لیا۔ حریری نے مسکراتی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھا۔

''یہ معمہ اب تک میری سمجھ میں نہیں آ سکا۔'' میں نے سینڈوچ کا ایک بائیٹ لے کر چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے کہا۔ ''تمہیں نرگس کے بارے میں کیسے پتہ چلا اور تابندہ سے تمہارا کیا تعلق ہے؟''

''تابندہ سے میری پرانی دوستی ہے اور رنگا اس کے بارے میں نہیں جانتا۔'' حریری نے جواب دیا۔ ''اور نرگس کے بارے میں مجھے ٹیڈی نے بتایا تھا۔''

''ٹیڈی نے۔'' میں نے کہا۔ ''یہ اطلاع میرے لئے بڑی حیرت انگیز ہے کہ رنگا کے گروہ میں پھوٹ پڑ گئی ہے اور ٹیڈی اور رنگا ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو رہے ہیں۔ یہ سب کچھ کیسے ہوا؟''

''تمہاری اطلاع درست ہے۔'' حریری نے جواب دیا۔ ''میں بہت عرصہ سے محسوس کر رہی تھی کہ ان دونوں میں کلیش ہونے والا ہے۔ رنگا جیسے کم ظرف آدمی کے ساتھ کسی شریف آدمی کا نبھاہ بہت مشکل ہے۔ مجھے حیرت ہے یہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ اتنا عرصہ کیسے رہ گئے۔''

حریری کی زبان سے رنگا کیلئے کم ظرف کا لفظ سن کر میرا دماغ سنسنا اٹھا۔ میں نے اسے جس انداز میں رنگا کے ساتھ رہتے دیکھا تھا اس کے پیش نظر تو ایسی کوئی بات سوچی بھی نہیں جا سکتی تھی۔

''ان میں بعض معاملات پر اختلافات تو بہت عرصے سے چلے آ رہے تھے لیکن تمہارا معاملہ بھس میں چنگاری بن گیا اور آگ ایک دم بھڑک اٹھی۔'' حریری نے کہا۔

''میرا معاملہ؟'' میں نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

''ہاں۔ لمبا قصہ ہے۔ تفصیل بعد میں بتاؤں گی۔ بہرحال' تمہاری ایک امانت ہے میرے پاس۔ اس وقت تو میں وہ امانت تمہارے حوالے کرنا چاہتی ہوں۔'' حریری نے کہتے ہوئے تابندہ کو اشارہ کیا اور وہ اٹھ کر ایک کمرے میں چلی گئی۔

''میری امانت؟'' مجھ پر واقعی حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ رہے تھے۔ مجھے یاد نہیں آ رہا تھا کہ میں نے حریری کو کبھی کوئی چیز دی تھی۔ چیز دینے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا میری اس سے صرف ایک ملاقات ہوئی تھی۔ وہی رات جب میں پہلی مرتبہ رنگا سے ملاقات کیلئے اس کے اڈے پر گیا تھا اور گفتگو کے

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

دوران کسی پولیس آفیسر کے آ جانے سے رنگا نے مجھے دوسری طرف بھیج دیا تھا جہاں حریری موجود تھی۔ میں تو اس کے حسن سے اس قدر مرعوب ہو گیا تھا کہ ڈھنگ سے کوئی بات بھی نہیں کر سکا تھا۔ کوئی امانت اس کے سپرد کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

تابندہ واپس آ رہی تھی۔ اس کے ہاتھ میں نیلے رنگ کا ریگزین کا ایک بیگ تھا۔ اس قسم کے بیگ عام طور پر سکول کے بچے استعمال کرتے ہیں۔ قریب آ کر تابندہ نے وہ بیگ میرے حوالے کر دیا۔

''بیگ کھول کر چیک کر لو۔ تمہاری امانت میں کسی قسم کی کوئی خیانت تو نہیں ہوئی۔'' حریری نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

حریری یہ بات نہ بھی کہتی تو میں بیگ کھول کر ضرور دیکھتا کہ کیا چیز ہے جسے حریری میری امانت کہہ کر میرے حوالے کر رہی ہے۔

میں نے بیگ کی زپ کھول دی اور اس کے اندر کپڑے کا وہ میلا سا تھیلا دیکھ کر میں اچھل پڑا اور پھر وہ تھیلا میز پر پلٹنے میں بھی میں نے دیر نہیں لگائی تھی۔

وہ تمام زیورات میرے سامنے تھے جو میں ہندوستان سے لایا تھا اور جنہیں میں سنبھال کر رکھ رہا تھا۔ یہی زیورات میرے اور رضیہ کے بیچ اختلاف کا باعث بنے تھے اور یہ اختلاف اس حد تک بڑھا تھا کہ ہم ایک دوسرے کی جان کے دشمن ہو گئے تھے۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ نرگس کی زندگی بھی چمکتے ہوئے انہی زیورات کی بھینٹ چڑھ گئی تھی اور چند روز پہلے نرگس کے اغوا کے بعد دس کلو ہیروئن اور زیورات کا یہ تھیلا میں نے رنگا کو دے دیا تھا۔

''یہ۔ یہ تھیلا تمہارے پاس کیسے آیا یہ تو میں نے؟''

رنگا کو دیا تھا۔'' حریری نے میرا جملہ مکمل کر دیا۔ ''اور تمہارے یہ زیورات ہی رنگا اور ٹیڈی میں فساد اور ہنگامے کا باعث بنے ہیں۔''

''اوہ۔'' میرے منہ سے نکلا۔ ''شاید ٹیڈی ان پر قبضہ کرنا چاہتا چاہتا ہو گا اس کی نیت میں فتور آ گیا ہو گا۔''

''فتور ٹیڈی کی نہیں رنگا کی نیت میں آیا تھا۔ وہ ان پر قبضہ کرنا چاہتا تھا اور ٹیڈی کو یہ بات پسند نہیں آئی تھی۔'' حریری نے کہا۔

''میرا دماغ الجھتا جا رہا ہے اور کوئی بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی۔'' میں نے کہا۔

''اس وقت میرا ذہن بھی الجھا ہوا ہے اور میں کچھ آرام کرنا چاہتی ہوں۔'' حریری نے کہا۔

''رات کے کھانے کے بعد بات ہو گی۔ میں اب یہیں رہوں گی۔''

حریری اٹھ کر اوپر جانے والے زینے کی طرف چلی گئی۔ مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی تھی کہ وہ اب یہیں رہے گی۔ اس بنگلے میں' میری نظروں کے سامنے۔ وہ زینے پر یوں چڑھ رہی تھی جیسے ہوا میں تیرتی ہوئی جا رہی ہو۔ میں اسے اس وقت تک دیکھتا رہا جب تک وہ اوپر بالکونی میں جا کر نگاہوں سے اوجھل نہیں ہو گئی۔

تابندہ بھی برتن اٹھا کر کچن میں چلی گئی اور اپنے کام میں مصروف ہو گئی۔ ملازمہ نہ ہونے کی وجہ سے سارے کام خود ہی کرنے پڑتے تھے۔ اس بنگلے پر کوئی چوکیدار بھی نہیں تھا اور مجھے حیرت تھی کہ وہ اتنے بڑے بنگلے میں اکیلی رہتی تھی۔ اسے ڈر بھی نہیں لگتا تھا۔

میں اب تک ایک ہی کمرے تک محدود رہا تھا۔ اب موقع ملا تو اٹھ کر ٹہلنے لگا۔ اس وقت تابندہ بھی کچن سے نکل آئی۔

''گھوم پھر لو۔'' اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''میں نے لان بھی بہت اچھا مین ٹین کر رکھا ہے۔ تمہارے گھومنے پھرنے پر تو کوئی پابندی نہیں البتہ گیٹ سے باہر جانا خود تمہارے مفاد میں نہیں ہو گا۔''

''تم نے کوئی چوکیدار بھی نہیں رکھا ہوا۔ کیا تمہیں اکیلے رہتے ہوئے ڈر نہیں لگتا؟'' میں نے پوچھا۔

''اتفاق کی بات یہ ہے کہ ان دنوں چوکیدار بھی چھٹی پر گیا ہوا ہے۔ وہ بھی دو چار دن میں آ جائے گا۔'' تابندہ نے جواب دیا۔

''آؤ میں تمہیں گھر دکھاؤں۔''

وہ مجھے گھوم پھر کر گھر دکھانے لگی۔ میں گھر سے زیادہ اسے دیکھ رہا تھا۔ خوب اونچی لمبی اور گوری چٹی تھی۔ اس کے چہرے کے نقوش بھی مجھے قدرے مختلف لگے تھے۔ وہ اگرچہ بہت صاف اردو بول رہی تھی لیکن بعض الفاظ ایسے تھے جو وہ ٹھیک سے نہیں بول سکتی تھی۔ وہ ڑ اور ٹ نہیں بول سکتی تھی۔ ان حروف کو ر اور ت کی طرح استعمال کرتی تھی۔ کچھ اور حروف بھی اس کی زبان سے ٹھیک طرح ادا نہیں ہوتے تھے۔ اس سے مجھے شبہ ہو رہا تھا کہ اس کی مادری زبان اردو نہیں ہے۔

وہ مجھے گھوم پھر کر اس بنگلے کے بارے میں بتاتی رہی۔ یہ بنگلہ اس کے شوہر نے خریدا تھا اور اس میں کچھ تبدیلیاں کرنے کے علاوہ اوپر کی منزل بھی بعد میں تعمیر کرائی گئی تھی۔ نیچے لاؤنج اور ڈرائنگ روم کے علاوہ چار بیڈ رومز تھے جبکہ اوپر ایک وسیع ہال اور دو بیڈ رومز تھے۔ اوپر زیادہ جگہ کھلی چھوڑی گئی تھی۔ اوپر دونوں بیڈ رومز کے دروازے کھلے ہوئے تھے۔ ایک بیڈ روم میں حریری بستر پر سو رہی تھی۔ ہم خاموشی سے اس کمرے کے سامنے سے گزر گئے۔

''تم اردو بہت اچھی بول لیتی ہو لیکن میرے خیال میں تمہاری مادری زبان اردو نہیں ہے۔'' میں نے اس سے یہ سوال اوپر سے واپسی پر سیڑھیاں اترتے ہوئے کیا تھا۔

''تم نے ٹھیک پہچانا۔'' وہ میری طرف دیکھتے ہوئے مسکرائی۔ ''میں ایرانی ہوں لیکن میں نے گریجویشن کی ڈگری یہیں سے لی تھی۔ کراچی یونیورسٹی سے۔''

میں میٹرک سے اوپر نہیں جا سکا تھا۔ اس لئے بی اے یا ایم اے کی ڈگریوں کے بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا۔ البتہ صرف میٹرک ہونے کے باوجود میری اردو بہت اچھی تھی اور میں انگریزی بھی روانی سے بول لیتا تھا۔ انگریزی تو میں نے ہندوستان میں سیکھی تھی۔

تابندہ کے بارے میں میرا اندازہ بالکل درست نکلا تھا۔ اس کی مادری زبان اردو نہیں تھی اور وہ پاکستانی بھی نہیں تھی۔

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

''آؤ میں تمہیں اپنا لان دکھاؤں۔'' اس نے کہا۔

ہم دونوں باہر آ گئے۔ برآمدے کی تین سیڑھیاں اترتے ہوئے اس نے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ مجھے یوں لگا جیسے میرے اندر کرنٹ سا دوڑ گیا ہو۔ میں نے اس کی طرف دیکھا تو اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔ لان میں آنے تک اس نے میرا ہاتھ نہیں چھوڑا تھا۔ لش گرین لان کے اطراف میں مختلف اقسام کے پھولوں کے پودے لگے ہوئے تھے۔ لان کے عین وسط میں دائرے کی صورت میں گلاب کے پودے لگے ہوئے تھے۔ وہ کافی دیر تک مجھے پودوں کے بارے میں بتاتی رہی۔ پھر ہم بانس کی کھپچیوں سے بنی ہوئی کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ تابندہ مجھے اپنے بارے میں بتانے لگی۔

تابندہ کے کہنے کے مطابق وہ تہران کی رہنے والی تھی۔ اس کا تعلق ایک معزز گھرانے سے تھا۔ ایران کے شاہی خاندان سے بھی کچھ قریبی تعلقات تھے۔ اس کا باپ بہت بڑا بزنس مین تھا۔ تخت جمشید میں ان کی کوٹھی کا لان کئی ایکڑ رقبے پر پھیلا ہوا تھا۔

مذہبی انقلاب نے ایران کی سرزمین کو تہہ و بالا کر دیا۔ شاہ ملک سے فرار ہو گیا۔ شاہی خاندان اور ان سے تعلق رکھنے والے افراد مذہبی رہنماؤں کے عتاب کا شکار ہونے لگے۔ ہر دولتمند کے بارے میں یہ فرض کر لیا گیا کہ اس نے یہ دولت ناجائز ذرائع سے جمع کی ہے۔

انقلاب کا ابتدائی دور بہت ہی خوفناک تھا۔ پاسداران پورے ایران میں دہشت کی علامت بن گئے تھے۔ ہر دولت مند شخص ان سے خائف تھا۔ لوگ اپنی جان بچانے کیلئے ملک سے فرار ہو رہے تھے۔

''پاسداران میں زیادہ غنڈے اور بدمعاش شامل تھے اور انہوں نے ہر طرف لوٹ مار مچا رکھی تھی۔'' تابندہ کہہ رہی تھی۔ ''ایک گروہ نے ہمارے محلے پر بھی حملہ کیا تھا لیکن میرے باپ کے پاس سب مشین گن تھی۔ انہوں نے ایک دو ہوائی برسٹ مارے تو حملہ آور بھاگ گئے لیکن یہ طے ہو گیا تھا کہ اب ہم وہاں نہیں رہ سکتے۔'' وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگی۔ ہم اس رات تہران سے بھاگ نکلے۔ ہمارے گھر میں کروڑوں کا سامان تھا جو اسی طرح چھوڑ دیا گیا۔ میرے باپ صرف زیورات' کچھ ہیرے اور کچھ نقدی اپنے ساتھ لا سکے تھے۔ ایران سے فرار ہونے والے لوگ عام طور پر ترکی کا رخ کر رہے تھے۔ بعض لوگوں کو یہ نیا کاروبار مل گیا تھا۔ وہ بھاری معاوضہ لے کر سرحد پار کروا دیتے لیکن بہت کم ایسے خوش قسمت تھے جو سرحد پار کرنے میں کامیاب ہو پاتے۔ ان کے رہنما ہی انہیں راستے میں لوٹ کر قتل کر دیتے۔

''میرے باپ نے بھی دو ایسے آدمیوں کی خدمات حاصل کی تھیں جو اپنے آپ کو پاسداران کا عہدیدار بتاتے تھے۔ میرے بابا نے انہیں بھاری معاوضہ ادا کیا تھا اور انہوں نے وعدہ کیا تھا کہ ہمیں بندر عباس کی طرف سے سمندر کے راستے بحفاظت ملک سے نکال دیں گے۔

''کرمان تک تو وہ ہمیں خیریت سے لے آئے لیکن پھر ان کی نیت بدل گئی اور شاید انہوں نے پہلے ہی سے ایسا کوئی منصوبہ بنا رکھا تھا۔ کرمانی سے تقریباً چند میل آگے ایک قصبے میں کچھ دیر رکنے کے بعد انہوں نے ایک ویرانے میں پڑاؤ ڈال دیا کہ رات یہاں گزار کر آگے روانہ ہوں گے۔

''یہ آج سے پندرہ سولہ سال پہلے کی بات ہے۔ تم اندازہ لگا سکتے ہو کہ اس وقت میں کیسی ہوں گی۔ تہران سے اس مقام تک سفر کے دوران وہ دونوں بار بار مجھے گھورتے رہے تھے اور اس رات جب انہوں نے ویرانے میں پڑاؤ ڈالا تو میرے ماں باپ کو شبہ ہو گیا کہ آج رات کچھ ہونے والا ہے اور پھر وہی ہوا جس کا اندیشہ تھا۔'' وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگی۔

''رات کے آخری پہر ان دونوں نے اچانک ہی مجھے دبوچ لیا۔ ایک آدمی نے خنجر میرے گلے پر رکھ دیا۔ انہیں معلوم تھا کہ میرے بابا کے پاس پستول ہے۔ انہوں نے مجھے قتل کرنے کی دھمکی دے کر بابا سے پستول چھین لیا۔ بابا ان کی منت سماجت کرتے رہے کہ ہمارے پاس جو کچھ بھی ہے لے لیں اور مجھے چھوڑ دیں لیکن وہ انسان نہیں شیطان تھے۔ انہوں نے میرے کپڑے پھاڑ دیئے۔ میری ماں سے وہ بیگ بھی چھین لیا جس میں ہیرے جواہرات اور نقدی تھی۔ وہ مجھے گھسیٹتے ہوئے پہاڑیوں کی طرف لے جا رہے تھے کہ میری ماں نے اپنے لباس میں چھپا ہوا پستول نکال کر گولی چلا دی۔ پہلی گولی اس شخص کی کھوپڑی میں لگی جس نے مجھے گرفت میں لے رکھا تھا۔ میرے بابا میری طرف لپکے۔ اس دوران دوسرے وحشی نے بابا سے چھینے ہوئے پستول سے گولی چلا دی جو میرے بابا کے سینے میں لگی۔ میری ماں اس شخص کو نشانے پر لے کر پے در پے ٹریگر دباتی چلی گئی۔ وہ شخص چھلنی ہو کر گر پڑا۔

''ہم دونوں باپ کی طرف دوڑے۔ گولی بابا کے سینے میں ٹھیک دل کے مقام پر لگی تھی۔ وہ چند منٹ سے زیادہ زندہ نہیں رہ سکے۔ ہم بے سروسامانی کی حالت میں تھے۔ بابا کو کفن تو کیا دیتے ہم تو ان کیلئے قبر بھی نہیں کھود سکے تھے۔ بابا کی لاش ہم نے پتھروں سے ڈھک دی اور دو دن تک بھوکے پیاسے پہاڑوں میں بھٹکتے ہوئے بام نامی قصبے میں پہنچ گئے۔

''اس قصبے میں بھی انقلاب کے اثرات نمایاں تھے لیکن خوش قسمتی سے ہمیں عطار نامی ایک شخص کے ہاں پناہ مل گئی۔

''عطار ایک شریف آدمی تھا۔ اس نے ہمیں تقریباً تین مہینوں تک اپنے پاس رکھا۔ پورے ایران میں قتل و غارت اب بھی جاری تھی۔ شاہ پسندوں اور دولت مندوں کو اب بھی ڈھونڈ ڈھونڈ کر قتل کیا جا رہا تھا۔ بام نامی اس قصبے کے حالات بھی بگڑتے جا رہے تھے۔ یہاں بھی پاسداران نے دہشت پھیلا رکھی تھی اور قتل و غارت کا بازار گرم کر رکھا تھا۔

''عطار کیلئے بھی مشکلیں پیدا ہو رہی تھیں اور پھر ایک رات وہ اپنے کنبے سمیت ہمیں بام سے نکال لایا۔ ہم نے بندر عباس میں اس کے ایک رشتے دار کے ہاں پناہ لی۔ بندر عباس ایک بڑا شہر تھا اور یہاں کے حالات بھی ملک کے دوسرے حصوں سے مختلف نہیں تھے۔ ہم تقریباً ایک مہینہ بندر عباس میں رہے اور پھر ایک رات ہمیں ایک لانچ پر سوار کرا دیا گیا۔ جس نے ہمیں جیوانی کے ساحل پر پہنچا دیا۔ ہم جیوانی سے گوادر اور پسنی ہوتے ہوئے کراچی آ گئے۔''

''تم جانتے ہو میری دوسرے ملک میں سیٹل ہونا کتنا مشکل ہوتا ہے۔ خاص طور سے ایک ایسی عورت کیلئے جس کے ساتھ ایک جوان اور حسین لڑکی بھی ہو لیکن میری ماں بڑی باہمت عورت تھی۔ کراچی میں آ کر بعض ایرانیوں نے بھی ہماری بڑی مدد کی اور ایران سے لائی ہوئی دولت بھی ہمارے بہت کام آئی۔

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

''سکون سے بیٹھنے کا موقع ملا تو میں نے کالج میں داخلہ لے لیا اور جب گریجوایشن کیا تو میری ماں کا انتقال ہو گیا اور میں اکیلی رہ گئی۔

''عطار سے ہمارا رابطہ نہیں ٹوٹا تھا۔ وہ لوگ بھی بندر عباس میں سیٹل ہو گئے تھے اور ہمارے درمیان خط و کتابت جاری رہی تھی۔ میری والدہ کے انتقال کی خبر پا کر وہ تعزیت کیلئے کراچی آیا تھا۔ اس کے ساتھ اس کی بیٹی بھی تھی۔ جب ہم بندر عباس سے رخصت ہوئے تھے تو حریری پانچ چھ سال کی تھی اور جب کراچی میں دیکھا تو وہ بہت بڑی ہو چکی تھی۔

''حریری۔'' میں نے حیرت سے اس کی طرف سے دیکھا۔

''ہاں یہ ہمارے محسن عطار کی بیٹی ہے۔'' تابندہ نے مسکراتے ہوئے کہا اور پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولی۔ ''میں نے ایم اے کر لیا میں اکیلی تھی میرے پاس روپے پیسے کی بھی کمی نہیں تھی۔ یہاں بے شمار ایرانی آباد ہیں۔ بہت سے نوجوان مجھ سے شادی کے خواہشمند تھے۔ لیکن میں ہر ایک کو انکار کرتی رہی اور پھر میں ان لوگوں سے دور ہٹتی رہی۔ اس دوران میری ملاقات عدنان سے ہو گئی۔ وہ لکھنؤ کا رہنے والا تھا۔ اس کا امپورٹ ایکسپورٹ کا بزنس تھا۔ ہم دونوں نے ایک دوسرے کو پسند کر لیا اور شادی کر لی لیکن ہم صرف تین سال تک ایک دوسرے کے ساتھ رہ سکے تھے۔ وہ یورپ میں ایک ہوائی حادثے میں جاں بحق ہو گیا۔

''عدنان کے انتقال کے تین مہینے بعد ایک بار پھر حریری سے ملاقات ہوئی۔ وہ جوان ہو کر پہلے سے زیادہ حسین ہو گئی تھی اور پھر بندر عباس اور کراچی کے درمیان اس کی آمد و رفت جاری رہی۔ وہ جب بھی آتی مجھ سے ضرور ملتی۔ اس نے اپنے کسی اور جاننے والے کو میرے بارے میں کبھی نہیں بتایا تھا۔

''تین مہینے پہلے میں حریری کو رنگا کے ساتھ دیکھ کر حیران رہ گئی تھی۔ کہاں حریری اور کہاں رنگا۔ تم خود دیکھ سکتے ہو کہ ان میں کیا فرق ہے۔ حریری رنگا سے چوری چھپے بھی کبھار مجھ سے مل لیتی تھی۔ اس نے رنگا کو میرے بارے میں کبھی کچھ نہیں بتایا۔ حریری نے ایک مرتبہ کہا تھا کہ وہ کسی مصلحت کی بنا پر رنگا کے ساتھ رہ رہی ہے پھر کل رات اس نے فون کر کے مجھے تمہارے بارے میں بتایا اور اب وہ خود بھی رنگا کو چھوڑ کر یہاں آ گئی ہے۔ اچھا ہوا' وہ شیدی مجھے ایک آنکھ نہیں بھاتا تھا۔''

''رنگا کے بارے میں کچھ دلچسپ انکشافات ہو رہے ہیں' تم اس کے بارے میں کیا جانتی ہو؟'' میں نے پوچھا۔

''میں اس شہدے کے بارے میں زیادہ نہیں جانتی۔ حریری ہی تمہیں بتائے گی۔ لو وہ بھی آ گئی۔'' تابندہ نے کہتے ہوئے برآمدے کی طرف اشارہ کیا۔

میری پشت برآمدے کی طرف تھی میں نے مڑ کر دیکھا۔ حریری برآمدے سے اتر کر اس طرف آ رہی تھی۔ میں اس کی طرف دیکھتا رہا۔ وہ چل نہیں رہی تھی۔ ہوا میں تیر رہی تھی۔ بڑی سبک خرام تھی وہ۔ قریب آ کر اس نے مسکراتی ہوئی نگاہوں سے ہم دونوں کی طرف دیکھا۔

''ہیلو ایوری باڈی۔'' اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آ گئی۔

لان میں برقی قمقمے جل رہے تھے۔ ان کی روشنی میں حریری کا حسن اور بھی نکھر آیا تھا یا مجھے ایسا

لگ رہا تھا۔ اس کے بال بکھرے ہوئے اور آنکھوں میں بے پناہ خمار تھا۔ وہ بے تکلفی سے میرے ساتھ والی کرسی پر بیٹھ گئی۔

''تم لوگ بیٹھو' میں کچن میں جا رہی ہوں۔'' تابندہ اپنی کرسی سے اٹھتے ہوئے بولی۔ ''سالن تو دوپہر ہی کو تیار کر لیا تھا صرف روٹیاں پکانی ہیں۔''

''مجھے تو بھوک نہیں ہے اس وقت۔ اگر مجھے چائے بنا دو تو بڑی مہربانی ہو گی۔'' حریری نے کہا۔

''بھوک تو مجھے بھی نہیں ہے۔ سینڈوچ کھا کر ہی پیٹ بھر گیا تھا۔'' میں نے بھی تابندہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''اس کا مطلب ہے کہ کھانا کوئی نہیں کھائے گا۔ تو پھر میں چائے بنا کر لے آتی ہوں۔'' تابندہ نے کہا۔

''تم نے بڑے غلط وقت پر اپنی ملازمہ کو چھٹی دے دی۔ گھر کا سارا کام تمہیں خود ہی کرنا پڑ رہا ہے۔'' حریری نے کہا۔

''ملازمہ کے ہوتے ہوئے بھی میں بہت سے کام خود کرتی ہوں۔'' تابندہ کہتے ہوئے برآمدے کی طرف چلی گئی۔

''کیا باتیں ہو رہی تھیں؟'' تابندہ کے جانے کے بعد حریری نے میری طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''اپنے بارے میں بتا رہی تھی۔'' میں نے جواب دیا۔ ''پندرہ سولہ سال پہلے ایران سے فرار ہوتے وقت تمہارے پاپا نے پناہ دی تھی اور پھر وہاں سے فرار ہونے میں بھی مدد دی تھی۔ وہ بہت احسان مند ہے۔ تمہارے پاپا کی اور تمہیں بھی بہت چاہتی ہے۔''

''ہاں بڑی اچھی عورت ہے۔'' حریری نے مسکراتے ہوئے کہا۔

اس وقت رات کے ساڑھے نو بج رہے تھے۔ موسم بھی بڑا خوشگوار تھا۔ حریری گلاب کے پودوں کی طرف دیکھتے ہوئے بتا رہی تھی کہ ان میں سے بہت سے پودے اس نے تابندہ کو ایران سے لا کر دیئے تھے۔ تابندہ کو گلاب سے عشق ہے ان پودوں کی دیکھ بھال وہ خود کرتی ہے۔

تابندہ چائے بنا کر لے آئی۔ چائے کے دوران پودوں ہی کے بارے میں باتیں ہوتی رہیں اور پھر موضوعات بدلتے رہے۔ گلی میں گاڑیوں اور لوگوں کی آمد و رفت کی آوازیں سنائی دیتی رہیں اور پھر بتدریج خاموشی چھاتی چلی گئی اور پھر چوکیدار کی سیٹی کی آواز سنائی دی تو تابندہ اٹھ گئی۔

''میں تو سونے جا رہی ہوں۔ بہتر ہو گا کہ تم لوگ بھی اندر چلے جاؤ۔ بارہ بج چکے ہیں' یہ چوکیدار ٹھیک بارہ بجے آتا ہے۔'' اس نے میز پر سے چائے کے خالی کپ اٹھاتے ہوئے کہا۔

ہم بھی اسی کے ساتھ ہی اندر آ گئے۔ تابندہ تو کچن میں چلی گئی اور حریری میں' ابھی آئی کہتے ہوئے اوپر چلی گئی اور میں بھی اس کمرے میں آ گیا جہاں دوپہر کو سویا تھا۔ حریری کا دیا ہوا بیگ بھی میں نے اسی کمرے میں ڈریسنگ ٹیبل پر رکھ دیا تھا جو ابھی تک وہیں پڑا ہوا تھا۔

پندرہ منٹ بعد تابندہ نے دروازے وغیرہ بند کر دیئے اور پھر میرے کمرے میں جھانکتے ہوئے

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

بولی۔

''میں سونے جارہی ہوں تم چاہو تو یہیں سو جانا اور دل چاہے تو اوپر چلے جانا وہاں بھی ایک کمرہ خالی ہے۔''

وہ اپنے بیڈروم میں چلی گئی۔ اس کے تھوڑی ہی دیر بعد حریری کی آواز سنائی دی۔ وہ مجھے اوپر بلا رہی تھی۔ میں جب کمرے سے نکلا تو وہ اوپر والی بالکونی سے پیچھے ہٹ رہی تھی۔ مجھے صرف اس کی پشت دکھائی دی تھی۔

میں اوپر آ گیا اس وقت حریری اپنے کمرے میں جا چکی تھی اور جب میں کمرے میں داخل ہوا تو ٹھٹک کر دروازے میں رک گیا۔ حریری ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑی تھی۔ اس کی پشت میری طرف تھی لیکن آئینے میں اس کے سامنے کے رخ کا عکس دکھائی دے رہا تھا۔

مجھے سینے میں سانس رکتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ جب میں نے پہلی بار اسے رنگا کے دفتر والے کمرے میں دیکھا تھا' جہاں وہ قہوہ لے کر آئی تھی' تو اس نے قدیم طرز کا ایرانی لباس پہن رکھا تھا اور اس کے ایک گھنٹے بعد جب کسی پولیس آفیسر کی آمد پر رنگا نے مجھے فلیٹ کے دوسرے حصے میں بھیج دیا تھا تو حریری نے شب خوابی کا یہی لباس پہن رکھا تھا لیکن اس وقت اس لباس کے نیچے اس نے کچھ اور بھی پہنا ہوا تھا اور اب اس مہین سے شب خوابی کے لباس کے نیچے دو نہایت مختصر سیاہ رنگ کے انر ویئر نظر آ رہی تھے۔ سفید لباس میں اس کا پورا بدن کندن کی طرح دمکتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ میرے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی اور کنپٹیاں سلگنے لگیں۔

''آ جاؤ' رک کیوں گئے۔'' اس کی جلترنگ جیسی آواز میری سماعت سے ٹکرائی۔ وہ اب بھی ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے کے سامنے اسی طرح کھڑی تھی۔ میں آگے بڑھ کر کرسی پر ڈھیر ہو گیا۔ وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے سٹول پر بیٹھ گئی اور گھوم کر رخ میری طرف کر لیا۔ اسے اس طرح اپنے سامنے بیٹھے دیکھ کر میرے دماغ کی نسوں میں تناؤ پیدا ہونے لگا۔

''کیا بات ہے' کچھ بے چینی محسوس کر رہے ہو؟'' حریری نے کہا اس کے ہونٹوں پر بڑی قیامت خیز مسکراہٹ ابھر آئی تھی۔

''وہ دراصل میں سوچ رہا تھا کہ زیورات کا تھیلا تمہارے پاس کیسے پہنچا تھا اور رنگا اور ٹیڈی میں جھگڑا کس بات پر ہوا ہے۔ رنگا اچانک حب کیوں چلا گیا ہے۔ تم تو رنگا کے ساتھ رہ رہی تھیں۔ تم اس سے متنفر کیوں ہو گئی ہو؟'' میں نے پہلو بدلتے ہوئے بیک وقت کئی سوالات کر ڈالے لیکن میرے ذہن میں اب بھی سیکڑوں سوالات کلبلا رہے تھے۔

''رنگا بہت ہی گھٹیا آدمی ہے۔'' حریری نے کہا۔ ''ہو سکتا ہے اس نے تمہیں کوئی ایسی کہانی سنائی ہو جس سے تمہیں اس سے ہمدردی پیدا ہو گئی ہو لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ صرف تھرڈ کلاس غنڈہ ہے۔ اس میں وہ ساری صفات موجود ہیں جو ایک سڑک چھاپ غنڈے میں ہونی چاہئیں۔ اس نے چند آدمی اپنے گرد جمع کر لئے ہیں جن کی طاقت کے بل پر وہ اپنے علاقے کے ٹھیلے اور چھارے والوں سے بھتہ وصول کرتا ہے۔ وہ کسی اصول پر کاربند نہیں وہ صرف ایک بات جانتا ہے۔ جہاں سے پیسہ ملے حاصل کرو۔ ٹیڈی اور

حضوری اس کے بچپن کے دوست ہیں۔ انہوں نے رنگا کا بہت ساتھ دیا لیکن ٹیڈی کو اس کی بعض باتوں سے ہمیشہ اختلاف رہا۔ ٹیڈی اصول پرست ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ بدمعاشی اور غنڈہ گردی کے بھی کچھ اصول ہوتے ہیں۔ وہ رنگا کو بھی ہمیشہ یہی بات سمجھانے کی کوشش کرتا ہے اور اس اختلاف پر ان میں بعض اوقات چھوٹے چھوٹے جھگڑے بھی ہوتے ہیں اور دو دن پہلے تو تمہارے زیورات اور دس کلو ہیروئن کی وجہ سے ان میں پیدا ہونے والا اختلاف گروہ میں پھوٹ اور خونی تصادم کی صورت اختیار کر گیا۔

''رنگا یہ دونوں چیزیں ہضم کر لینا چاہتا تھا یعنی ہیروئن؟ بھی اور تمہارے زیورات بھی۔ ٹیڈی آڑے آ گیا۔ رنگا کا خیال تھا کہ تمہیں ٹھینگا دکھا دیا جائے اور اگر تم اکڑ دکھاؤ تو تمہارا کام تمام کر دیا جائے مگر ٹیڈی اس کا سخت مخالف تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ ناجی کی صورت میں ایک اچھا دوست ملا ہے۔ اس کے ساتھ دھوکا نہیں کرنا چاہئے مگر رنگا نہیں مانا اور تحریمی کی ایک اور مخالف پارٹی سے ہیروئن کی سودے بازی شروع کر دی۔''

''سودے بازی۔'' میں نے اسے ٹوک دیا۔ لیکن اسے تو ہیروئن اور ہیروئن فروشوں سے شدید نفرت ہے۔ اس نے تو کہا تھا کہ اس نے وہ ہیروئن ضائع کر دی ہے۔''

''جھوٹ بولتا ہے وہ۔'' حریری نے کہا۔ ''وہ کم از کم پندرہ کروڑ کا مال ہے۔ وہ اسے ضائع کرنے کی حماقت نہیں کر سکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس نے اپنی زندگی کی ابتداء ہی ہیروئن فروشی سے کی تھی۔ پہلے وہ اسی علاقے میں گھوم پھر کر پڑیاں بیچا کرتا تھا۔ پھر رفتہ رفتہ کچھ طاقت اختیار کر گیا اور اس نے کچھ اور لڑکے اپنے ساتھ ملا لئے۔ وہ خان نامی ایک ڈیلر سے ہیروئن خرید کر لاتا اس میں ملاوٹ کرتا۔ پڑیاں بناتا اور اس کے لڑکے علاقے میں گھوم پھر کر یہ پڑیاں فروخت کرتے۔ اس بزنس میں وہ کسی طرح تحریمی تک بھی پہنچ گیا۔

''تحریمی اس میدان کا پرانا کھلاڑی تھا۔ اس کے بین الاقوامی گروہوں سے تعلقات تھے۔ رنگا جیسے آدمی صرف دور سے اس کی جھلک دیکھ سکتے تھے۔ اس کے قریب ہونے کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے لیکن رنگا نے اس تک پہنچنے کا ایک سہارا ڈھونڈ لیا۔

''رنگا نے اپنی بہن کو آگے کر دیا۔ اس کی بہن بہت حسین لڑکی تھی جوانی بھی پھٹی پڑ رہی تھی۔ تحریمی انہی کے قبیلے کا آدمی تھا۔ ہیروئن کے بزنس میں آنے کے بعد اس کی شرافت ختم ہو چکی تھی۔ وہ بہت عیاش آدمی ہے۔ شنید ہے کہ اس کے قریب آنے والی کوئی عورت کبھی بچ کر نہیں گئی۔ اس نے رنگا کی بہن فاطمہ کو دیکھا تو اپنے حواس کھو بیٹھا۔ وہ ہر قیمت پر اسے حاصل کرنا چاہتا تھا۔

''فاطمہ بے حد معصوم لڑکی تھی۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ اس کا بھائی کیا سازش کر رہا ہے۔ رنگا اس معصوم لڑکی کو بڑی ہوشیاری سے استعمال کر رہا تھا۔ وہ اس کی جھلک دکھا کر تحریمی سے ادھار مال لیتا رہا۔

''وہ تحریمی کا بیس لاکھ کا مقروض ہو گیا۔ تحریمی کچھ زیادہ بے چین ہونے لگا۔ نہ تو فاطمہ اس کے شیشے میں آ رہی تھی اور نہ ہی اسے اپنی رقم مل رہی تھی۔ بیس لاکھ کی رقم اس کیلئے کوئی معنی نہیں رکھتی تھی۔ وہ اس سے دگنی رقم بھی دے سکتا تھا لیکن اس کے عوض کچھ چاہتا بھی تھا۔

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

''رنگا بھی اب صورتحال کی نزاکت کا اندازہ لگا چکا تھا۔ اس نے تحریمی سے نجات حاصل کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ اتفاق سے اس منصوبے پر عمل کرنے سے ایک روز پہلے فاطمہ تحریمی کے ہتھے چڑھ گئی۔ تب فاطمہ پر انکشاف ہوا کہ اس کا بھائی کس قدر گھناؤنے کردار کا مالک تھا۔ وہ اپنے آپ کو بچانے کیلئے تحریمی کی منت سماجت کرنے لگی لیکن تحریمی نے اسے معاف نہیں کیا اور اسے روند ڈالا۔

''فاطمہ گھر نہیں آئی۔ وہ برسات کے دن تھے۔ لیاری ندی طغیانی پر تھی۔ فاطمہ نے ندی میں چھلانگ لگا دی۔ وہ رات کو گھر نہیں پہنچی تو رنگا کو زیادہ پریشانی نہیں ہوئی وہ اکثر اپنی خالہ کے ہاں چلی جایا کرتی تھی۔ اگلے روز رنگا نے اپنے منصوبے کے مطابق تحریمی کو ٹھکانے لگانے کی کوشش کی لیکن تحریمی بچ گیا اور اس روز لیاری ندی کے کنارے پر جھاڑیوں میں الجھی ہوئی فاطمہ کی لاش بھی مل گئی اور تب رنگا کو احساس ہوا کہ وہ اپنا سب کچھ ہار چکا ہے اور اس طرح رنگا اور تحریمی میں دشمنی کی بنیاد پڑ گئی۔

''تحریمی اپنے بیس لاکھ سے دستبردار نہیں ہوا تھا۔ وہ اپنے کارندے کے ذریعے وقتاً فوقتاً اپنا مطالبہ دہراتا رہا۔ لیکن رنگا بیس لاکھ تو کیا بیس ہزار دینے کی پوزیشن میں بھی نہیں تھا۔ وہ اس سے بچنے کی کوشش میں تھا اور اس تاک میں رہا کہ تحریمی کو کسی طرح ختم کر دے۔ لیکن وہ کبھی اس کے قریب بھی نہیں پھٹک سکا۔ اس دوران اسے چند نڈر اور مخلص آدمی ملے تھے جو تحریمی کے خلاف اس کی مدد کر سکتے تھے لیکن رنگا بدنیت تھا۔ اس نے ہر ایک کے ساتھ دھوکا کیا اور پھر تم اس کے پاس آ گئے۔'' حریری نے خاموش ہو کر اس طرح پہلو بدلا کہ مجھے اپنی گردن پر چیونٹیاں رینگتی ہوئی محسوس ہونے لگیں۔ میں نے جان بوجھ کر نظریں پھیر لیں۔ وہ کہہ رہی تھی۔

''تحریمی سے ٹکر لینے کیلئے تم اس کی مدد کر سکتے تھے کیونکہ تم پہلے ہی سے اس کے سامنے ڈٹے ہوئے تھے۔ رنگا کا منصوبہ یہ تھا کہ خود تو پیچھے رہے لیکن تمہیں آگے رکھا جائے۔ اس دوران ایک دو چھوٹے چھوٹے واقعات بھی ہوئے اور ٹیڈی نے تمہاری مدد کی لیکن جب تم نے اسے دس کلو ہیروئن کے بارے میں بتایا تو وہ اچھل پڑا اور پھر اتفاق یہ ہوا کہ تحریمی کے آدمی نرگس کو اٹھا کر لے گئے اور تم نے دس کلو ہیروئن اور اپنے زیورات رنگا کی تحویل میں دے دیئے۔ رنگا کی نیت بدل گئی۔ وہ یہ دونوں چیزیں ہضم کرنا چاہتا تھا اور اسے تم سے بھی کوئی دلچسپی نہیں رہی تھی۔ تم جب بھی فون کرتے وہ تمہیں ٹال دیتا۔ وہ فون پہلے میرے ہی پاس تھا پھر اس نے وہ فون بھی وہاں سے ہٹا دیا۔

''ٹیڈی کو جب پتہ چلا تو وہ ہتھے سے اکھڑ گیا۔ ٹیڈی مجھ سے بھی کچھ بے تکلف تھا۔ اس نے مجھے کہا کہ میں رنگا کو سمجھاؤں لیکن میں رنگا سے ایسی کوئی بات نہیں کر سکتی تھی۔ رنگا تمہیں نرگس کی تلاش کے معاملے میں بھی ٹال رہا تھا۔ مجھے تم سے ہمدردی تھی۔ میرے کہنے پر ٹیڈی نے اپنے ایک آدمی کے ذریعے نرگس کا سراغ لگا کر مجھے بتا دیا اور میں نے تمہیں اطلاع کر دی۔ اس دوران ٹیڈی اور رنگا میں اختلاف بڑھ کر ہاتھا پائی تک پہنچ گیا۔ اس رات ان میں اچھی خاصی مار کٹائی ہوئی۔ گروہ کے آدمی بٹ گئے۔ کچھ رنگا کے ساتھ اور کچھ ٹیڈی کے ساتھ مل گئے اور ان میں باقاعدہ تصادم شروع ہو گیا جس میں رنگا کے دو آدمی مارے گئے اور رنگا اپنی جان بچانے کیلئے روپوش ہو گیا۔''

''تو کیا وہ حسب نہیں گیا؟'' میں نے پوچھا۔

''حسب جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ وہ زخمی ہے اور شہر ہی میں کہیں چھپا ہوا ہے۔ بہرحال۔'' وہ ایک لمحہ کو خاموش ہوئی پھر کہنے لگی۔ دس کلو ہیروئن کا تو پتہ نہیں اس نے کہاں چھپائی تھی لیکن زیورات والا تھیلا میرے پاس رکھوا دیا تھا۔

''ادھر ان دونوں میں تصادم جاری تھا ادھر مجھے تمہاری اور نرگس کی فکر تھی اور پھر صبح تابندہ نے مجھے فون پر اطلاع دی کہ تم رات کو کس حالت میں یہاں پہنچے تھے۔ نرگس کو بچانے کی بھرپور کوشش کی گئی تھی لیکن اس کی زندگی پوری ہو چکی تھی۔ میری ہدایت پر ٹیڈی کے آدمی ڈیڈ باڈی لے گئے تھے اور سہ پہر کے وقت میوہ شاہ کے قبرستان میں اس کی تدفین کر دی گئی تھی۔''

نرگس کے ذکر پر میرے دل پر ایک گھونسہ سا لگا۔ اس نے میری خاطر اپنا سب کچھ چھوڑ دیا۔ جان دے دی اور میں اس کے جنازے کو کندھا بھی نہ دے سکا تھا۔

''میں فوری طور پر وہاں سے نکلنا چاہتی تھی لیکن چند مجبوریاں آڑے آ رہی تھیں۔ اور پھر موقع ملتے ہی میں شام پانچ بجے کے قریب وہاں سے نکل آئی۔ تم اس وقت سو رہے تھے اور میں نے تمہیں جگانا مناسب نہیں سمجھا تھا۔''

''ڈیڈ باڈی لینے کیلئے ٹیڈی کے آدمی آئے تھے۔ کیا وہ یہاں کا راز فاش نہیں کر دیں گے؟'' میں نے اس کے خاموش ہونے پر کہا۔

''ٹیڈی میرے لئے قابل اعتماد آدمی ہے اور وہ اپنے آدمیوں پر بھروسہ کرتا ہے جو رنگا کو چھوڑ کر اس کے ساتھ ملے ہیں۔'' حریری نے جواب دیا ''اور پھر ان لوگوں کو یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ ڈیڈ باڈی کس عورت کی تھی۔ تمہیں بھی فی الحال ان کے سامنے نہیں آنے دیا گیا تھا۔ تمہیں اس سلسلے میں پریشان ہونے کی بالکل ضرورت نہیں۔ یہ جگہ ہمارے لئے بالکل محفوظ ہے۔''

''اس کا مطلب ہے اب تم بھی مستقل یہیں رہو گی۔'' یہ سوال کرتے ہوئے میرے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی تھی۔

''ہاں۔'' اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ ''تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں ہوگا۔''

''مم مجھے کیوں اعتراض ہونے لگا۔'' میں ہکلا گیا۔ حالانکہ اس کے جواب پر میرا دل بلیوں اچھلنے لگا تھا۔ اب وہ میرے سامنے رہے گی۔ پہلی مرتبہ اسے دیکھا تھا تو دل میں بے اختیار اس کے قرب کی خواہش مچلی تھی لیکن رنگا کے اعتماد نے مجھے آگے سوچنے سے روک دیا تھا مگر اب صورتحال بدل گئی تھی۔ نہ صرف رنگا کی اصلیت سامنے آ گئی تھی بلکہ حریری بھی اسے چھوڑ آئی تھی اور اب یہ قدرت کا حسین ترین شاہکار اس کی ملکیت نہیں رہا تھا۔ ملکیت کا لفظ میں نے اس لئے استعمال کیا ہے کہ جرائم پیشہ گروہوں میں عورت جس کے پاس ہو اسے اسی کی ملکیت سمجھا جاتا ہے اور یہ ملکیت اکثر بدلتی رہتی ہے۔

میری نظریں غیر ارادی طور پر دیوار پر لگی ہوئی گھڑی کی طرف اٹھ گئیں۔ اڑھائی بج چکے تھے۔ حریری سٹول پر بیٹھی بار بار پہلو بدل رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں سرخی بھی تیرنے لگی تھی۔ شاید اسے نیند آ رہی ہو۔ مجھے اندیشہ تھا کہ وہ مجھے جانے کو نہ کہہ دے جبکہ میرا دل چاہتا تھا کہ میں ساری رات اسی طرح بیٹھا اسے دیکھتا رہوں اور یہاں بیٹھے رہنے کیلئے باتوں کا سلسلہ جاری رہنا ضروری تھا۔ میں بہت سی باتیں

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

اس سے پوچھ چکا تھا مجھے اپنے تقریباً تمام ہی سوالات کا جواب مل گیا تھا اور ظاہر ہے یہاں بیٹھے رہنے کیلئے میں موسم یا سیاست پر گفتگو شروع نہیں کر سکتا تھا۔ دفعتاً میرے ذہن میں ایک اور سوال ابھرا اور میں نے وہ سوال کرنے میں زیادہ دیر نہیں لگائی۔

''تم نے ابھی تک یہ نہیں بتایا کہ رنگا سے تمہاری ملاقات کیسے ہوئی تھی اور اسے پسند نہ کرنے کے باوجود تم کب سے اس کے ساتھ رہ رہی ہو؟''

''رنگا سے ملاقات۔'' اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔ ''مجھے یقین تھا تم یہ سوال ضرور کرو گے اور شاید ساری باتیں آج ہی جان لینا چاہتے ہو۔'' وہ سٹول سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ ایک بار آئینے میں اپنا جائزہ لیا اور بیڈ کی پشت سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔ میرے دل کی دھڑکن ایک بار پھر تیز ہونے لگی۔ حریری نے پلنگ کے پائینتی کی طرف پڑی ہوئی چادر اٹھا کر ٹانگوں پر پھیلا لی۔

''کیا تم سمجھتے ہو میں بہت شریف اور پارسا عورت ہوں؟ اور کیا کوئی شریف عورت رنگا جیسے آدمی کے ساتھ رہ سکتی ہے؟''

حریری کی اس بات پر میرے دل پر گھونسہ سا لگا۔ دماغ کے تار ہل کر رہ گئے۔ میرے جذبات کو شدید ٹھیس پہنچی تھی۔ میں نے جواب دینے کے بجائے نظریں جھکا لیں اور جب دوبارہ اس کی طرف دیکھا تو وہ میرے چہرے پر نظریں جمائے ہوئے تھی۔

''تمہیں شاید میری بات بری لگی؟'' وہ مدھم لہجے میں بولی۔

میں نے اس مرتبہ بھی کوئی جواب نہیں دیا۔

''شاید تم میرے بارے میں ایسی کوئی بات سوچنا بھی نہیں چاہتے۔'' اس نے میرے چہرے سے نظریں ہٹائے بغیر کہا۔ ''لیکن میں تمہیں کسی فریب میں مبتلا نہیں رکھنا چاہتی۔ تم نے میرے بارے میں نجانے کیا کیا سوچ رکھا ہوگا۔ کیسے کیسے خیالات کو اپنے ذہن میں جگہ دی ہو۔ میں جانتی ہوں ان چند دنوں کے درمیان تم نے میرے بارے میں بڑے حسین سپنے دیکھے ہوں گے۔ میرے مقابلے میں ہر چیز کو ہیچ سمجھا ہوگا۔ میرے تصوراتی بت تراشے ہوں گے اور اس کی پوجا کرنے کا خیال بھی ذہن میں آیا ہوگا۔ تم نے مجھے بہت ارفع و اعلیٰ سمجھا ہوگا۔ میں ٹھیک کہہ رہی ہوں نا۔ کچھ غلط تو نہیں کہا؟'' اس کی نظریں بدستور میرے چہرے پر مرکوز تھیں۔ میں گنگ سا بیٹھا اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ میری قوت گویائی جیسے سلب ہو کر رہ گئی تھی۔ میں نے اس کے بارے میں جو کچھ سوچا تھا وہ اس کی زبان پر آ گیا تھا۔ اس نے میرے دل کی ایک ایک بات اپنی زبان سے کہہ دی تھی اور میں انکار نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

☆ ... ☆ ... ☆

''میں تمہارے جذبات کو ٹھیس نہیں پہنچانا چاہتی۔'' وہ کہہ رہی تھی۔ ''اس لئے میں اپنے بارے میں فی الحال ایسی کوئی بات نہیں کہوں گی جس سے تمہارے جذبات مجروح ہوں۔ بہرحال میں تمہیں یہ ضرور بتاؤں گی کہ رنگا سے میری ملاقات کیسے ہوئی تھی اور میں اس کے ساتھ کب سے رہ رہی ہوں۔'' وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگی۔

''تابندہ میرے بارے میں جو کچھ بتا چکی ہے وہ غلط نہیں ہے۔ اپنے آبائی قصبے بوم سے نکلنے کے بعد ہمیں بندرعباس میں سیٹل ہونے میں خاصا وقت لگا تھا۔ بابا اپنا سب کچھ وہیں چھوڑ آئے تھے۔ بندرعباس میں ہم نے بابا کے جاننے والے جس شخص کے ہاں پناہ لی تھی وہ بھی دھوکے باز نکلا۔ اس نے ہمارا سب کچھ چھین لیا اور ہمیں گھر سے نکال دیا۔ بابا محنت مزدوری کرتے رہے۔ اس کے ساتھ ہی پکڑے جانے کا خوف بھی تھا۔ ہمارا تعلق چونکہ بہائی فرقے سے تھا اس لئے ہر وقت انجانا سا خوف دامن گیر رہتا تھا۔

''میں اگرچہ اس وقت چھوٹی تھی۔ شعوری طور پر صورت حال کی سنگینی کا اندازہ نہیں تھا' لیکن لاشعور میں ایک خوف سا جم کر رہ گیا اور میری زندگی بھی اسی خوف سے گزر رہی تھی جس میں میرے والدین مبتلا تھے۔ فرق صرف اتنا تھا کہ وہ خوف کی وجہ جانتے تھے اور میں انجان تھی۔

''لیکن جیسے جیسے وقت گزرتا گیا۔ مجھے بھی آگہی حاصل ہوتی گئی۔ لاعلمی میں خوف کم تھا لیکن آگہی حاصل ہونے کے بعد یہ خوف بتدریج اجاگر ہوتا گیا اور میں اسی خوف کے سائے میں بڑی ہوتی گئی۔

''میرے بابا ان دنوں کچھ ایسے لوگوں کے ساتھ کام کر رہے تھے جن کی سرگرمیاں خاصی پراسرار تھیں۔ وہ شہر کے باہر کسی جگہ کھدائی کر رہے تھے اور یہ کھدائی رات کو چوری چھپے ہوتی تھی۔ بابا جان ان لوگوں کے ساتھ شام کو جاتے اور ان کی واپسی صبح طلوع آفتاب کے بعد ہوتی۔

''ایک روز بابا کچھ جلدی آ گئے۔ میں اس وقت سو رہی تھی لیکن بابا اور ماں کی آوازیں سن کر میری آنکھ کھل گئی۔ بابا کے ہاتھ میں کوئی چیز تھی اور وہ ماں کو اس کے بارے میں کچھ بتا رہے تھے۔

''میں اپنے بستر سے اٹھ کر ان کے قریب آئی تو وہ دونوں خاموش ہو گئے۔ بابا نے وہ چیز چھپانے کی کوشش کی تھی لیکن ان کے ہاتھ سے فرش پر گر گئی۔ اس سے پہلے کہ بابا ہاتھ بڑھاتے میں نے لپک کر وہ چیز اٹھا لی۔

''وہ کسی دھات کی بنی ہوئی ایک عورت کی مورتی تھی جس کے سر پر ایک خوبصورت تاج بھی تھا جس میں چھوٹے چھوٹے ہیرے جڑے ہوئے تھے۔ مورتی کی آنکھوں میں بھی ہیرے لگے ہوئے تھے۔

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

لگتا تھا جیسے وہ کوئی شہزادی ہو۔ وہ مورتی سائز میں چھ انچ سے زیادہ نہیں تھی۔

''بابا نے مجھ سے وہ مورتی لے کر چھپا دی اور مجھے تاکید کی کہ میں کسی سے اس کا ذکر مت کروں۔ میں اس وقت پندرہ سال کی تھی اور بہت سی باتیں سمجھنے لگی تھی۔ مجھے یقین ہو گیا تھا کہ یہ مورتی کھدائی کے دوران برآمد ہوئی تھی جسے میرے بابا چھپا کر لے آئے۔

''اگلے روز میرے بابا کام پر گئے تو واپس نہیں آئے۔ دوپہر کو ان کی لاش پہاڑیوں میں پڑی ہوئی ملی اور پھر اس سے اگلی رات دو آدمی ہمارے گھر میں گھس آئے۔ ماں کی آنکھ کھل گئی۔ وہ دونوں کچھ تلاش کر رہے تھے۔ ماں نے شور مچا دیا تو وہ لوگ بھاگ گئے۔

''چند روز بعد پھر ایسا ہی ہوا۔ ہم سمجھ گئے کہ ان پراسرار لوگوں کو اس مورتی کی تلاش ہے اور بابا کو بھی انہی لوگوں نے قتل کیا تھا۔

''ایک رات ماں مجھے لے کر شہر سے نکل گئی۔ شہزادی کی وہ مورتی بھی ہمارے پاس تھی۔ ہم بندر عباس سے بھاگ کر ابادان آ گئے۔ ماں کا خیال تھا کہ اب ہمیں کوئی خطرہ نہیں لیکن موت ہمارے تعاقب میں لگی ہوئی تھی۔

''ابادان آنے کے چند ہی روز بعد آدھی رات کے وقت موت کے ہرکاروں نے گھر میں گھس کر ہمیں گھیر لیا۔ ان دونوں نے ہم پر پستول تان رکھے تھے اور ہمارے لئے فرار کا کوئی راستہ نہیں تھا۔''

حریری خاموش ہو گئی۔ اس خوفناک واقعہ کی یاد سے اس کے چہرے کے تاثرات بدل گئے اور سانس بے ربط ہو گیا اور میں اس کے چہرے پر نظریں جمائے اس کے بولنے کا منتظر رہا۔

حریری کی داستان حیات میرے لیے بڑی سنسنی خیز ثابت ہو رہی تھی۔ اپنے بارے میں بات کرتے ہوئے اس کے چہرے کے تاثرات بھی بار بار بدل رہے تھے۔ کبھی اس کی آنکھوں میں وحشت بھر جاتی اور کبھی ان پرانی یادوں سے اس کے چہرے پر دھندی چھا جاتی۔ میں پلک جھپکے بغیر اسے تکے جا رہا تھا۔

''وہ دو آدمی تھے۔'' بالآخر اس نے کہنا شروع کیا۔ ''ان دونوں کے ہاتھوں میں پستول تھے۔ اگر ان کے پاس پستول نہ بھی ہوتے تو ہم ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی تھیں۔ گھر میں میرے اور ماں کے علاوہ کوئی نہیں تھا۔ ہوتا بھی کون۔ بابا کو تو وہ لوگ پہلے ہی ختم کر چکے تھے۔ اپنی جان بچانے کے لیے ہم بندر عباس سے بھاگ کر ابادان آئی تھیں اور انہوں نے ہمیں یہاں بھی تلاش کر لیا تھا۔ وہ دونوں دراز قامت اور ہٹے کٹے آدمی تھے۔ ان کے چہروں پر بڑی سفاکی تھی۔

''مجھے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ ہماری یہ ساری پریشانی اس مورتی کی وجہ سے تھی۔ وہ شہزادی ہمارے لیے مصیبت بن گئی تھی۔ اس کے تاج پر اور آنکھوں پر ہیرے جڑے ہوئے تھے جن کی قیمت چند ہزار ریال سے زیادہ نہیں ہو سکتی تھی۔ لیکن اس کا تعلق فارس کے کسی قدیم دور سے تھا اور اسی صفت نے اسے انمول بنا دیا تھا۔ ماں نے مجھے بتایا تھا کہ شہزادی کی یہ مورتی کسی قدیم دور سے تعلق رکھتی تھی اس لیے اس کا شمار بھی نوادرات میں ہو سکتا تھا اور غالباً اسی وجہ سے وہ لوگ ہمارے پیچھے لگے ہوئے تھے اور ہر قیمت پر اسے حاصل کرنا چاہتے تھے لیکن ماں کسی بھی صورت میں اس مورتی کو اپنے سے الگ نہیں کرنا چاہتی تھی

جس کی خاطر میرے باپ کو بھی قتل کر دیا گیا تھا۔

''ہمارا سب کچھ چھن چکا تھا۔ ہم نان شبینہ تک کے محتاج تھے۔ ماں دن بھر مزدوری کرتی تب کہیں رات کو ہمیں کچھ کھانے کو ملتا۔ بہائی فرقے سے تعلق ہونا بھی ہمارے لیے سنگین جرم بن گیا تھا۔ ہم کسی کو اپنے بارے میں کچھ بتا بھی نہیں سکتے تھے کہ ہم کون ہیں۔ ماں نے شہزادی کی اس تاریخی مورتی سے بھی بہت سی امیدیں وابستہ کر رکھی تھیں۔ اس کا خیال تھا کہ اس مورتی کی فروخت سے ہمیں اتنی رقم مل جائے گی کہ ہم اطمینان و سکون کی زندگی گزار سکیں۔ اس لیے ہم بندر عباس سے بھاگ کر ابادان آ گئے۔ ان دونوں شہروں کے بیچ سینکڑوں میل کا فاصلہ ہے۔ ہمارا خیال تھا کہ یہاں ہم ان لوگوں کی نظروں سے محفوظ رہیں گے اور کوئی مناسب موقع ملتے ہی وہ مورتی فروخت کر کے کسی اور طرف نکل جائیں گے لیکن موت کے ان ہرکاروں نے ہمیں وہاں بھی ڈھونڈ نکالا تھا۔''

حریری خاموش ہو کر گہرے گہرے سانس لینے لگی۔ میری نظریں بدستور اس کے چہرے پر مرکوز تھیں۔ چند لمحوں کی خاموشی کے بعد اس نے دوبارہ کہنا شروع کیا۔

''ہم جس مکان میں رہ رہے تھے وہ صرف دو کمروں پر مشتمل تھا جن کے سامنے ایک مختصر سا آنگن بھی تھا۔ ایک کمرے کو ہم باورچی خانے کے طور پر استعمال کرتے تھے جبکہ دوسرا کمرہ ہم دونوں کی مشترکہ خواب گاہ تھی۔ ایک دیوار کے ساتھ میری چارپائی تھی اور ہمارے کمرے کے پچھلی طرف ایک کھڑکی بھی تھی جس پر جالی لگی ہوئی تھی۔ اس کھڑکی کے پچھلی طرف ایک تنگ سی گلی تھی۔ یہ گنجان آبادی والے شہر کا سب سے پسماندہ علاقہ تھا اور یہاں روشنی وغیرہ کا کوئی مناسب انتظام بھی نہیں تھا۔ تنگ اور تاریک سی گلیوں کا جال سا پھیلا ہوا تھا۔

''سونے سے پہلے ماں نے دونوں کمروں کے دروازے اندر سے بند کر لیے تھے اور وہ دونوں آدمی کھڑکی کی جالی کاٹ کر اندر آئے تھے۔ ایک آدمی نے مجھے پستول کی زد میں لے رکھا تھا اور دوسرے نے ماں کو۔

''میں نے اپنے بستر سے اٹھ کر ماں کی طرف چھلانگ لگا دی لیکن میرے سامنے کھڑے ہوئے درندہ صفت شخص نے مجھے بازو سے پکڑ کر دوبارہ بستر پر گرا دیا۔ میرے منہ سے خوفناک چیخ نکل گئی۔ اس شخص نے بڑی تیزی سے آگے بڑھ کر ایک ہاتھ سے میرا منہ دبا دیا اور اس کے ساتھ ہی اس کے منہ سے بھیڑیے جیسی غراہٹ نکلی۔

''اب اگر تمہارے منہ سے آواز نکلی تو تمہاری کھوپڑی اڑا دوں گا۔''

''اس نے پستول کی نالی میری کنپٹی سے لگا دی۔ میری آنکھیں خوف و دہشت سے پھٹی جا رہی تھیں۔ اس شخص نے ہاتھ ہٹا لیا تھا۔ اپنی چیخ روکنے کے لیے میں نے دونوں ہاتھوں سے اپنا منہ دبا لیا۔

''میری ماں مجھ سے زیادہ خوفزدہ تھی۔ اس نے اٹھ کر میری طرف آنا چاہا تو دوسرے آدمی نے اس کے منہ پر تھپڑ مار دیا۔ منہ سے خون بہہ نکلا۔

''تم لوگ کون ہو؟ کیا چاہتے ہو؟ بے بس اور بے سہارا عورتوں کے ساتھ ظلم کرتے ہوئے تمہیں شرم آنی چاہئے۔'' ماں نے باری باری ان دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''ہمارے پاس کچھ نہیں

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

ہے۔ ہم تو پیٹ بھر کر ایک وقت روٹی بھی نہیں کھا سکتے۔ یہاں تمہیں کچھ نہیں ملے گا۔ تم لوگ غلط جگہ پر آ گئے ہو۔ تمہیں کسی رئیس کا گھر دیکھنا چاہئے۔"

"جتنی دولت تمہارے پاس ہے اتنی تو کسی رئیس کے گھر میں بھی نہیں ہوگی۔" اس شخص نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "تمہاری اس بیٹی کے علاوہ تم نے گھر میں وہ دولت بھی چھپا رکھی ہے جس کی ہمیں تلاش ہے۔"

"مم....... میں سمجھی نہیں۔" ماں ہکلا کر رہ گئی۔ "میں سچ کہتی ہوں ہمارے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔ تم لوگوں کو غلط فہمی ہوئی ہے۔"

"ہمیں کوئی غلط فہمی نہیں ہوئی بڑھیا۔ ہم ٹھیک جگہ پر آئے ہیں۔" اس شخص نے کہا۔ "ہمیں اس مورتی کی تلاش ہے جو بندر عباس میں کھدائی کے دوران تمہارے شوہر نے چوری کر لی تھی۔ اگر وہ مورتی ہمارے حوالے کر دیتا تو اسے اپنی جان سے ہاتھ نہ دھونے پڑتے لیکن تم اس سے بھی زیادہ بیوقوف نکلیں۔ لیکن تمہیں اندازہ ہو گیا ہوگا کہ ہماری نظروں سے بچ کر کہیں نہیں جا سکتیں۔ تمہارے لیے اب بھی موقع ہے شہزادی کی وہ مورتی ہمارے حوالے کر دو۔ ہم تمہیں اتنی دولت دیں گے کہ کئی سال تک تم ماں بیٹی کو کوئی محتاجی نہیں رہے گی لیکن اگر تم نے انکار کیا تو تمہاری اس مورتی کو اسی طرح توڑ ڈالیں گے کہ یہ دوبارہ جڑ نہیں سکے گی۔" وہ میری طرف دیکھنے لگا۔

"نہیں، نہیں۔ میری بیٹی کو کچھ مت کہنا۔" ماں چیخ اٹھی۔

"تو پھر وہ مورتی ہمارے حوالے کر دو جس کی ہمیں تلاش ہے۔ ہم تم دونوں میں سے کسی کو کوئی نقصان پہنچائے بغیر واپس چلے جائیں گے۔" اس شخص نے کہا۔

"میرے پاس کوئی مورتی نہیں ہے۔ ہم کسی مورتی کے بارے میں نہیں جانتے۔" ماں نے جواب دیا۔

"تو تم اس طرح نہیں مانو گی۔" وہ شخص غرایا۔ اس نے اپنے ساتھی کو اشارہ کیا۔ دوسرا آدمی ایک بار پھر میرے اوپر جھک گیا۔ وہ چند لمحے خونخوار نظروں سے میری طرف دیکھتا رہا پھر اس نے میرے گریبان پر ہاتھ ڈال کر زوردار جھٹکا دیا۔ میری قمیص پھٹ گئی اور میرے جسم کا بالائی حصہ برہنہ ہو گیا۔ میں ایک بار پھر چیخ اٹھی۔ اس نے پھر میری طرف ہاتھ بڑھایا۔ میں نے اس کے منہ پر تھوک دیا۔ وہ ایک جھٹکے سے پیچھے ہٹ گیا اور پھر نجانے میرے اندر اتنی ہمت کہاں سے آ گئی کہ میں نے اچھل کر اس کے منہ پر سر سے زوردار ٹکر ماری۔ اس کی ناک سے خون بہہ نکلا۔ میں نے اس کے ہاتھ سے پستول چھین لیا۔ ناک پر لگنے والی ٹکر سے وہ بدحواس ہو گیا اس لیے اس کا پستول بھی آسانی سے میرے ہاتھ میں آ گیا تھا۔

"میں نے پستول کو دونوں ہاتھوں میں پکڑ کر ٹریگر دبا دیا۔ گولی اس کی پیشانی میں لگی۔ وہ بیڈ پر گرا۔ میں اچھل کر ایک طرف ہٹ گئی۔ دوسرا آدمی چیختا ہوا میری طرف لپکا۔ میں نے پستول کا رخ اس کی طرف کر دیا اور پے در پے ٹریگر دباتی چلی گئی۔ کئی گولیاں اس کے سینے میں لگیں اور وہ بھی ڈھیر ہو گیا۔

"پستول میرے ہاتھوں میں تھا اور میں مبہوت سی کھڑی ان دونوں کی لاشوں کی طرف دیکھ رہی تھی۔ مجھے احساس نہیں ہو سکا تھا کہ میں کیا کر چکی ہوں۔ ماں دوڑ کر مجھ سے لپٹ گئی اور تب مجھے احساس

ہوا کہ دو آدمی میرے ہاتھوں مارے جا چکے ہیں۔ اس بھیانک احساس کے ساتھ ہی میں تھر تھر کانپنے لگی۔ ماں نے میرے ہاتھ سے پستول چھین کر بیڈ پر رکھ دیا۔ اس نے مجھے بیڈ پر بٹھا دیا اور دوڑ کر دوسرے کمرے میں چلی گئی۔

"میں بھی ماں کے پیچھے اس کمرے میں آ گئی۔ ماں چولہے کے پاس بیٹھی ہوئی تھی۔ یہ چولہا پتھر کا تھا اور ماں اسے اکھاڑنے کی کوشش کر رہی تھی۔ میں بھی اس کی مدد کرنے لگی۔

"ہم نے پتھر کا چولہا اکھاڑ کر ایک طرف رکھ دیا۔ اس کے نیچے ایک گڑھا تھا جو اینٹوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ ماں نے اینٹیں بھی نکال کر باہر پھینک دیں۔ ان کے نیچے گڑھے میں ایک ڈبہ رکھا ہوا تھا' جسے ماں نے نکال لیا۔

"قدیم شہزادی کی مورتی اس ڈبے میں تھی۔ ماں نے بڑی عجلت کا مظاہرہ کرتے ہوئے کچھ کپڑے اور چند چیزیں سمیٹیں' پوٹلی بغل میں دبائی اور میرا ہاتھ پکڑ کر عقبی کھڑکی کی طرف لپکی۔

"وہ رات کا پچھلا پہر تھا۔ سب کچھ چند منٹ کے اندر اندر ہو گیا تھا۔ یہ گنجان آبادی کا علاقہ تھا۔ ہم جانتے تھے چند منٹ میں لوگ گھروں سے نکل کر اس طرف جمع ہونا شروع ہو جائیں گے اور ماں اس سے پہلے ہی مجھے لے کر یہاں سے نکل جانا چاہتی تھی۔

"میری قمیص پھٹی ہوئی تھی۔ میں کھڑکی پر چڑھ رہی تھی کہ ماں نے مجھے روک لیا اور کھونٹی پر ٹنگی ہوئی قمیص اتار کر میری طرف پھینک دی۔ میں قمیص بدل رہی تھی کہ مکان کے سامنے والی گلی سے کسی کے چیخنے کی آواز سنائی دی۔ وہ غالباً کوئی پڑوسی تھا جو چیخوں اور فائرنگ کی آوازیں سن کر اپنے گھر سے باہر آ گیا تھا۔ پھر دروازہ زور زور سے دھڑ دھڑایا جانے لگا۔

"میں نے خوفزدہ نظروں سے ماں کی طرف دیکھا اور کھڑکی پر چڑھ کر دوسری طرف چھلانگ لگا دی۔ میرے پیچھے ہی ماں بھی کھڑکی پر چڑھ کر کود گئی تھی۔

"یہ تنگ سی گلی تھی۔ روشنی بھی نہیں تھی۔ ماں نے میرا ہاتھ پکڑ رکھا تھا۔ ہم اندھیرے میں ٹھوکریں کھاتی دوڑتی رہیں۔ آگے تنگ اور تاریک گلیوں کا جال سا بچھا ہوا تھا۔ ہم ان گلیوں سے نکل کر کھلی سڑک پر آ گئیں۔ ماں نے ایک لمحہ سڑک پر رک کر ادھر ادھر دیکھا اور پھر مجھے کھینچتی ہوئی ایک طرف دوڑنے لگی۔

"ہم اپنے علاقے سے بہت دور نکل آئے تھے لیکن خطرے سے باہر نہیں ہوئے تھے۔ خدشہ تھا کہ کسی گشتی پارٹی کی نظروں میں آ گئے تو جان چھڑانی مشکل ہو جائے گی۔ میرا سانس پھول گیا تھا۔ ماں بھی دوڑتے دوڑتے ہانپ گئی تھی۔ لیکن وہ میرا ہاتھ پکڑے دوڑتی رہی۔

"بالآخر ہم ایک ایسے علاقے میں آ گئے جہاں بڑے بڑے بنگلے تھے۔ ہم ایک کشادہ گلی میں مڑے ہی تھے کہ تیز روشنی میں نہا گئے۔ سامنے سے ایک گاڑی آ رہی تھی۔ اس کے ہیڈ لیمپس کی تیز روشنی میں ایک لمحہ کو ہماری آنکھیں چندھیا گئیں۔ ماں نے مجھے اشارہ کیا اور ہم مڑ کر دوسری طرف دوڑنے لگے لیکن ہم اس گاڑی والے کی نظروں میں آ گئے تھے۔

دفعتہً ماں کو کسی پتھر سے ٹھوکر لگی اور وہ لڑکھڑا کر سڑک پر گر گئی۔ میں اسے سنبھالنے کی کوشش

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

کررہی تھی کہ وہ کار ہمارے قریب آ کر رُک گئی۔ اس میں ایک ادھیڑ عمر عورت تھی اور ایک مرد۔ وہ دونوں جلدی سے نیچے اتر آئے۔ عورت نے سہارا دے کر ماں کو اٹھایا اور بیسیوں سوال کرڈالے۔ ہم کون ہیں؟ کہاں سے آئے ہیں؟ اور اس طرح کیوں بھاگ رہے تھے؟

ماں نے انہیں جو کہانی سنائی مجھے یاد نہیں۔ بہر حال اس عورت نے ہمدردی کا اظہار کرتے ہوئے ہمیں کار میں بٹھا لیا اور اپنے گھر لے آئی۔ وہ بہت بڑا بنگلہ تھا۔ کئی کمرے تھے۔ ہمیں جس کمرے میں ٹھہرایا گیا وہ بہت شاندار تھا۔ اس عورت کا نام ولادت خانم تھا۔ اس نے ہمارے لیے چائے بنوائی۔ وہ مسلسل ہم سے ہمدردی کا اظہار کررہی تھی۔ ماں نے اسے جو کہانی سنائی تھی خانم کو شاید اس پر یقین نہیں آیا تھا کیونکہ وہ بار بار ہم سے مختلف سوالات کررہی تھی اور بالآخر ماں کو وہ سب کچھ بتانا پڑا جو ہم پر بیت چکی تھی' لیکن اس مورتی کا ذکر ماں نے پھر بھی نہیں کیا تھا۔

''ٹھیک ہے سمجھ گئی۔'' خانم نے کہا۔ ''غریبوں سے جینے کا حق چھین لیا گیا ہے اور پھر تمہارا مسئلہ تو یہ ہے کہ تم ایک عورت ہو اور تمہارے ساتھ ایک جوان اور خوبصورت لڑکی بھی ہے لیکن بہر حال' اب تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں سب کچھ سنبھال لوں گی۔''

وہ رات ہم نے جاگ کر گزاری تھی۔ کسی انجانے خوف کی وجہ سے نیند میری آنکھوں سے بھی کوسوں دور ہی رہی۔ صبح دس بجے کے قریب ولادت خانم ہمارے کمرے میں آئی تو میں ماں کی گود میں سر رکھے پلنگ پر آڑی ترچھی پڑی تھی جبکہ ماں پلنگ کی پشت سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔ خانم کو دیکھ کر میں بھی ایک جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔ میری آنکھوں میں شدید جلن ہورہی تھی۔ ماں کی آنکھیں بھی سرخ تھیں۔ خانم نے اندازہ لگا لیا کہ ہم اب تک جاگتی رہی ہیں اور ایک لمحہ کو بھی نہیں سو سکی ہیں۔

خانم نے ایک خادمہ کو بلا کر مجھے اس کے حوالے کردیا کہ مجھے نہلا دھلا کر میرا لباس تبدیل کرا دیا جائے۔ ماں سے بھی اس نے کہا تھا کہ نہا کر لباس تبدیل کرے۔ پھر ناشتہ کرلیا جائے۔

خادمہ مجھے ایک اور کمرے میں لے گئی۔ یہ کمرہ ہمارے کمرے سے زیادہ بڑا اور زیادہ شاندار تھا۔ خادمہ نے مجھے اس کمرے سے ملحق حمام میں پہنچا دیا جہاں ایک خوبصورت ٹب پانی سے بھرا ہوا تھا۔ ضرورت کی ہر چیز بھی موجود تھی۔ پانی میں کسی قسم کی خوشبو ملی ہوئی تھی۔

میں نے نہا کر وہی لباس پہن لیا اور حمام سے باہر آئی تو خادمہ میری منتظر تھی۔ کمرے کا دروازہ بند تھا۔ خادمہ نے میرا وہ لباس اتروا دیا اور دوسرا لباس پہنانے لگی۔ مجھے بڑی شرم آرہی تھی۔ لباس تبدیل کروا کے اس نے میرے بال سنوارے اور مجھے لے جا کر قد آدم آئینے کے سامنے کھڑا کردیا۔

میں اپنے آپ کو آئینے میں دیکھ کر مبہوت سی رہ گئی۔ مجھے یقین نہیں آرہا تھا کہ وہ میں ہوں۔ لگتا تھا جیسے الف لیلوی داستان کی کوئی شہزادی میرے سامنے آن کھڑی ہوئی ہو۔ اس قسم کا شاہانہ لباس تو میں نے زندگی میں پہلی مرتبہ پہنا تھا۔ اپنا روپ دیکھ کر مجھے بھی حیرت ہورہی تھی۔

خادمہ مجھے اس کمرے سے باہر لے آئی۔ ماں نے بھی نہا دھو کر لباس تبدیل کرلیا تھا۔ اس نے اپنے ہی کپڑے پہنے تھے جو وہ پوٹلی میں باندھ کر گھر سے لے کر آئی تھی۔ مجھے دیکھ کر ایک لمحہ کو تو ماں بھی سکتے میں آگئی تھی۔ اس کی آنکھوں میں تشویش کی جھلک بہت نمایاں تھی۔

خانم نے مجھے دیکھا تو بے اختیار آگے بڑھ کر مجھے گلے سے لگا لیا۔ میری پیشانی پر بوسہ دیا اور پھر وہ ہمیں کھانے کے کمرے میں لے آئی جہاں میز پر انواع و اقسام کی نعمتیں سجی ہوئی تھیں۔ کئی طرح کے پھل بھی رکھے ہوئے تھے۔ کھانے کی میز پر دو آدمی اور بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک تو وہی جوان العمر آدمی تھا جو رات کو گاڑی میں خانم کے ساتھ تھا اور دوسرا ادھیڑ عمر تھا۔ خانم سے ان کا کیا رشتہ تھا؟ نہ ہم نے پوچھا' نہ خانم نے بتانے کی ضرورت سمجھی۔

ناشتے کے بعد خانم گھوم پھر کر ہمیں اپنا گھر دکھانے لگی۔ محل نما وہ کوٹھی بہت شاندار تھی۔ ساز و سامان بھی بہت قیمتی تھا۔ ہر کمرے کے فرش پر دیوار سے دیوار تک مشہد و اصفہان کے قالین بچھے ہوئے تھے۔

لان بھی کئی ایکڑ رقبے پر پھیلا ہوا تھا۔ دبیز سبز گھاس' پھولوں کے پودے اور پھلوں کے بھی کئی درخت تھے۔ پورچ میں تین شاندار کاریں کھڑی تھیں۔ دو خادمائیں اور دو خادم تھے۔ اس گھر میں دولت کی ریل پیل دیکھ کر مجھے حیرت ہورہی تھی۔

انقلاب کے بعد پورے ایران میں دولت مندوں کی شامت آئی ہوئی تھی۔ مذہبی رہنما اور پاسداران دندناتے پھر رہے تھے۔ کوئی بھی ان سے محفوظ نہیں تھا۔ دولت مند اپنا ملک چھوڑ کر بھاگ رہے تھے اور جو کسی وجہ سے فرار نہیں ہو سکے تھے وہ اپنی جانیں بچانے کے لیے چھپتے پھر رہے تھے۔ لیکن خانم کے اس عشرت کدے کو دیکھ کر مجھے شدید حیرت ہورہی تھی اور مزید حیرت کی بات یہ تھی کہ خانم کا تعلق بھی بہائی فرقے سے تھا۔ حالانکہ انقلاب کے دوران اور اس کے بعد بھی بہائی فرقہ ہی سب سے زیادہ زیر عتاب آیا تھا۔ لیکن خانم کے ٹھاٹھ باٹ دیکھ کر مجھے شدید حیرت ہورہی تھی۔

ناشتے کے تھوڑی ہی دیر بعد خانم جوان العمر آدمی کے ساتھ چلی گئی جبکہ ادھیڑ عمر آدمی گھر پر ہی رہا تھا۔

شام کو خانم واپس آئی تو ماں کو لے کر ایک الگ کمرے میں بیٹھ گئی۔ ایک گھنٹے بعد ماں اس کمرے سے برآمد ہوئی تو اس کے چہرے پر خوف کے سائے نظر آرہے تھے اور یہ اطلاع میرے لیے بھی بڑی سنسنی خیز ثابت ہوئی کہ ہمارے محلے کے لوگوں کو صبح ہی ہمارے مکان میں دو آدمیوں کے قتل کا پتا چل گیا تھا۔ پاسداران کی ایک پارٹی بھی وہاں پہنچ گئی تھی جنہوں نے ہم ماں بیٹی کو قاتل قرار دے دیا تھا اور پورے شہر میں ہمیں تلاش کیا جارہا تھا۔ ہمارے مکان کے ایک کمرے میں اکھڑا ہوا چولہا اور اس کے نیچے دو فٹ گہرا گڑھا دیکھ کر پاسداران نے یہ فرض کرلیا تھا کہ یہاں کوئی خزانہ دفن تھا جسے ہم نکال کر اپنے ساتھ لے گئی تھیں اور پاسداران کو ہم سے زیادہ اس خزانے کی تلاش تھی۔

اسی رات کھانے کے بعد ولادت خانم ہمارے کمرے میں آگئی۔ صبح ماں نے اسے یہ نہیں بتایا تھا کہ ہمارے ہاتھوں دو آدمی مارے گئے تھے صرف اتنا کہا تھا کہ بدمعاش ہمارے گھر میں گھس آئے تھے۔ وہ مجھے اٹھا کر لے جانا چاہتے تھے اور ہم بڑی مشکل سے اپنی جان بچا کر بھاگی تھیں۔ لیکن اب دو آدمیوں کے قتل کے انکشاف سے صورت حال بدل گئی تھی۔

خانم کو بھی شاید ان دو آدمیوں کے قتل کی پروا نہیں تھی۔ وہ بھی اس خزانے کے بارے میں

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

سوالات کرتی رہی جو ہم چولہے کے نیچے گڑھے سے نکال کر بھاگی تھیں۔ ماں قسمیں کھا کر یقین دلانے کی کوشش کرتی رہی کہ وہاں کوئی خزانہ نہیں تھا۔ وہ چولہا ہم نے نہیں اکھاڑا تھا۔

خانم کا لہجہ اگرچہ اب بھی ہمدردانہ تھا لیکن اس نے واشگاف الفاظ میں ہمیں بتا دیا تھا کہ اب کچھ عرصہ تک اس گھر سے باہر نکلنا ہمارے لیے خطرے سے خالی نہیں ہوگا۔ اس کی یہ کوٹھی ہمارے لیے بہترین پناہ گاہ ہے۔ ہم جب تک یہاں رہیں گی محفوظ رہیں گی۔ باہر نکلتے ہی دھر لی جائیں گی۔

خانم سے اس گفتگو کے بعد ماں کی تشویش بڑھ گئی تھی۔ وہ میرے لیے بہت زیادہ پریشان تھی۔ وہ مجھے لے کر یہاں سے بھی نکل جانا چاہتی تھی۔ لیکن خانم نے یہ بات بھی غلط نہیں کہی تھی کہ باہر ہمارے لیے خطرہ ہی خطرہ تھا۔ ہم پر دو آدمیوں کے قتل کا الزام تو تھا ہی اب خزانے کی بات بھی لگ گئی تھی۔ پاسداران سے کون واقف نہیں تھا۔ انسانی زندگیوں کی تو ان کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں تھی۔ انقلاب کے مخالفین، دولت مندوں اور شاہ پرستوں کو جس طرح اذیتیں دے کر ہلاک کیا جاتا تھا، وہ کسی سے ڈھکی چھپی بات نہیں تھی۔ معمولی سے شبہ پر کسی کو بھی گولیوں سے چھلنی کر دیا جاتا تھا۔ تاہم دولت سے ان پاسداران کو بڑی محبت تھی۔ دوسروں سے چھینی ہوئی دولت پر یہ لوگ جس طرح عیش کر رہے تھے وہ بھی سب کے سامنے تھا۔ انقلاب سے پہلے یہی لوگ سڑکوں پر جوتیاں چٹخاتے پھرتے تھے اور اب شاندار قیمتی کاروں پر گھومتے تھے۔ ہمارے گھر میں اکھڑا ہوا چولہا اور اس کے نیچے گڑھا دیکھ کر انہیں شبہ ہو گیا تھا کہ ہم وہاں سے کوئی خزانہ نکال کر لے گئی ہیں۔ انہیں ہم سے زیادہ خزانے کی تلاش تھی۔ اگر ہم ان کے ہاتھ لگ گئیں تو خزانے کے بارے میں معلوم کرنے کے لیے وہ ہمارے جسموں کا ریشہ ریشہ الگ کر دیں گے۔

ہمارے لیے صورت حال واقعی بہت سنگین ہو گئی تھی۔ باہر موت کے سائے منڈلا رہے تھے۔ کوئی ایسی جگہ نہیں تھی جہاں ہم پناہ لے سکتے۔ ہم اس چار دیواری کے اندر ہی محفوظ تھے۔ صرف پاسداران ہی کو ہماری تلاش نہیں تھی۔ جن دو آدمیوں کو میں نے قتل کیا تھا وہ بھی اکیلے نہیں تھے۔ ان کا تعلق بھی کسی گروہ سے تھا۔ وہ مورتی ان کے لیے یقیناً بہت قیمتی تھی جس کے لیے اب تک تین قتل ہو چکے تھے۔ پہلے میرے باپ کو قتل کیا گیا اور پھر یہاں دو آدمی میرے ہاتھ سے مارے گئے۔ وہ لوگ اپنے آدمیوں کے قتل پر خاموش نہیں بیٹھیں گے۔ اپنے آدمیوں کی شاید انہیں بھی پروا نہ ہو لیکن مورتی کے لیے وہ لوگ بھی ہمیں پورے شہر میں تلاش کرتے پھر رہے ہوں گے۔ ایسی صورت میں یہ چار دیواری ہی ہمارے لیے سب سے زیادہ محفوظ تھی۔

ہمیں اس کوٹھی میں رہتے ہوئے تین دن ہو گئے۔ ولادت خانم ہر طرح سے ہمارا خیال رکھے ہوئے تھی۔ وہ گھر پر ہوتی تو مجھے ہر وقت اپنے پاس بٹھائے رکھتی۔ صبح شام میرا لباس تبدیل کرایا جاتا۔ میں نے کبھی میک اپ نہیں کیا تھا لیکن خانم خود مجھے سامنے بٹھا کر میرا میک اپ کرتی اور پھر مجھے لے جا کر آئینے کے سامنے کھڑا کر دیتی۔ میں اپنے آپ کو دیکھ کر دم بخود سی رہ جاتی۔

میں تو خانم کے طرز عمل سے بہت خوش تھی لیکن ماں کی تشویش بڑھتی جا رہی تھی۔ وہ کسی مناسب موقع کے انتظار میں تھی اور مجھے لے جا کر جلد سے جلد یہاں سے نکل جانا چاہتی تھی۔ مجھے ماں کی اس وحشت پر حیرت بھی ہوتی تھی۔ میری سمجھ میں یہ بات نہیں آ رہی تھی کہ وہ میرے لیے اتنی پریشان کیوں

تھی۔

"تم نہیں سمجھتی ہو بیٹی۔" ایک روز میرے استفسار پر اس نے جواب دیا۔ "اس میں شبہ نہیں کہ ولادت خانم بہت اچھی عورت ہے۔ ہمارے ساتھ اس کا طرز عمل بھی مثالی ہے لیکن نجانے کیا بات ہے کہ میں کچھ مطمئن نہیں ہوں۔"

"کیا آپ کو خانم پر کوئی شبہ ہے؟" میں نے پوچھا۔ "ہاں۔" ماں نے جواب دیا۔ "خانم وہ نہیں ہے جو بظاہر نظر آتی ہے۔ یہ بھی ہماری طرح بہائی فرقے سے تعلق رکھتی ہے۔ ہمارے فرقے سے تعلق رکھنے والا ہر شخص عتاب کا شکار ہے لیکن ولادت خانم جس طرح عیش و عشرت کی زندگی گزار رہی ہے اس پر مجھے شبہ ہوتا ہے۔ یہاں میں نے کچھ اور لوگوں کو بھی آتے ہوئے دیکھا ہے۔ نجانے کیوں میں یہاں مطمئن نہیں ہوں۔"

"آپ کو وہم ہو رہا ہے ماں۔" میں نے کہا۔ "خانم تو بہت اچھی عورت ہے۔ ہمارا کتنا خیال رکھتی ہے۔"

"ہاں میں جانتی ہوں۔" ماں نے جواب دیا۔ "لیکن ایک بات ہمیشہ یاد رکھنا بغیر کسی غرض کے کوئی کسی کی مدد نہیں کرتا۔"

ماں کسی طور بھی ولادت خانم سے مطمئن نہیں تھی اور میں اس سے بحث میں نہیں الجھنا چاہتی تھی۔ ادھر خانم ہمیں روزانہ ہی شہر کی صورت حال سے آگاہ کر رہی تھی۔ ابادان زیادہ بڑا شہر نہیں تھا۔ کوئی معمولی سا واقعہ شہر کے کسی بھی حصے میں رونما ہوتا اس کی خبر جنگل کی آگ کی طرح آناً فاناً پورے شہر میں پھیل جاتی اور یہاں تو دو آدمیوں کا قتل ہوا تھا۔ ایسی سنگین وارداتیں تو کبھی کبھار ہی ہوتی ہیں۔ دوہرے قتل کی یہ واردات بھی غالباً کئی سال بعد ہوئی تھی اور پورے شہر میں اس کا چرچا تھا اور اس واردات کے ساتھ تو کسی پراسرار خزانے کا دُم چھلا بھی لگا ہوا تھا۔ ہر محفل میں اس کا چرچا تو ہوگا اور اخبارات بھی باقاعدگی سے اس واقعہ کو نمک مرچ لگا کر شائع کر رہے تھے۔ دو انسانوں کی زندگی سے زیادہ اہمیت اس پراسرار خزانے کو دی جا رہی تھی۔

خانم روزانہ اخبار بھی لے کر آتی تھی۔ اخبار میں اس واقعہ کے حوالے سے کوئی نہ کوئی خبر ضرور ہوتی تھی۔ بعض اخبارات تو اسے سنگین سے سنگین تر بنانے کی کوشش کر رہے تھے اور ہمارے خلاف خوب زہر اُگلا جا رہا تھا۔ ہمارا تعلق بہائی فرقے سے تھا اور ہمیں انقلاب دشمن طاقتوں کا ایجنٹ قرار دیا جا رہا تھا۔ اور ایک اخبار نے تو یہاں تک لکھ دیا تھا کہ یہ دوہرا قتل ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت ہوا ہے۔ اس اخبار نے میرے ہاتھوں مرنے والے ایک مردود کا تعلق بندر عباس کے ایک مذہبی رہنما سے جوڑ دیا تھا اور ایک فرضی کہانی گھڑ لی تھی کہ ہمارا باپ عطار ہمیں یوم شہر سے لے کر فرار ہوا تھا۔ ہمارے پاس ہیروں، جواہرات کا خزانہ تھا۔ بندر عباس میں عطار کے پراسرار قتل کے بعد ہم ماں بیٹی وہ خزانہ لے کر ابادان آ گئی تھیں اور یہاں ہم نے وہ خزانہ چولہے کے نیچے گڑھا کھود کر چھپا دیا تھا لیکن وہ دونوں ہماری تلاش میں یہاں پہنچ گئے تو ہم نے انہیں قتل کر دیا اور خزانہ لے کر فرار ہو گئیں۔

اخبارات ہماری تصویریں شائع کرنے سے قاصر رہے تھے کیونکہ کسی کے پاس ہماری کوئی تصویر

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

تھی ہی نہیں البتہ ہم پر شرمناک الزامات ضرور لگائے جا رہے تھے۔

یہ تمام خبریں پڑھ کر ماں کے حوصلے پست ہو رہے تھے اور غالباً یہی وجہ تھی کہ وہ ہر مرتبہ یہاں سے نکلنے کا ارادہ ترک کر دیتی تھی۔ وہ بھی یہی سمجھتی تھی کہ فی الحال یہ چار دیواری ہی ہمارے لیے سب سے محفوظ پناہ گاہ ہے۔

چند روز اور گزر گئے۔ اخبارات اب بھی دوہرے قتل کے اس واقعہ کی یاد تازہ رکھے ہوئے تھے۔ کسی اخبار نے ہمیں مظلوم اور بے گناہ قرار نہیں دیا تھا۔ کسی نے یہ نہیں سوچا تھا کہ ہم بے بس و بے سہارا عورتیں کس طرح زندگی کے دن گزار رہی ہیں۔ ہمارا تعلق بھائی فرتے سے تھا۔ جسے اس ملک میں یہودیوں سے بھی زیادہ ناپسندیدہ ترین سمجھا جا رہا تھا اس لیے پریس کا سارا زور بھی ہمیں مجرم گردانے میں صرف ہو رہا تھا۔

اس دوران ایک اور واقعہ رونما ہوا جس نے ہم ماں بیٹی کو ہلا کر رکھ دیا۔ اس روز صبح سویرے ہی دو آدمی خانم کے گھر پر آئے تھے۔ خانم نے ہمیں فوراً ہی کوٹھی کے عقبی لان میں قد آور گنجان پودوں میں چھپا دیا تھا۔ ان دونوں آدمیوں کا تعلق پاسداران سے تھا۔ دونوں باریش تھے۔ دونوں نے عبا پہن رکھی تھی۔ ایک نے سیاہ رنگ کی اور دوسرے نے گہرے براؤن رنگ کی۔ دونوں کے سروں پر پگڑیاں تھیں اور دونوں کے پاس آٹومیٹک رائفلیں تھیں۔ ان میں ایک اس علاقے کی کمیٹی (پاسداران فورس کا نام) کا انچارج تھا اور دوسرا اس علاقے کا ایک مذہبی رہنما۔ دونوں ہی آیت اللہ تھے۔ وہ دو گھنٹوں تک کوٹھی کی تلاشی لیتے رہے۔ انہوں نے لان میں بھی ادھر ادھر گھوم پھر کر دیکھا۔ جب وہ پچھلے لان میں آئے تھے تب ہی میں نے ان کی شکلیں دیکھی تھیں۔

ان کے جانے کے ایک گھنٹے بعد خانم ہمیں پودوں سے نکال کر کوٹھی کے اندر لے گئی تھی۔

''یہ..... یہ لوگ یہاں کیوں آئے تھے؟'' میں نے خانم سے پوچھا۔ اس کے چہرے پر خوف کی جھلک نمایاں تھی۔

''تم لوگوں کی تلاش میں۔'' خانم نے جواب دیا۔ ''کسی نے کمیٹی کے دفتر کو اطلاع دی تھی کہ تم دونوں یہاں چھپی ہوئی ہو۔ اس لیے ان دونوں نے صبح سویرے اچانک ہی یہاں چھاپہ مارا تھا۔''

''لیکن..... یہ اطلاع کس نے دی ہوگی؟'' ماں نے کہا۔ ''تمہارے ہاں مہمان تو ضرور آتے ہیں لیکن ہم تو کبھی کسی کے سامنے بھی نہیں آئیں۔''

''میں معلوم کرلوں گی کہ وہ بدبخت کون ہے۔'' خانم نے جواب دیا۔ ''لیکن اب ہمیں پہلے سے زیادہ محتاط رہنا پڑے گا۔ پاسداران کے بارے میں سب ہی لوگ اچھی طرح جانتے ہیں کہ یہ لوگ کسی کے پیچھے لگ جاتے ہیں تو اسے آسانی سے نہیں چھوڑتے۔ اس وقت تو وہ لوگ خاموشی سے واپس چلے گئے ہیں لیکن میں جانتی ہوں کہ اب وہ بار بار یہاں آئیں گے۔ احتیاط کے باوجود ہم سے کسی وقت کوئی غلطی ہو سکتی ہے۔ اس لیے.....''

''کیا تم ہمارے شہر سے نکلنے کا بندوبست کر سکتی ہو؟'' ماں نے اس کی بات کاٹ دی۔

''ان لوگوں کو یقین ہے کہ تم لوگ ابھی تک اس شہر میں موجود ہو۔'' خانم نے جواب دیا۔ ''شہر

سے باہر جانے والے تمام راستوں پر پہرے لگے ہوئے ہیں۔ جن عورتوں پر شبہ ہوتا ہے انہیں روک لیا جاتا ہے اور ان کے بارے میں مکمل چھان بین کے بعد ہی جانے کی اجازت دی جاتی ہے اور تم جانتی ہو عورتوں کا اکیلے سفر کرنا اس سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔ لیکن تم لوگوں کو یہاں سے نکالنے کا ایک راستہ ہے میرے ذہن میں۔''

''وہ کیا؟'' ماں نے جلدی سے پوچھا۔

''شہر سے چند میل دور سربندر شہر والی ہائی وے کے قریب میرا فارم ہاؤس ہے۔ میں سوچ رہی ہوں کہ آج رات تم لوگوں کو وہاں منتقل کر دیا جائے۔ وہاں تم لوگوں کے لیے کوئی خطرہ نہیں ہوگا۔ جب یہ معاملہ کچھ ٹھنڈا پڑ جائے گا تو تم لوگوں کو کہیں اور بھیج دیا جائے گا۔ اہواز' شادگان یا بندر ماہ شہر..... جہاں تم لوگ چاہو گی۔''

ماں نے خانم کی تجویز سے کوئی اختلاف نہیں کیا۔ وہ تو مجھے لے کر یہاں سے نکلنا چاہتی تھی۔ شاید اس نے کوئی اور بات بھی سوچ رکھی ہو۔ بہرحال' وہ دن بہت احتیاط سے گزارا گیا تھا۔ خانم اس روز زیادہ تر گھر پر ہی رہی تھی۔ شام کو باہر گئی تھی لیکن ڈیڑھ گھنٹے بعد ہی لوٹ آئی تھی۔

اس رات دو بجے کے قریب ایک وین کوٹھی میں آ گئی۔ ہم لوگ تیار ہی بیٹھے تھے۔ وین میں ہمارے ساتھ خانم کے علاوہ دو آدمی اور بھی بیٹھے تھے۔

وین کوٹھی سے نکل کر شہر کی مختلف سڑکوں پر گھومتی رہی اور پھر شہر کے نواح میں کچے اور تنگ راستوں پر آ گئی۔

وین تقریباً آدھے گھنٹے تک کچے اور ناہموار راستوں پر چلتی رہی اور پھر سربندر شہر والی ہائی وے پر آ گئی۔ آدھی رات یا اس کے بعد سڑکوں پر سفر کرنا خطرے سے خالی نہیں تھا۔ شہر میں پھیلے ہوئے پاسداران ہر شخص کو روک کر پوچھ گچھ کرتے تھے۔ مجھے اندیشہ تھا کہ ہمیں بھی کہیں نہ کہیں ضرور روکا جائے گا لیکن ڈرائیور وین کو نجانے کن راستوں سے نکال کر لایا تھا کہ کہیں بھی نہیں روکا گیا تھا۔

ہائی وے پر تقریباً دس میل کا فاصلہ طے کرنے کے بعد وین ایک بار پھر کچے راستے پر چلنے لگی۔ راستہ کچھ زیادہ ہی ناہموار تھا اس لیے وین کی رفتار بھی کم تھی۔ سفر کے دوران ہم زیادہ تر خاموش ہی رہے تھے لیکن ایک سوال میرے ذہن میں بار بار کلبلا رہا تھا جو میں خانم سے پوچھنا چاہتی تھی اور بالآخر وہ سوال میری زبان پر آ ہی گیا۔

''خانم! آپ بھی تو ہماری طرح بہائی ہیں۔ آپ کے پاس دولت کی بھی فراوانی ہے اور یہی دو چیزیں دینی رہنماؤں اور پاسداران کی آنکھوں میں کھٹکتی ہیں۔'' میں نے کہا۔ ''لیکن ان لوگوں کا طرز عمل آپ کے ساتھ بالکل مختلف ہے۔ یہ مذہبی رہنما جب کسی دولت مند شخص کے گھر میں گھستے ہیں تو اسے کھنڈر بنا کر ہی باہر نکلتے ہیں لیکن لگتا ہے آپ کو انہوں نے کبھی کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔''

''اس کی بھی ایک وجہ ہے۔'' خانم نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ ''میری چھوٹی بہن ایک آیت اللہ کی بیوی ہے۔''

''کیا.....؟'' میں اچھل پڑی۔

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

''یہ انقلاب سے پہلے کی بات ہے۔'' خانم نے بدستور مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ ''اس وقت یہاں ایسی کوئی بات نہیں تھی۔ ایران میں رہنے والے سب ایرانی تھے۔ قبیلوں کی آپس میں رشتہ داریاں تھیں۔ یہودی، بہائی، مسلمان اور دوسرے کئی فرقے رشتے داریوں کے ذریعے آپس میں مربوط تھے۔ وہ تو انقلاب کے وقت بعض جنونیوں نے یہ نعرہ بلند کیا کہ ایران میں صرف مسلمان بن کے رہنا ہوگا۔ بہرحال.....'' وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگی۔

''انقلاب سے دو سال پہلے میری چھوٹی بہن تہران یونیورسٹی میں زیر تعلیم تھی۔ نورصادق اس کا کلاس فیلو تھا۔ ان دونوں میں بڑی دوستی تھی اور پھر انہوں نے شادی کرلی۔

انہی دنوں انقلاب کی بازگشت سنائی دینے لگی۔ نورصادق انقلابی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے لگا۔ میری بہن بھی اس کا ساتھ دے رہی تھی اور جب انقلاب اپنے عروج پر پہنچا تو نورصادق ایک بہت بڑا لیڈر بن چکا تھا۔ وہ چند مرکزی رہنماؤں میں شمار ہونے لگا۔

ہمارے آباؤاجداد بھی یہاں صدیوں سے آباد ہیں۔ ہماری زمینداری ہے۔ ہم بھی شرپسندوں سے محفوظ نہیں رہے۔ اس رات ہمارے گھر پر حملہ کر کے میرے ماں باپ کو قتل کر دیا گیا اور شرپسند گھر کا سارا سامان لوٹ کر لے گئے۔

اتفاق سے میں اس رات اپنی ایک دوست کے گھر پر تھی۔ اس لیے میں بچ گئی۔ ہمارے گھر پر شرپسندوں کے حملے، لوٹ مار اور میرے ماں باپ کے قتل کی خبر تہران پہنچ گئی۔ میری بہن اور نورصادق دوسرے ہی روز یہاں پہنچ گئے۔ نورصادق مرکزی رہنماؤں میں سے ایک تھا۔ اس کی ہر بات کو حکم سمجھا جاتا تھا۔ اس نے یہاں میری جان اور املاک کی حفاظت کا بندوبست کر دیا۔ میری بہن بھی چند روز یہاں رہنے کے بعد تہران واپس چلی گئی۔

نورصادق کی وجہ سے ہمیں امان مل گئی۔ میرے ماں باپ تو نہیں رہے تھے۔ سب کچھ مجھے سنبھالنا پڑا۔ بعض دوستوں نے میری مدد بھی کی۔ کئی سال بعد میں اپنے آپ کو پوری طرح سنبھالنے میں کامیاب ہوسکی تھی۔''

وہ ایک مرتبہ پھر خاموش ہوگئی۔ وین ناہموار کچے راستوں پر ہلکی رفتار سے چلتی رہی۔ خانم کچھ دیر گہرے گہرے سانس لیتی رہی، پھر بولی۔

''نورصادق کو اب بھی انقلابی حکومت میں مرکزی عہدہ حاصل ہے اور اس کی وجہ سے میں بھی بچی ہوئی ہوں لیکن کبھی کبھی کوئی مذہبی رہنما یا کمیٹی کے لوگ مجھے پریشان کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جیسے آج انہیں کہیں سے سن گن مل گئی کہ میں نے تم دونوں کو اپنی کوٹھی میں چھپا رکھا ہے تو وہ دونوں چڑھ دوڑے لیکن میں دعوے سے کہہ سکتی ہوں کہ انہیں تم سے زیادہ اس خزانے کی تلاش ہے جس کے بارے میں اخبارات نے بڑی سنسنی خیز کہانیاں شائع کی ہیں۔ آج صبح ان کی باتوں سے بھی اندازہ ہوگیا تھا کہ انہیں ان دو آدمیوں کے قتل کا زیادہ افسوس نہیں۔ وہ تو تم سے اس خزانے کے بارے میں دریافت کرنا چاہتے ہیں۔ ان کے خیال میں وہ خزانہ کروڑوں کی مالیت کا ضرور ہوگا۔''

''حقیقت یہ ہے کہ ہم کسی خزانے کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔'' ماں نے اس کے خاموش ہونے پر کہا۔ ''اگر ہمارے پاس کوئی خزانہ ہوتا تو ہم اس طرح ماری ماری نہ پھرتیں۔''

خانم نے کوئی جواب نہیں دیا۔ میں بھی کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔ ہمارے ساتھ وہ دونوں آدمی بھی خاموش بیٹھے تھے۔ راستہ بہت ہی ناہموار تھا۔ وین کو بری طرح ہچکولے لگ رہے تھے۔

باہر ہرسو گہری تاریکی تھی۔ کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ لیکن کچھ ہی دیر بعد ایک جگہ روشنی دکھائی دینے لگی۔ وہ اکلوتا بلب تھا جو اس ویرانے میں جل رہا تھا۔ وین اس طرف مڑ گئی تھی۔

چند منٹ بعد وین رک گئی اور ہم نیچے اتر آئے۔ اچانک ہی کسی طرف سے دو کتے نمودار ہوئے اور بھونکتے ہوئے ہماری طرف لپکے۔ لیکن خانم کی ڈانٹ سن کر ہم سے دور ہی رک گئے۔

فارم ہاؤس کی عمارت خاصی بڑی اور دو منزلہ تھی۔ وین کے ہارن کی آواز سن کر دو آدمی فارم ہاؤس سے باہر آ گئے تھے۔ وہ گہری نیند سے بیدار ہوئے تھے لیکن خانم کو دیکھ کر ایک دم مستعد ہو گئے۔

ہمارے ساتھ آنے والے دونوں آدمی نیچے ہی رک گئے جبکہ خانم ہمیں اوپر والی منزل پر لے آئی تھی۔ ہمیں ایک کمرے میں چھوڑ کر وہ خود دوسرے کمرے میں چلی گئی تھی۔

کمرے میں ڈبل بیڈ تھا۔ میں تو بستر پر گرتے ہی نیند کی آغوش میں پہنچ گئی تھی۔

میری آنکھ بھی صبح دیر سے کھلی تھی۔ ماں جاگ رہی تھی۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ اس نے رات کا باقی حصہ شاید جاگ کر ہی گزارا تھا۔ میں منہ ہاتھ دھو کر ماں کے ساتھ نیچے آ گئی جہاں خانم ناشتے پر ہماری منتظر تھی۔

''تم لوگ چند روز یہاں آرام سے رہ سکو گی۔ یہاں کوئی خطرہ نہیں ہے۔'' ناشتے کے دوران خانم نے باری باری ہم دونوں کی طرف دیکھا۔ ''یہاں تمہیں کوئی تکلیف بھی نہیں ہوگی۔ کسی چیز کی ضرورت ہو تو سہراب اور رزقی یہاں موجود ہیں۔ ان سے کہہ دینا۔ میں بھی دوسرے تیسرے دن چکر لگاتی رہوں گی۔ حالات جیسے ہی بہتر ہوئے تم لوگوں کو یہاں سے بھیج دیا جائے گا جہاں تم جانا چاہو گی۔''

ناشتے کے تھوڑی دیر بعد خانم واپس چلی گئی۔ ہمارے ساتھ آنے والے دو آدمیوں میں سے ایک خانم کے ساتھ چلا گیا تھا جبکہ دوسرا وہیں رہ گیا تھا۔ وہ لمبے قد، بھاری بھرکم جسم کا مالک تھا۔ سر گنجا اور ناک پچکی ہوئی تھی۔ اس کے بارے میں بعد میں پتا چلا کہ وہ کسی زمانے میں پیشہ ور باکسر رہ چکا تھا اور اس کی ناک کی ہڈی باکسنگ کے ایک مقابلے کے دوران ہی ٹوٹی تھی۔

خانم کے جانے کے تھوڑی دیر بعد ماں تو اوپر اپنے کمرے میں چلی گئی اور میں ادھر ادھر گھومنے لگی۔ رزقی میرے ساتھ تھا اور وہ مجھے ان لہلہاتی فصلوں کے بارے میں بتا رہا تھا جو ہر طرف حد نگاہ تک پھیلی ہوئی تھیں۔

میں تقریباً ایک گھنٹے تک فارم ہاؤس کے آس پاس ہی کھیتوں میں گھومتی رہی اور جب واپس آئی تو ماں اوپر کی بالکونی میں کھڑی تھی۔ اس کی آواز سن کر میں اوپر آ گئی۔ ماں کے چہرے پر بڑی وحشت سی نظر آ رہی تھی۔

''کیا ہوا ماں..... تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟'' میں نے پوچھا۔

''وہ..... وہ مورتی..... آؤ میرے ساتھ اندر آؤ۔'' وہ کہتے ہوئے راہداری کی طرف مڑ گئی۔

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

میں کمرے میں آئی تو ہمارا سامان بیڈ پر بکھرا ہوا تھا اور خالی سوٹ کیس بھی ایک طرف پڑا تھا۔ جب ہم اپنے گھر سے فرار ہوئی تھیں تو ماں نے چند کپڑے ضرورت کی کچھ چیزیں اور مورتی والا ڈبہ ایک پوٹلی میں باندھ لیا تھا۔ خانم کے گھر آنے کے بعد اس نے ماں کو ایک سوٹ کیس دے دیا تھا۔ مجھے اور ماں کو بہت سارے کپڑے بھی دیئے تھے۔

تمام چیزیں بیڈ پر بکھری ہوئی تھیں۔ ایک طرف مورتی والا ڈبہ بھی پڑا ہوا تھا۔ لیکن وہ خالی تھا۔ میں بکھری ہوئی چیزوں کو دیکھنے لگی۔ مگر شہزادی کی مورتی کہیں دکھائی نہیں دی۔

''کیا بات ہے ماں؟'' میں نے پوچھا۔ ''تم اتنی پریشان کیوں ہو؟ یہ سب کچھ کیوں پھیلا رکھا ہے اور شہزادی کی مورتی کہاں ہے؟''

''وہ.....وہ مورتی ہی تو نہیں ہے۔'' ماں نے جواب دیا۔

''کیا.....؟'' میں اچھل پڑی۔ ''کہاں گئی.....تم نے سوٹ کیس ہی میں تو رکھی تھی۔'' میں نے جھپٹ کر ڈبہ اٹھا لیا اور اسے اس طرح الٹ پلٹ کر دیکھنے لگی جیسے مجھے مورتی نہیں کسی کاغذ کی تلاش تھی جو شاید ڈبے سے چپک گیا ہو۔

''تین دن پہلے یہ ڈبہ میں نے سوٹ کیس ہی میں رکھا تھا۔'' ماں نے جواب دیا۔ ''اس دوران سوٹ کیس کھولنے کی ضرورت بھی پیش نہیں آئی۔ اس وقت میں اپنے کپڑے نکال رہی تھی تو دیکھا یہ ڈبہ خالی ہے۔''

''کہاں جا سکتی ہے مورتی؟'' میں نے کہا۔ ''شاید کوٹھی کی کسی خادمہ نے چرائی ہو۔''

''نہیں۔ کوئی خادمہ ایسی حرکت نہیں کر سکتی۔'' ماں نے جواب دیا۔

''ہمیں ولادت خانم کی ہمدردی مہنگی پڑی۔ اس مورتی سے تو میں نے بہت سی امیدیں وابستہ کر رکھی تھیں۔ وہ بھی ہاتھ سے گئی۔''

''آپ کا مطلب ہے وہ مورتی خانم نے چرائی ہوگی؟'' میں نے الجھی ہوئی نظروں سے ماں کی طرف دیکھا۔

''میں نے تمہیں پہلے ہی کہا تھا کہ کوئی بلاوجہ کسی سے ہمدردی کا اظہار نہیں کرتا۔'' ماں نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔ ''ہم پر تو ویسے ہی دو آدمیوں کے قتل کا الزام ہے۔ ہمیں پناہ دینا تو اپنی موت کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔ اس رات خانم نے ہمیں مظلوم جان کر اپنے گھر میں پناہ دی تھی لیکن دوسرے روز جب ہمارے بارے میں انکشافات ہوئے تھے تو خانم کو تو ہمیں اپنے گھر سے رخصت کر دینا چاہئے تھا یا وہ ہمیں پولیس کے حوالے کر دیتی لیکن ہماری کہانی کے ساتھ خزانے کی گنج بھی لگی ہوئی تھی۔ خانم کو بھی یقین ہوگا کہ ہمارے پاس کوئی خزانہ موجود ہے اور شہزادی کی وہ مورتی ہی اصل خزانہ تھی، جو ہم سے چھن گئی۔''

''اب کیا ہوگا ماں؟'' میں نے پوچھا۔ میرے دماغ میں سنسناہٹ ہو رہی تھی۔ ہم نے خانم پر بھروسہ کیا تھا اور خانم نے ہمیں اس طرح دھوکا دیا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔

''ہمارے ساتھ دھوکا ہوا ہے بیٹی۔'' ماں نے جواب دیا۔ ''اب بات میری سمجھ آ رہی ہے۔ اس

رات خانم نے انسانی ہمدردی کی بنیاد پر ہمیں پناہ نہیں دی تھی۔ تم اس کی نظروں میں آ گئی تھیں۔ وہ تو تم پر قبضہ کرنا چاہتی تھی۔ خزانے والا معاملہ تو اتفاق سے بیچ میں آ گیا تھا۔ یہاں بھی ہمیں دھوکے سے لایا گیا ہے۔ اب میں اس کا مطلب سمجھ گئی ہوں۔''

''میں نہیں سمجھی ماں۔'' میں نے الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا اور یہ بات میں واقعی نہیں سمجھ سکی تھی کہ ولادت خانم مجھ پر قبضہ کیوں کرنا چاہتی تھی۔ لیکن جو بات ماں سوچ رہی تھی وہ اس وقت میرے ذہن میں نہیں تھی۔

''تم ابھی سمجھو گی بھی نہیں۔'' ماں نے کہا۔ ''اب ہمیں یہاں سے نکلنا ہوگا۔ ہر صورت میں۔ میں ولادت خانم کو اچھی طرح سمجھ گئی ہوں۔ وہ کوئی شریف عورت نہیں ہے۔ آج رات.....آج رات ہم یہاں سے نکل جائیں گے۔''

''کہاں جائیں گے ماں؟'' میں نے کہا۔ ''یہ جگہ سڑک سے میلوں دور ہے۔ ہمیں راستہ بھی معلوم نہیں۔ اگر ہم کسی طرح ہائی وے پر پہنچ بھی گئے تو کہاں جائیں گے؟''

''کہیں بھی چلے جائیں گے لیکن یہاں رہ کر میں تمہیں اپنی آنکھوں کے سامنے برباد ہوتے نہیں دیکھ سکتی۔'' ماں نے جواب دیا اور بستر پر بکھری ہوئی چیزیں اور کپڑے سوٹ کیس میں ٹھونسنے لگی۔

ماں کی اس بات نے مجھے پہلی مرتبہ چونکنے پر مجبور کر دیا تھا۔ میں بھلا کیسے برباد ہو سکتی ہوں۔ خانم میرا کتنا خیال رکھتی تھی۔ مجھے شہزادیوں کی طرح بنا سنوار کر رکھتی تھی۔ میں آئینے کے سامنے کھڑی ہوتی تو اپنے آپ کو واقعی شہزادی سمجھنے لگتی۔ لیکن ماں کے ذہن میں ایسی باتیں پتا نہیں کیوں آ رہی تھیں۔ خانم نے اگر ہمارے سامان سے وہ مورتی چرائی تھی تو بہت برا کیا تھا۔ اس سے اس سلسلے میں بات کی جا سکتی تھی۔ اس سے مورتی کی واپسی کا مطالبہ کیا جا سکتا تھا۔ اور جب یہی بات میں نے ماں سے کہی تو وہ گہرا سانس لیتے ہوئے بولی۔

''اس مورتی کو اب بھول جاؤ۔ عزت اور جان سے زیادہ قیمتی کوئی چیز نہیں ہوتی۔ ہمیں آج رات ہر صورت یہاں سے نکلنا ہے۔''

''ٹھیک ہے ماں۔'' میں نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔

ماں نے سوٹ کیس اٹھا کر الماری کے اوپر رکھ دیا اور خود پلنگ پر ڈھیر ہو گئی۔ میں بھی اس کے پاس لیٹ گئی۔ جب ہم بوم شہر سے نکلے تھے تو میں چھ سات سال کی تھی مجھے اچھی طرح یاد تھا بوم میں ہمارا گھر بہت بڑا اور شاندار ہوا کرتا تھا۔ میرے والد کا بہت وسیع کاروبار تھا۔ دولت کی ریل پیل تھی۔ کسی چیز کی کمی نہیں تھی۔ لیکن ہمیں سب کچھ چھوڑ کر وہاں سے بھاگنا پڑا۔

بندر عباس میں کئی سال گزرے تھے۔ میرے والد محنت مزدوری کرتے تھے۔ عیش و آرام قصہ پارینہ بن چکا تھا۔ ہمارا گزارا بڑی تنگ دستی میں ہوتا تھا لیکن بابا اور ماں اس پر بھی مطمئن تھے۔ پریشانیوں کے باوجود ان کے لبوں پر کبھی حرف شکایت نہیں آیا تھا۔

پھر شہزادی کی وہ تاریخی مورتی ہماری زندگی میں داخل ہوئی۔ اسی مورتی کے لیے میرے بابا کو قتل کر دیا گیا اور ہمیں بھی اس شہر سے بھاگنا پڑا۔ ماں نے بتایا تھا کہ وہ تاریخی مورتی بہت قیمتی تھی۔ اس کی

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

فروخت سے ہمیں لاکھوں ریال مل سکتے تھے۔ لیکن فوری طور پر اسے فروخت کرنے کی کوشش کرنا خطرے سے خالی نہیں تھا۔ ماں نے وہ مورتی چولہے کے نیچے گڑھا کھود کر چھپا دی تھی اس جگہ پر کسی کو شبہ نہیں ہو سکتا تھا۔

ہمیں ابادان میں رہتے ہوئے بھی تقریباً ڈھائی سال ہو چکے تھے۔ یہ خوفناک واقعہ پیش آنے سے چند روز پہلے ہی ماں نے کہا تھا کہ ہم لوگ اہواز چلے جائیں گے اور وہاں مورتی فروخت کرنے کی کوشش کریں گے۔ لیکن اس رات وہ افسوسناک واقعہ پیش آ گیا جس نے میری زندگی کا رُخ بدل دیا۔

ماں کا خیال تھا کہ ڈھائی سال بعد وہ لوگ ہمیں اور اس مورتی کو بھول چکے ہوں گے لیکن انہوں نے ہماری تلاش جاری رکھی اور بالآخر ہمیں ڈھونڈ نکالا تھا۔

اس وقت میری عمر پندرہ سولہ سال کے لگ بھگ رہی ہوگی۔ ماں نے مجھے ہمیشہ لوگوں کی نظروں سے چھپا کر رکھا تھا۔ میں بہت بزدل تھی۔ کسی اجنبی سے بات کرتے ہوئے میرے دل پر خوف سا طاری ہو جاتا تھا لیکن اس رات نجانے میرے اندر اتنا حوصلہ کہاں سے آ گیا تھا کہ میں نے ان دونوں کو ڈھیر کر دیا۔ ہم اپنے گھر سے بھاگے تو ولادت خانم کے ہتھے چڑھ گئے۔

ماں شروع ہی سے ولادت خانم کے بارے میں شکوک و شبہات میں مبتلا تھی۔ جبکہ میں خانم کو بہت اچھا سمجھتی تھی۔ لیکن ماں کے شبہات درست نکلے۔

ہمیں بعد میں پتا چلا کہ ٹوٹی ہوئی ناک والے کو ہماری نگرانی کے لیے وہاں چھوڑا گیا تھا۔ اس کا نام خرم تھا۔ اس روز دوپہر کے کھانے کے بعد میں اور ماں کھیتوں میں ٹہلتی ہوئی دور نکل گئیں۔ ہمارا رُخ چند گھروں پر مشتمل اس چھوٹی سی بستی کی طرف تھا جو کھیتوں کے دوسری طرف واقع تھی۔ یہ کھیتوں میں کام کرنے والے کسانوں کی بستی تھی۔ ہم نے ابھی نصف فاصلہ طے کیا ہوگا کہ اچانک ہی خرم نے ہمارے سامنے آ کر راستہ روک لیا۔ یہاں مکئی کی فصل کافی اونچی تھی اور وہ کھیتوں ہی کھیتوں میں ہماری نگرانی کرتا ہوا ہم سے آگے نکل گیا تھا اور اچانک ہی تنگ سی پگڈنڈی پر نمودار ہو کر ہمارا راستہ روک لیا۔

''تم لوگ یہاں سے آگے نہیں جا سکتیں۔ واپس چلی جاؤ۔'' اس نے پہلی بار ہم دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ اس کے لہجے میں درشتگی نمایاں تھی۔

''ہم اس بستی تک جا رہے ہیں۔ گھوم پھر کر واپس آ جائیں گے۔ ہمارے راستے سے ہٹ جاؤ۔'' ماں نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

''بستی کی طرف جانا مناسب نہیں ہے۔'' خرم نے جواب دیا۔ ''میں تم لوگوں کو یہاں سے آگے جانے کی اجازت نہیں دے سکتا۔''

''تم ہمیں روکنے والے کون ہوتے ہو؟ ہٹو راستے سے۔'' میں نے آگے بڑھ کر دھکا دیتے ہوئے اسے راستے سے ہٹانے کی کوشش کی۔

خرم پگڈنڈی پر لڑکھڑا کر سنبھل گیا۔ اس کی بھنویں تن گئی تھیں۔

''مجھے سختی پر مجبور نہ کرو خانم۔ تم اس بستی کی طرف نہیں جا سکتیں۔'' اس مرتبہ اس کے لہجے میں ہلکی سی غراہٹ تھی۔

''سختی! کیا کرو گے تم؟'' میں نے کھا جانے والی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

خرم بھی چند لمحے خونخوار نظروں سے ماں کی طرف دیکھتا رہا اور پھر اس نے اچانک ہی ماں کے منہ پر زوردار تھپڑ رسید کر دیا۔ ماں چیخ کر نیچے گری۔ میں نے جلدی سے جھک کر ماں کو سہارا دے کر اٹھایا۔ اس کے گال پر خرم کی انگلیوں کے نشان بن گئے تھے۔

میری آنکھوں میں خون اتر آیا۔ اس ذلیل آدمی کی یہ جرأت! دوسرے ہی لمحے میں خرم پر جھپٹ پڑی اور چیختے ہوئے اس کا منہ نوچنے لگی۔ خرم کے چہرے پر میرے ناخنوں سے چند خراشیں آئیں اور پھر اس نے مجھے اٹھا کر پودوں میں پٹخ دیا۔ میں اٹھ کر پھر اس پر جھپٹی۔

ہم دونوں میں باقاعدہ دھینگا مشتی ہونے لگی تھی۔ میری قمیص پھٹ گئی لیکن میں نے خرم کو نہیں چھوڑا اور اسے ناخنوں سے نوچنے کی کوشش کرتی رہی۔ اس کی قمیص بھی پھٹ چکی تھی۔

ماں کچھ دیر زمین پر پڑی اپنا گال سہلاتی رہی پھر وہ بھی اٹھ کر خرم پر پل پڑی۔ خرم نے ماں کے پیٹ پر زوردار لات مار دی۔ وہ چیختی ہوئی پودوں میں گری۔ لیکن اپنی تکلیف کی پروا کیے بغیر اٹھ کر دوبارہ خرم پر جھپٹی۔

خرم ہٹا کٹا بدمعاش آدمی تھا۔ اور ہم دونوں کمزور عورتیں۔ ہم اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھیں اور پھر رزقی بھی ہماری چیخیں سن کر دوڑتا ہوا وہاں پہنچ گیا۔ میرا خیال تھا کہ رزقی ہماری مدد کرے گا لیکن وہ بھی ہمارا دشمن ہی نکلا۔ اس نے ماں کو بالوں سے کھینچ کر خرم سے الگ کیا اور وہ دونوں ہمیں گھسیٹتے ہوئے فارم ہاؤس میں لے آئے اور ہمارے کمرے میں دھکیل دیا گیا۔

''اگر تم دونوں میں سے کسی نے فارم ہاؤس سے باہر قدم رکھنے کی کوشش کی تو کتے چھوڑ دوں گا تم پر۔'' خرم نے کہا۔ اس کے لہجے میں بھیڑیے کی سی غراہٹ تھی۔

ماں بستر پر گری گئی تھی۔ اس نے سر کو دونوں ہاتھوں میں تھام رکھا تھا اور وہ ہولے ہولے کراہ رہی تھی۔ میں ماں کے پاس بیٹھ گئی اور اس کا سر اور جسم دبانے لگی۔

اپنی بے بسی پر میرا خون کھول رہا تھا۔ ماں کی باتیں اب میری سمجھ میں آ رہی تھیں۔ ولادت خانم واقعی کوئی شریف عورت نہیں تھی۔ وہ ہمیں دھوکے سے یہاں لے آئی تھی اور ہماری حیثیت یہاں قیدیوں کی سی تھی۔ سہراب اور رزقی تو پہلے ہی سے یہاں موجود تھے اور خرم جیسے مشٹنڈے کو بھی ہماری نگرانی کے لیے یہاں چھوڑا گیا تھا۔

کھیتوں میں ان لوگوں سے دھینگا مشتی میں ماں کے کپڑے بھی پھٹ گئے تھے اور اس کے چہرے اور گردن پر کچھ خراشیں بھی آئی تھیں۔ میں نے کمرے کا دروازہ بند کر دیا۔ سوٹ کیس میں سے اپنے اور ماں کے لیے دوسرے کپڑے نکالے اور باتھ روم میں سے اینٹی سپٹک لوشن لے آئی۔ پہلے ماں کے جسم پر آنے والی خراشوں پر لوشن لگایا پھر اس کے کپڑے تبدیل کرائے اور پھر اپنے کپڑے تبدیل کرنے لگی۔ میری بانہوں اور گردن پر بھی پودوں سے چند خراشیں آئی تھیں۔ میں نے بھی خراشوں پر لوشن لگا لیا اور ماں کے پاس بیٹھ گئی۔ ماں کی حالت دیکھ کر میری آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔

میں جیسے جیسے سوچتی رہی میرا ذہن الجھتا رہا۔ میری تو سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ہوگا کیا۔ ماں نے

www.pdfbooksfree.pk

کہا تھا کہ خانم مجھ پر قبضہ کرنا چاہتی ہے۔ اس وقت میں ماں کی اس بات کو وہم اور اس کا بے بنیاد خدشہ سمجھی تھی لیکن اب اس میں کوئی شک وشبہ نہیں رہا تھا کہ خانم کی نیت شروع ہی سے خراب تھی۔ وہ ہمیں یہاں اس لیے لے کر آئی تھی کہ ہم کہیں جانے کی کوشش نہ کریں۔ یہ جگہ ہائی وے سے میلوں دور تھی اور ہماری نگرانی بھی کی جارہی تھی۔

اس واقعہ کے بعد یہاں سے فرار کی ساری امیدیں بھی ختم ہوگئی تھیں۔ خرم نے وارننگ دے دی تھی کہ اگر ہم نے اس فارم ہاؤس سے باہر نکلنے کی کوشش کی تو وہ ہم پر کتے چھوڑ دے گا۔ یہاں کے کتوں کو میں دیکھ چکی تھی۔ بڑے خونخوار قسم کے تھے۔ ہماری وجہ سے صبح سے انہیں باندھ کر رکھا گیا تھا لیکن اب شاید انہیں کھول دیا گیا تھا کیونکہ ان کی آوازیں مختلف سمتوں سے سنائی دے رہی تھیں۔

شام ہوچکی تھی۔ کمرے میں بھی اندھیرا پھیل گیا تھا۔ لیکن میں نے اٹھ کر بتی نہیں جلائی تھی۔

شاید آٹھ بجے کا وقت تھا۔ دروازے کو پہلے باہر سے ہینڈل گھما کر کھولنے کی کوشش کی گئی پھر زور زور سے دھڑ دھڑایا گیا۔ میں نے دروازے کو اندر سے لاک کر رکھا تھا۔ لیکن جب دروازہ بار بار دھڑ دھڑایا جانے لگا تو پہلے اٹھ کر بتی جلائی اور پھر لاک تاب ہٹا دی۔

رزقی اور خرم کمرے میں داخل ہوئے۔ رزقی نے کھانے کی ٹرے اٹھا رکھی تھی جو اس نے آگے بڑھ کر میز پر رکھ دی۔ خرم بیڈ کے قریب آ گیا اور ماں کی طرف دیکھتے ہوئے طنزیہ لہجے میں بولا۔

''اگر تمہارا دماغ ٹھیک ہوگیا ہو تو اٹھ کر کھانا کھالو۔''

ماں نے اس کی طرف دیکھا اور پھر بڑی تیزی سے اٹھ گئی۔ اس کے ساتھ ہی اس نے بیڈ سائیڈ ٹیبل پر رکھا ہوا گلدان اٹھا کر اس پر حملہ کردیا۔ وہ اس کے سر پر وار کرنا چاہتی تھی لیکن خرم نے بڑی پھرتی سے ایک طرف جھک کر اپنا سر بچالیا۔ گلدان اس کے کندھے پر لگا۔ ماں کو دوسرا وار کرنے کا موقع نہیں مل سکا۔ خرم نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور دوسرے ہاتھ سے ماں کے منہ پر زوردار تھپڑ مار دیا۔ ماں چیخ اٹھی۔ خرم نے اس کے ہاتھ سے گلدان چھین کر فرش پر پھینک دیا اور اسے کھینچ کر پلنگ سے نیچے گرادیا۔

''تم ایسے نہیں مانو گی۔'' وہ بھیڑیے کی طرح غرا رہا تھا۔ ''میں نے تو سوچا تھا کہ کل خانم کے آنے تک انتظار کرلیا جائے لیکن تم اپنی شامت کو خود دعوت دے رہی ہو۔ اب ہمیں خانم کی اجازت کی بھی ضرورت نہیں۔ تمہاری بیٹی کے حسن وشباب سے فیض یاب ہونے کی حسرت تو شاید حسرت ہی رہے لیکن تم بھی تو اس سے کم نہیں ہو..... آج ہم تم پر دعوت اڑائیں گے۔ اس طرح تمہارا دماغ ٹھکانے پر آجائے گا۔ اور ساری اکڑفوں ختم ہوجائے گی۔''

یہاں میں تمہیں یہ بھی بتاتی چلوں کہ میری ماں کی اور میری عمر میں صرف پندرہ سولہ برس کا فرق تھا۔ اس کی شادی کم عمری میں ہوگئی تھی اور میں اس کی پہلی اور واحد اولاد تھی۔ وہ اس وقت بیس کے لگ بھگ ہوگی۔ اکثر لوگ ہمیں ماں بیٹی نہیں' بہنیں سمجھتے تھے۔

خرم میری ماں کو گھسیٹتا ہوا دروازے کی طرف لے جارہا تھا۔ میں نے بھی پلنگ سے چھلانگ لگا دی اور ماں کو اس کے شکنجے سے چھڑانے کی کوشش کرنے لگی۔ قریب کھڑے ہوئے رزقی نے مجھے دبوچ لیا۔ خرم میری ماں کو باہر لے گیا۔ رزقی نے مجھے دھکا دے کر پلنگ پر گرادیا اور دوڑ کر کمرے سے باہر نکل

aazzamm@yahoo.com

گیا۔ میں نے بھی پلنگ سے چھلانگ لگا دی لیکن دروازے دھڑ سے بند ہوگیا اور باہر سے کنڈا لگادیا گیا۔ میں دروازے پر مکے برسانے لگی۔

باہر سے ماں کی چیخوں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ وہ دونوں اسے گھسیٹتے ہوئے لے جارہے تھے۔ میں کمرے کی عقبی کھڑکی کی طرف لپکی لیکن کھڑکی میں موٹی موٹی آہنی سلاخیں لگی ہوئی تھیں۔ میں دوبارہ دروازے کی طرف لپکی۔ پہلے ہینڈل گھما کر دروازہ کھولنے کی کوشش کرتی رہی پھر مکے برسانے لگی۔ لیکن دروازے کو نہ کھلنا تھا نہ کھلا۔

باہر میری ماں کی چیخیں گونج رہی تھیں اور کمرے میں' میں چلا رہی تھی۔ لیکن ہماری چیخیں سننے والا کوئی نہیں تھا۔ باہر کچھ دیر تک ماں کی چیخیں سنائی دیتی رہیں پھر آواز معدوم ہوگئی۔ اور میں بھی چیختے چیختے نڈھال ہوکر گر پڑی۔ اور اپنی بے بسی پر آنسو بہانے لگی۔

رات کو میری ماں واپس نہیں آئی۔ میں رات بھر دروازے کے قریب ہی پڑی روتی رہی۔ مجھے بھی کسی نے آ کر نہیں پوچھا تھا۔ صبح بھی میں نے اپنی ماں کو نہیں دیکھا تھا۔ دوپہر بارہ بجے کے قریب میرے کمرے کا دروازہ کھلا۔ خرم کے ساتھ والدت خانم کو دیکھ کر میں اچھل کر کھڑی ہوگئی۔ ہم پر یہ ساری مصیبت اسی عورت کی وجہ سے نازل ہوئی تھی۔ نہ یہ ہمارے ساتھ دھوکا کرتی' نہ ہم اس مصیبت میں مبتلا ہوتے۔

خانم میرے سامنے کھڑی تھی۔ اس کے ہونٹوں پر بڑی مکروہ مسکراہٹ تھی۔ حالانکہ یہی مسکراہٹ مجھے بہت اچھی لگا کرتی تھی۔ لیکن اب تو اسے دیکھ کر میرا خون کھولنے لگا تھا۔ میں نے لپک کر اسے گلے سے دبوچ لیا۔

''مم..... میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گی۔ تم نے ہمارے ساتھ دھوکا کیا ہے۔ میری ماں کہاں ہے..... بتاؤ میری ماں کہاں ہے۔ میں زندہ نہیں چھوڑوں گی۔ مار ڈالوں گی تمہیں.....'' میں چیختے ہوئے اسے زور زور سے جھٹکے دے رہی تھی۔

خانم اپنے آپ کو چھڑانے کی کوشش کرنے لگی۔ میں نے ایک اور زوردار جھٹکا دیا تو وہ لڑکھڑا کر نیچے گری۔ میں اس کے اوپر لد گئی۔ خرم نے جلدی سے آگے بڑھ کر مجھے بانہوں کے حصار میں جکڑ لیا اور پیچھے کھینچنے لگا۔ اس نے مجھے اٹھا کر پلنگ پر پٹخ دیا اور منہ پر دو تین طمانچے مار دیئے۔ میں بری طرح چیخ اٹھی۔ طمانچے بڑے زوردار تھے۔ میرا دماغ جھنجھنا کر رہ گیا۔

خانم اٹھ کر کھڑی ہوگئی تھی۔ اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا۔ وہ ایک ہاتھ سے گلا سہلا رہی تھی۔ اس کا گلا سرخ ہوگیا تھا۔ اگر مجھے ایک منٹ اور مل جاتا تو میں اسے مار ہی ڈالتی۔

''اس کتیا کو دوسرے کمرے میں لے جا کر بند کردو اور بھوکا رکھو اسے۔'' خانم غراتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ ''میری احسان مند ہونے کے بجائے مجھے مارنے کی کوشش کررہی ہے۔ میں اسے وہ سبق سکھاؤں گی کہ زندگی بھر یاد رکھے گی۔''

خرم مجھے گھسیٹتا ہوا ایک اور کمرے میں لے گیا جہاں فرش پر سفید قالین بچھا ہوا تھا اور فرنیچر نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ دروازہ بند کر کے باہر سے تالا لگا دیا گیا۔ اس کمرے میں پچھلی طرف ایک کھڑکی تھی

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

جس میں لوہے کی سلاخیں لگی ہوئی تھیں۔

میں قالین پر پڑی روتی رہی۔ تقریباً دو گھنٹے بعد باہر کسی گاڑی کا انجن سٹارٹ ہونے کی آواز سنائی دی۔ میں اٹھ کر دروازے پر گھونسے برسانے لگی۔ لیکن کسی نے اس طرف توجہ نہیں دی۔ گاڑی کے انجن کی آواز سے اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ وہ وہاں سے رخصت ہو چکی ہے۔ مجھے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ خانم واپس چلی گئی ہے۔

میں قالین پر پڑی روتی رہی اور وقت گزرتا رہا۔ دوپہر کے بعد سورج فارم ہاؤس کے عقب کی طرف آ گیا جس سے دھوپ کھڑکی کے راستے اندر آنے لگی۔

دوپہر ڈھل گئی۔ سورج غروب ہو رہا تھا۔ میں کھڑکی کے سامنے کھڑی ڈوبتے ہوئے سورج کو دیکھتی رہی۔ میری قسمت کا سورج غروب ہو رہا تھا۔

سورج غروب ہونے کے بعد کمرے میں بھی اندھیرا ابھر گیا۔ میں نے بتی جلا لی اور دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔ میرے آنسو تھے کہ رُکنے کا نام نہیں لے رہے تھے۔ میں ضبط کی کوشش کرتی تو دل بھر آتا اور خود بخود سسکیاں خارج ہونے لگتیں۔

میں بار بار ماں کے بارے میں سوچتی رہی۔ پتا نہیں اس بے چاری کے ساتھ ان ظالموں نے کیا سلوک کیا تھا۔ وہ زندہ بھی تھی یا..... میں اس سے آگے کچھ سوچنا نہیں چاہتی تھی۔

رات گہری ہوتی جا رہی تھی۔ میں نے کل دوپہر کے بعد کچھ نہیں کھایا تھا اور اس وقت بھوک پیاس سے میری حالت بری ہو رہی تھی۔ بھوک تو میں دو دن اور برداشت کر سکتی تھی لیکن پیاس ناقابل برداشت ہو رہی تھی۔ حلق میں کانٹے پڑ رہے تھے اور زبان لکڑی کی طرح سوکھ گئی تھی۔

آدھی رات ہو چکی تھی۔ ہر طرف سناٹا تھا۔ میں کبھی کھڑکی کے سامنے کھڑی ہو کر تاریک سناٹے میں گھورنے لگتی اور کبھی دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ جاتی اور سسکیاں بھرنے لگتی۔

پیاس ناقابل برداشت ہو گئی تھی۔ میں اٹھ کر دروازے پر گھونسے برسانے لگی۔ دروازے کی دھڑ دھڑاہٹ اور میرے چیخنے کی آواز سن کر تقریباً پندرہ منٹ بعد راہداری میں قدموں کی آواز سنائی دی اور پھر دروازہ کھل گیا۔ رزقی اور سہراب سامنے کھڑے تھے۔

''کیا بات ہے۔ کیوں چیخ رہی ہو؟'' رزقی غرایا۔ اس کے ہاتھ میں پستول تھا۔ اس کے پیچھے کھڑے ہوئے سہراب کے ہاتھ میں بھی پستول نظر آ رہا تھا۔

''پانی..... خدا کے لیے مجھے پپ..... پانی دے دو.....'' میرے حلق سے آواز بھی اٹک اٹک کر نکل رہی تھی۔

رزقی چند لمحے میری طرف دیکھتا رہا پھر اس نے سہراب کو اشارہ کیا۔ وہ چند منٹ میں پانی سے بھرا ہوا پلاسٹک کا جگ لے آیا۔ اس نے جگ میرے ہاتھ میں تھما دیا۔

''پانی پی کر سو جاؤ۔ ہماری نیند حرام کرنے کی کوشش مت کرو۔'' رزقی نے کہا۔

''مم..... میری ماں کہاں ہے۔ خدا کے لیے مجھے بتا دو۔ تم لوگوں نے اس کے ساتھ کیا کیا ہے؟'' میں نے کہا۔

''اس کے ساتھ وہی ہوا ہے جو ہونا چاہئے تھا۔ اگر تمہیں اپنی جان عزیز ہے تو آرام سے یہاں پڑی رہو۔'' رزقی نے جواب دیا اور دھڑ سے دروازہ بند کر دیا۔

باہر سے تالا لگائے جانے کی آواز سنائی دی۔ میں پیچھے ہٹ گئی۔ جگ سے منہ لگا کر چند گھونٹ پانی پیا۔ جگ ایک طرف رکھ دیا اور دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔ ماں کا خیال آتے ہی میری آنکھوں سے ایک بار پھر آنسو جاری ہو گئے۔

رات کے آخری پہر میں سو گئی اور جب بیدار ہوئی تو کمرے میں دن کی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ میں نے اٹھ کر کھڑکی سے باہر دیکھا۔ تیز دھوپ چمک رہی تھی۔ میرا خیال ہے دس بجے کا وقت ہو گا۔

مجھ سے زیادہ دیر نہیں کھڑا ہوا گیا۔ فاقے کا آج تیسرا دن تھا۔ پیٹ میں شدید اینٹھن ہو رہی تھی اور کمزوری کی وجہ سے ٹانگیں کپکپانے لگی تھیں۔ میں ایک بار پھر دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی اور جگ اٹھا کر پانی پینے لگی۔ لیکن چند گھونٹ سے زیادہ نہیں پی سکی۔ پیٹ میں درد ہونے لگا تھا۔

وقت گزرتا رہا اور میرے پیٹ میں تکلیف بڑھتی رہی۔ میں نے کبھی کھانے کا ایک وقت کا فاقہ بھی نہیں کیا تھا۔ ماں میرے کھانے پینے کا بہت خیال رکھتی تھی۔ ٹھیک وقت پر کھانا کھانے کے علاوہ بھی میں بیچ نہ کچھ کھاتی ہی رہتی تھی اور آج تیسرے دن کی دوپہر ہو رہی تھی۔ مجھے لگتا تھا شاید یہ لوگ مجھے بھوکا رکھ کر مار دیں گے۔

دوپہر ڈھل رہی تھی۔ باہر کسی گاڑی کے رُکنے کی آواز سن کر میں نے اپنی جگہ سے اٹھنا چاہا تو لڑکھڑا کر گر پڑی۔ کمزوری اتنی ہو گئی تھی کہ کھڑے ہونے کی سکت بھی نہیں رہی تھی۔ خالی پیٹ بار بار پانی پینے سے پیٹ کا درد بڑھتا جا رہا تھا اور اس وقت میں نے پانی کا ایک گھونٹ بھرنے کے لیے جگ اٹھانا چاہا تو وہ میرے ہاتھ سے چھوٹ گیا اور سارا پانی قالین پر بہہ گیا۔

میں اپنے آپ کو گھسیٹتی ہوئی دروازے کے قریب ہو گئی۔ میں چیخنا چاہتی تھی لیکن منہ سے آواز نہیں نکل رہی تھی۔ جسم میں اتنی سکت نہیں رہی تھی کہ ہاتھ کو حرکت دے کر دروازہ کھٹکھٹا سکوں۔ میں نیم مردہ سی دروازے سے چند فٹ دور فرش پر پڑی رہی۔

اور پھر راہداری میں قدموں کی آواز سنائی دینے لگی۔ وہ آواز دروازے کے سامنے رُک گئی۔ ایک منٹ بعد دروازہ کھل گیا۔ میں نے بڑی مشکل سے سر اٹھا کر دیکھا۔ خرم اور رزقی کے ساتھ خانم بھی تھی۔ اس کے گلے پر کپڑا لپٹا ہوا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر اس وقت بھی پہلے کی طرح شیطانی مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ میرا خون کھولنے لگا۔ لیکن ظاہر ہے میں اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی تھی۔

''میرا خیال ہے اب تمہارے ہوش ٹھکانے آ چکے ہوں گے۔'' خانم نے دروازے کے اندر داخل ہوتے ہوئے کہا۔ لیکن وہ مجھ سے دور ہی رہی تھی۔ شاید اسے یہ خدشہ ہو کہ میں اس پر جھپٹ نہ پڑوں۔

''مم..... میری ماں کہاں ہے.....؟'' آواز میرے حلق میں پھنس رہی تھی۔

''بھول جاؤ اسے!'' خانم نے جواب دیا۔ ''کتے اور بھیڑیے اسے کھا چکے ہوں گے۔ کھیتوں میں کہیں اس کی ہڈیاں پڑی ہوں گی۔ کبھی موقع ملا تو دیکھ لینا۔''

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

میرے ہونٹوں سے سسکیاں خارج ہونے لگیں۔ وہ کتنی بے دردی سے میری ماں کی موت کا ذکر کررہی تھی۔ کتنی سفاکی تھی اس کے لہجے میں۔

''میری ماں نے تمہارا کیا بگاڑا تھا۔ کیوں اتنا ظلم کیا تم نے اس پر؟'' میں نے رُک رُک کر کہا۔

''اس نے خرم کے ساتھ بدتمیزی کی تھی جس کی اسے سزا ملی۔'' خانم نے جواب دیا۔ ''تم نے میرا گلا گھونٹنے کی کوشش کی تھی۔ مجھے اب تک تکلیف ہورہی ہے۔ تمہاری جگہ کوئی اور ہوتی تو اس کی لاش بھی کتے کھا چکے ہوتے۔ لیکن میں نے تمہیں زندہ رکھا کیونکہ تم ایسی چیز نہیں ہو کہ جسے ضائع کردیا جائے۔ تمہارے لیے تو میں نے اتنا بڑا خطرہ مول لیا تھا۔ یہ جاننے کے بعد بھی کہ تم دو آدمیوں کو قتل کرچکی ہو۔ پاسداران اور رضاکار مراد کے آدمی تم ماں بیٹی کو شکاری کتوں کی طرح تلاش کررہے ہیں۔ میں نے تمہیں اپنے گھر میں چھپائے رکھا۔ اگر تم ماں بیٹی کو میرے گھر سے برآمد کرلیا جاتا تو تمہارے ساتھ تو جو ہوتا سو ہوتا مجھے بھی فائرنگ سکواڈ کے سامنے کھڑا کردیا جاتا۔ میں نے تمام خطرات مول لیے' صرف تمہاری خاطر..... اس رات تمہیں سڑک پر دیکھتے ہی میں نے ایک فیصلہ کرلیا تھا اس لیے تم لوگوں کو اپنے گھر لے آئی تھی۔ اگر تم نے اس ملک کے سب سے بڑے انقلابی لیڈر کو بھی قتل کردیا ہوتا تو میں تم سے دستبردار نہ ہوتی۔''

''کیوں..... آخر کیوں..... یہ ظلم کیوں کررہی ہو تم؟'' میں نے کہا۔

''یہ ظلم نہیں۔'' خانم مسکرائی۔ ''تمہیں تھوڑا سا سبق دینے اور تمہیں راہِ راست پر رکھنے کے لیے ہلکی سی سزا دی گئی ہے۔ اس کے بعد اگر تم نے کوئی گڑبڑ کرنے کی کوشش کی تو اس سے بھی کڑی سزا دی جائے گی۔''

اس نے دروازے کے باہر کھڑے ہوئے سہراب کو اشارہ کیا۔ سہراب اندر آ گیا۔ اس کے ہاتھ میں شیشے کا گلاس تھا جس میں مشروب بھرا ہوا تھا۔ قریب بیٹھ کر اس نے گلاس میرے ہونٹوں سے لگا دیا۔ ایک دو گھونٹ پینے کے بعد میں نے گلاس اس سے لے لیا اور ایک ہی سانس میں سارا مشروب پی گئی۔ مشروب میٹھا اور خوش ذائقہ تھا۔ مجھے اپنے اندر توانائی کا احساس ہونے لگا۔ پیٹ کی اینٹھن ختم ہوگئی۔ خانم نے خرم کو اشارہ کیا اس نے جھک کر مجھے اٹھانا چاہا تو میں نے اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔ اور خود ہی اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔ لیکن ٹانگوں میں اتنی نقاہت تھی کہ میرے جسم کا بوجھ نہ سہار سکیں اور میں لڑکھڑا کر رہ گئی۔ خرم نے جلدی سے آگے بڑھ کر مجھے سنبھال لیا لیکن میں نے ایک بار پھر اسے دھکا دے کر پیچھے ہٹا دیا۔

خانم آگے آ گئی۔ اس نے مجھے سہارا دیا تو میں نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔ میرا دل تو چاہا تھا کہ اس کا گلا دبوچ لوں لیکن نہ ہاتھوں میں اتنی سکت تھی اور نہ حوصلہ رہا تھا کہ فاقہ برداشت کرسکوں۔

وہ مجھے نیچے لے آئے۔ خانم مجھے باتھ روم میں لے آئی۔ میرا منہ ہاتھ دھلایا اور پھر مجھے اس کمرے میں لے آئی جہاں میز پر کھانا لگا ہوا تھا۔ خانم نے مجھے اپنے ہاتھ سے کھانا کھلایا اور مجھے ایک اور کمرے میں لے گئی۔

یہ بھی شاندار بیڈروم تھا۔ کھانا کھانے سے اگرچہ میرے اندر کچھ توانائی آ گئی تھی لیکن میں نڈھال سی ہوکر بستر پر گرگئی۔ خانم بھی میرے قریب بیٹھ گئی اور مجھے سمجھانے لگی کہ زندگی گزارنے کے لیے وقت اور حالات سے سمجھوتہ کرنا پڑتا ہے۔

میرا خیال تھا کہ خانم واپس چلی جائے گی لیکن وہ وہیں رہی۔ پیٹ بھر جانے کے بعد مجھ پر خمار سا طاری ہونے لگا۔ پچھلے تین دن بڑی اذیت میں گزرے تھے۔ ذرا سا آرام ملتے ہی میں سوگئی۔

مجھے خانم ہی نے جگایا تھا۔ اس وقت رات کے آٹھ بج رہے تھے۔ خانم مجھے باتھ روم میں لے گئی۔ یہ باتھ روم بھی بڑا شاندار تھا۔ ٹب میں پانی بھرا ہوا تھا جس سے بھینی بھینی سی مہک اُٹھ رہی تھی۔

نہانے کے بعد میں ایک بڑا تولیہ جسم پر لپیٹ کر باہر نکل آئی۔ خانم کمرے میں موجود تھی۔ بیڈ پر ایک بہت خوبصورت لباس پڑا ہوا تھا۔ میں خانم کی موجودگی میں جسم پر سے تولیہ ہٹاتے ہوئے جھجک رہی تھی۔ لیکن خانم باہر جانے کو تیار نہیں تھی۔ مجبوراً مجھے اس کی موجودگی میں ہی تولیہ ہٹا کر لباس پہننا پڑا۔ خانم نے میرے قریب آ کر لباس درست کیا پھر میرے بال سنوارنے لگی اور ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بٹھا کر ہلکا سا میک اپ بھی کردیا۔ مجھے حیرت تھی کہ خانم میرے ساتھ یہ سب کچھ کیوں کررہی تھی۔ پھر اچانک ہی خیال آیا کہ شاید وہ مجھے اپنے ساتھ واپس لے جانا چاہتی تھی۔ میں نے اپنے آپ کو آئینے میں دیکھا تو ایک بار پھر مبہوت سی رہ گئی۔ میں بالکل شہزادی تو لگ رہی تھی۔

رات کا کھانا بھی خانم نے مجھے اپنے ہاتھ سے کھلایا اور پھر اس کمرے میں لے آئی جہاں میں نے لباس تبدیل کیا تھا۔

''اگر تم شرافت کا ثبوت دو گی تو تمہارے ساتھ کوئی زیادتی نہیں ہوگی۔'' خانم نے کہا۔ ''میں بھی آج رات یہیں رہوں گی۔ صبح تمہیں اپنے ساتھ شہر لے چلوں گی۔ اب تک جو کچھ ہوا ہے اسے بھول جاؤ۔ عیش کرو گی میرے پاس۔''

وہ ابھی بات کررہی تھی کہ باہر کسی گاڑی کے رُکنے کی آواز سنائی دی۔ ''میں نے یہاں کچھ مہمانوں کو بلایا تھا۔ تم بیٹھو' میں تھوڑی دیر بعد آؤں گی۔'' وہ کہتے ہوئے کمرے سے نکل گئی اور دروازہ بند ہوگیا۔

میں نے اٹھ کر دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھا۔ باہر سے کنڈا لگا دیا گیا تھا۔ خانم کو شاید مجھ پر اعتماد نہیں تھا۔ میں بیڈ پر لیٹ گئی اور کچھ ہی دیر بعد میری آنکھیں بند ہونے لگیں۔

آہٹ سن کر میری آنکھ کھلی تو نظریں سب سے پہلے سامنے والی دیوار پر آویزاں گھڑی کی طرف اٹھی تھیں۔ رات کا ڈیڑھ بج رہا تھا۔ میں نے دروازے کی طرف دیکھا۔ ہینڈل گھوم رہا تھا اور پھر دروازہ کھل گیا۔

خانم دو آدمیوں کے ساتھ کمرے میں داخل ہوئی۔ ان دونوں آدمیوں کو دیکھ کر میری آنکھیں میں الجھن سی تیر گئی۔ وہ دونوں شراب کے نشے میں دھت تھے۔ ان میں سے ایک کی عمر پالیس کے لگ بھگ رہی ہوگی۔ دراز قامت' صحت مند جسم اور چہرے پر گھنی داڑھی تھی۔ دوسرا پینتالیس سے کچھ اوپر رہا ہوگا۔ وہ کلین شیو تھا۔ درمیانہ قد اور جسم بھاری بھرکم۔

''یہ میرے مہمان ہیں حریری۔'' خانم نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''تم ان کے ساتھ ذرا گپ شپ کرو۔ میں تھوڑی دیر میں آتی ہوں۔''

خانم نے باہر جاتے ہوئے دروازہ بھیڑ دیا تھا۔ میرا خیال تھا کہ وہ دونوں کمرے میں پڑی ہوئی

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

کرسیوں پر بیٹھ جائیں گے لیکن وہ پلنگ کے قریب آئے تو میں وحشت زدہ سی ہو کر سمٹ کر بیٹھ گئی۔

داڑھی والا پلنگ پر بیٹھ گیا۔ میری طرف جھکا تو بوکا ایک بھبکا میرے نتھنوں سے ٹکرایا۔ میں نے پیچھے ہٹنے کی کوشش کی تو اس نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور مجھے اپنی طرف کھینچنے لگا۔

میں چیخ اٹھی اور اپنا ہاتھ چھڑانے کی کوشش کرنے لگی لیکن اس نے ایک جھٹکے سے مجھے اپنی طرف کھینچ لیا۔ دوسرا آدمی بھی پلنگ پر آ گیا اور وہ بھی دست درازی کرنے لگا۔ میں مزاحمت کرتے ہوئے چیخ رہی تھی۔ ایک موقع پر میں نے انہیں دھکا دے کر پیچھے گرا دیا اور دروازے کی طرف چھلانگ لگا دی۔ لیکن دروازے کو باہر سے کنڈا لگا دیا گیا تھا۔

اب ساری بات میری سمجھ میں آ گئی تھی۔ خانم نے اس لیے مجھے سجایا سنوارا تھا۔ یہ مہمان گاہک تھے۔ اس نے میرا سودا کیا تھا اور یہ دونوں شرابی اپنی قیمت وصول کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔

میرے دماغ میں دھماکے سے ہو رہے تھے۔ وہ دونوں مجھے پکڑ کر مجھے دوبارہ پلنگ پر لے آئے۔ میں مزاحمت کرتی رہی لیکن ان دو ہٹے کٹے شرابی مشٹنڈوں کے سامنے میں بس ہو گئی۔ میرا لباس تار تار ہو گیا۔ میں چیختی رہی لیکن میری چیخیں ان شیطانوں کے قہقہوں میں دب کر رہ گئی تھیں۔

وہ رات بھر خونخوار بھیڑیوں کی طرح مجھے بھنبھوڑتے رہے اور مجھے ادھ موا چھوڑ کر چلے گئے۔ خانم میرے کمرے میں آئی تو میں اس وقت بھی بے لباس اور مردوں کی طرح پڑی ہوئی تھی۔

میری زندگی کا ایک نیا دور شروع ہو گیا۔ بہت ہی بھیانک اور خوفناک۔ اب میں نے مزاحمت چھوڑ دی تھی۔ اس کا کوئی فائدہ بھی نہیں تھا۔ میں نے یہاں سے بھاگنے کا خیال بھی ذہن سے نکال دیا۔ بھاگ کر کہاں جاتی۔ میرا اس دنیا میں کون تھا۔ میری عزیز ترین ہستی وہ ماں ہی تھی جو مجھے زمانے کے گرم سرد سے بچاتی رہی تھی۔ میری خاطر اس نے بھی جان دے دی تھی۔ ان خونی بھیڑیوں نے اسے بھی چیر پھاڑ ڈالا تھا اور لاش پتا نہیں کہاں پھینکی تھیں۔ ماں کی باتیں اب مجھے یاد آ رہی تھیں۔ وہ ٹھیک ہی کہا کرتی تھی۔ بغیر کسی غرض اور لالچ کے کوئی کسی کی مدد نہیں کرتا۔ ولادت خانم نے اس رات ہماری مدد کی تھی۔ ہمیں پناہ دی تھی اور اب وہ میرے جسم سے اس کی قیمت وصول کر رہی تھی۔

میں نے حالات سے سمجھوتہ کر لیا تھا۔ لیکن خانم سے نفرت میرے دل سے نہیں نکلی تھی اور میں نے طے کر رکھا تھا کہ موقع ملتے ہی خانم سے اپنی بربادی کا انتقام ضرور لوں گی۔

میں تقریباً چھ مہینے اس فارم ہاؤس میں رہی۔ اس دوران اگرچہ مجھے بہت کم استعمال کیا گیا لیکن میں جانتی تھی کہ خانم اپنی بساط پر مجھے مہرے کے طور پر استعمال کر رہی تھی۔

ان چھ مہینوں کے دوران خانم تو ہر دوسرے تیسرے دن یہاں کا چکر لگاتی رہتی تھی البتہ اس کے مہمان مہینے میں ایک آدھ بار ہی آتے تھے۔ وہ ایک رات یہاں رہتے۔ میں ان کا دل بہلاتی اور صبح ہوتے ہی چلے جاتے۔

اس عرصے میں میں نے خانم کے بارے میں بھی بہت کچھ معلوم کر لیا تھا۔ اور یہ انکشاف میرے لیے بڑا سنسنی خیز ثابت ہوا تھا کہ خانم منشیات سمگل کرنے والے ایک گروہ کی سرغنہ تھی۔ مجھے بڑی حیرت ہوئی تھی۔ ایران جیسے ملک میں منشیات کا بزنس! منشیات کے کاروبار سے تعلق رکھنے والوں کو تو پوچھ

بغیر گولی سے اڑا دیا جاتا تھا۔

ولادت خانم کے بارے میں ہر بات میرے لیے سنسنی خیز انکشافات کا درجہ رکھتی تھی۔ وہ بہائی فرقے سے تعلق رکھتی تھی لیکن بہت ٹھاٹھ باٹ سے زندگی گزار رہی تھی۔ جبکہ اس فرقے سے تعلق رکھنے والے دوسرے لوگ عتاب کا شکار تھے اور اپنے آپ کو بچانے کے لیے چھپتے پھر رہے تھے اور پھر منشیات کی سمگلنگ اس کے مہمانوں میں غیر ملکی بھی شامل ہوتے تھے۔ غیر ملکی ان دنوں ایران کا رخ کرنے سے کتراتے تھے لیکن خانم کے مہمان بڑی آزادی سے یہاں آتے تھے۔

خانم کا یہ گروہ بڑے منظم طریقے سے کام کر رہا تھا۔ اس میں نہایت اعلیٰ سطح کے کچھ سرکاری افسران بھی شریک تھے۔ ہوسکتا ہے کہ اس بزنس میں خانم کو اپنے بہنوئی نور صادق کا آشیرباد بھی حاصل ہو۔

میری ان معلومات کا ذریعہ خرم تھا۔ وہی خرم جس نے میری ماں کو مارا پیٹا تھا اور پھر اسے غائب کرا دیا تھا۔ مجھے شبہ ہی نہیں بلکہ یقین تھا کہ میری ماں کے قتل میں بھی اسی کا ہاتھ تھا کیونکہ ماں کو مار ڈالنے کی دھمکیاں دیتا ہوا وہی گھسیٹ کر لے گیا تھا۔

اپنی بربادی کے بعد میں نے اپنے آپ کو اس طرح بدل لیا تھا کہ وہی خونخوار خرم اب میرا گرویدہ ہو گیا تھا۔ وہ بھی میرے حسن و شباب سے فیض یاب ہونے کا خواہشمند تھا۔ لیکن میں نے اسے کبھی ایسا موقع فراہم نہیں کیا تھا۔ تاہم میرے اشارے پر وہ پالتو کتے کی طرح میرے پیر چاٹنے لگتا تھا۔ میں خرم سے بھی اپنی ماں کی توہین اور قتل کا بدلہ لینا چاہتی تھی اور اس کے لیے مناسب وقت کا انتظار کر رہی تھی۔

چھ مہینے فارم ہاؤس پر رکھنے کے بعد خانم مجھے اپنی شہر والی کوٹھی میں لے آئی۔ یہاں مجھ پر کوئی پابندی نہیں تھی۔ البتہ خانم نے یہ ہدایت کر دی تھی کہ جب میں باہر نکلوں تو حجاب لگاؤں۔ ایران میں خواتین پر پردے کی پابندی تو پہلے ہی تھی۔ حجاب کے بغیر کوئی عورت گھر سے باہر قدم رکھنے کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔ حجاب دراصل سکارف تھا جو سر پر ڈال کر اس طرح لپیٹا جاتا کہ چہرے کا بیشتر حصہ بھی چھپ جاتا۔ اکثر خواتین تو آنکھوں کے سوا پورا چہرہ ہی ڈھانپ لیتی تھیں۔ میں بھی باہر نکلتی تو میری صرف آنکھیں برہنہ ہوتیں باقی پورا چہرہ حجاب میں چھپا ہوتا۔ اس طرح میں آزادی سے شہر میں گھومنے پھرنے لگی۔ میرے لیے بہترین کاریں موجود تھیں۔ میں کوئی بھی کار لے جا سکتی تھی۔ شروع میں تو میں ڈرائیور کی محتاج ہوتی لیکن پھر میں نے خود ڈرائیونگ سیکھ لی اور جب دل چاہتا کوئی گاڑی لے کر کسی بھی طرف نکل جاتی۔

جیسا کہ پہلے بھی بتا چکی ہوں کہ ابادان زیادہ بڑا شہر نہیں تاہم اس شہر کو قدیم و جدید طرز تعمیر کا حسین امتزاج کہا جا سکتا ہے۔ ایک طرف قدیم تاریخی عمارتیں اپنے ماضی کی عظمت کی داستانیں دہراتی نظر آتی ہیں تو دوسری طرف جدید اور خوبصورت کئی کئی منزلہ عمارتیں لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کر لیتی ہیں۔

ایک روز تیز رفتاری سے ایک موڑ گھومتے ہوئے میری کار دوسری طرف سے آنے والی ایک کار سے ٹکرا گئی۔ میری بدقسمتی تھی کہ وہ کار ایک مذہبی چلا رہا تھا اور مزید ستم یہ ہوا کہ میرے پاس ڈرائیونگ

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

لائسنس بھی نہیں تھا۔ مجھے فوراً ہی پولیس سٹیشن لے جایا گیا۔

پولیس سٹیشنوں پر بھی پاسداران کا قبضہ تھا۔ پولیس والے تو ان کے حکم کے غلام بن کر رہ گئے تھے۔

پولیس سٹیشن پر مجھے انہوں نے گھیر رکھا تھا اور جس آیت اللہ سے میری گاڑی ٹکرائی تھی اس نے تو چیخ چیخ کر آسمان سر پر اٹھا رکھا تھا۔ حالانکہ اس کی گاڑی کا ایک ہیڈ لیمپ ٹوٹا تھا۔ زیادہ نقصان میری گاڑی کا ہوا تھا۔ میں اس کی گاڑی کا نقصان پورا کرنے کو تیار بھی تھی لیکن وہ بڑے بڑے لوگوں کے نام لے کر مجھے زندگی بھر جیل میں سڑانے کی دھمکیاں دیتا رہا۔

میں بری طرح سہمی ہوئی تھی۔۔ مجھے یہ خوف بھی تھا کہ اگر ان لوگوں کو پتا چل گیا کہ میں پہلے ہی دو آدمیوں کے قتل کے الزام میں پولیس کو مطلوب ہوں تو پھر شاید واقعی مجھے باقی زندگی جیل میں گزارنی پڑے۔ اس لیے میں چاہتی تھی کہ کسی کو شبہ ہونے سے پہلے پہلے یہاں سے نکل جاؤں لیکن مجھے ایسے کوئی آثار نظر نہیں آ رہے تھے۔ مجھے ٹیلیفون کرنے کی اجازت بھی نہیں دی جا رہی تھی۔

دو گھنٹے گزر گئے۔ اور پھر خرم کو پولیس سٹیشن کے گیٹ میں داخل ہوتے دیکھ کر مجھے کچھ حوصلہ ملا۔

خرم جس انداز سے پاسداران کے انچارج سے بات کر رہا تھا اس سے مجھے اندازہ ہوا کہ اس کے ہاتھ بھی خاصے لمبے تھے۔ اس کی باتوں سے مرعوب ہو کر پاسداران مجھے چھوڑنے کو تیار ہو گئے لیکن گاڑی کا مالک مجھے بدستور دھمکیاں دیتا رہا۔ صرف مجھے ہی نہیں اب تو وہ افسروں کو بھی دھمکیاں دے رہا تھا۔

خرم نے آفیسر کے کان میں کوئی سرگوشی کی۔ آفیسر فوراً ہی اس آیت اللہ کی طرف متوجہ ہو گیا۔

''کیا میں آپ کا ڈرائیونگ لائسنس اور گاڑی کے کاغذات دیکھ سکتا ہوں؟''

آیت اللہ گڑبڑا سا گیا۔ اس کے پاس نہ تو ڈرائیونگ لائسنس تھا اور نہ ہی گاڑی کے کاغذات۔

''میرا داماد تہران میں ایک بہت اعلیٰ سرکاری آفیسر ہے۔ یہ گاڑی اس کی ہے اور کاغذات بھی اس کے پاس ہیں۔ میں ابھی اسے فون کرتا ہوں' تم سب کے ہوش ٹھکانے آ جائیں گے۔'' اس نے آگے بڑھ کر میز پر رکھے ہوئے ٹیلیفون کا ریسیور اٹھا لیا۔

آفیسر نے ریسیور اس کے ہاتھ سے لے کر کریڈل پر رکھ دیا اور آیت اللہ کی طرف دیکھتے ہوئے نرم لہجے میں بولا۔

''آقائے فراش! میرا مشورہ ہے کہ آپ اپنے دعوے سے دستبردار ہو کر یہاں سے تشریف لے جائیے ورنہ ہو سکتا ہے کہ آپ کے خلاف کیس بن جائے۔''

آقائے فراش سٹپٹایا تو بہت لیکن بات اس کی سمجھ میں آ گئی تھی۔ اس کی دھمکیوں کا سلسلہ رک گیا۔ وہ میرے خلاف اپنی رپورٹ بھی واپس لینے کو تیار ہو گیا۔ تاہم اس نے ہرجانے کا مطالبہ کر دیا جس کی میں نے شروع میں پیشکش کی تھی۔ لیکن اب خرم نے ہرجانہ ادا کرنے سے بھی انکار کر دیا۔ اور بالآخر وہ آیت اللہ پیر پٹختا ہوا چلا گیا۔

میں خرم کے ساتھ پولیس سٹیشن سے باہر آ گئی۔ گاڑی پولیس سٹیشن کے سامنے موجود تھی۔ اس کا

نہ صرف ایک ہیڈ لیمپ ٹوٹ گیا تھا بلکہ ونڈ سکرین پر بھی مکڑی کا جالا سا بن گیا تھا۔ خرم نے وہ گاڑی وہیں چھوڑی اور مجھے اپنی گاڑی میں بٹھا لیا۔

ایک ورکشاپ کے سامنے اس نے گاڑی روک لی۔ میکینک کو بلا کر اسے گاڑی کے بارے میں بتایا۔ چابی اس کے حوالے کر دی اور اپنی گاڑی آگے بڑھا دی۔

اس وقت شام کا جھٹپٹا ہو رہا تھا۔ موسم بڑا خوشگوار تھا۔ خرم نے کوٹھی کی طرف جانے کے بجائے کار کو خمینی پارک کی طرف موڑ دیا۔ پہلے اس پارک کا نام کچھ اور تھا لیکن انقلاب کے بعد اس کا نام خمینی پارک رکھ دیا گیا تھا۔ راستے میں خرم بتا رہا تھا کہ ان کے کسی جاننے والے نے خانم کی کار پہچان کر حادثے کی اطلاع دی تھی۔ خانم اس وقت کوٹھی پر نہیں تھی۔ اطلاع ملتے ہی وہ خود پولیس سٹیشن پہنچ گیا۔ میں نے اس کا شکریہ ادا کیا کہ اگر وہ وقت پر نہ آتا تو میں کسی بڑی مصیبت میں پھنس سکتی تھی۔

بہت خوبصورت پارک تھا اور اس وقت بڑی رونق تھی۔ اگرچہ خواتین بھی موجود تھیں لیکن ہر ایک نے چادر لپیٹ رکھی تھی اور حجاب پہنے ہوئے تھیں۔ یہاں تک کہ دس گیارہ برس کی بچیاں بھی حجاب پہنے ہوئے تھیں تاہم زیادہ تعداد مردوں اور بچوں کی تھی۔

ہم کنج میں پڑے ہوئے ایک بنچ پر بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر بعد خرم آئس کریم لے آیا۔ کچھ دیر تک ہم ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے۔ پھر خرم نے وہ موضوع چھیڑ دیا جس پر میں بات کرنا چاہتی تھی لیکن جھجک رہی تھی۔

چند روز پہلے خانم نے مہمانوں کی موجودگی میں خرم کو نہ صرف ڈانٹ دیا تھا بلکہ اس کے منہ پر تھپڑ بھی رسید کر دیا تھا۔ خرم ایسا آدمی نہیں تھا کہ اس بات کو بھول جاتا۔ اس کے سینے میں انتقام کا لاوا پکتا رہا۔ اور بالآخر آج میرے سامنے اس نے غبار نکال دیا۔

خرم نے خانم کے بارے میں ایک اور دلچسپ کہانی سنائی تھی۔ کئی سال پہلے وہ اصفہان میں رضامراد کی داشتہ تھی۔ رضامراد چوری چھپے تاریخی مقامات پر کھدائی کر کے قدیم نوادرات برآمد کرتا اور انہیں غیر ملکی ایجنٹوں کے ہاتھ فروخت کر دیتا۔ اس کے گروہ کے آدمی پورے ملک میں پھیلے ہوئے تھے جو اسے مفید معلومات فراہم کرتے رہتے تھے۔ آثارِ قدیمہ کے کئی اہلکار بھی اس کے ایجنٹوں کی حیثیت سے کام کر رہے تھے۔ وہ بھی اسے نوادرات کے بارے میں قیمتی معلومات فراہم کرتے رہتے تھے۔

رضامراد اربوں ڈالر مالیت کے قدیم تاریخی نوادرات دنیا کے مختلف ممالک کو فروخت کر چکا تھا۔ اس کے گاہکوں میں کئی ممالک کے عجائب گھر بھی تھے اور نوادرات جمع کرنے والے وہ دولت مند لوگ بھی جنہوں نے اپنے ذاتی میوزیم بنا رکھے تھے۔

ایک موقع پر ولادت خانم نے کچھ قیمتی نوادرات غائب کر دیے ان کی مالیت کروڑوں ریال تھی۔ رضامراد کو پتا چل گیا۔ خانم اصفہان سے بھاگ کر تہران پہنچ گئی جہاں اس کا انقلابی لیڈر بہنوئی موجود تھا۔ نور صادق رضامراد کے بارے میں اچھی طرح جانتا تھا۔ نور صادق نے اسے دھمکی دی کہ اگر اس نے خانم کو کوئی نقصان پہنچایا تو اسے زندگی بھر کے لیے سلاخوں کے پیچھے پہنچا دے گا۔

ولادت خانم کچھ عرصے بعد ابادان آ گئی جہاں اس کے باپ کی زرعی اراضی ہے جو باپ کی

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

موت کے بعد ٹھیکے پر دے دی گئی تھی۔ خانم نے ٹھیکہ منسوخ کر کے زمینیں اپنے قبضے میں لے لیں اور ان کی دیکھ بھال کے لیے آدمی رکھ لیے۔

یہاں بھی خانم کو اپنے انقلابی لیڈر بہنوئی کا آشیرباد حاصل تھا اس کی وجہ سے خانم کو یہاں پاسداران اور بعض مذہبی رہنماؤں کی حمایت بھی حاصل تھی۔ خانم انہیں وقتاً فوقتاً نذرانے پیش کرتی رہتی ہے اور اس لیے وہ یہاں عیش کی زندگی گزار رہی ہے۔

تین سال پہلے خانم کی ملاقات ایک ایسے آدمی سے ہوگئی جو منشیات کے بزنس میں ملوث تھا۔ دراصل اس شخص نے خود ہی خانم سے رابطہ کیا تھا۔ اس نے لالچ دے کر خانم کو اپنے بزنس میں شریک کرلیا۔ یہ بہت سودمند بزنس تھا۔ خانم کو اب اس شخص کی پارٹنر شپ کھلنے لگی۔ اس سے نجات حاصل کرنے کے لیے خانم نے ایک اور چکر چلایا۔ اس کے خلاف مخبری کردی۔ کمیٹی نے اس شخص کے مکان پر چھاپہ مارا تو بڑی مقدار میں ہیروئن اور شراب کی بوتلیں برآمد ہوئیں۔ ایک ہفتے کے اندر اندر اس شخص کے مقدمے کا فیصلہ ہوگیا اور اسے فائرنگ سکواڈ کے حوالے کردیا۔ اس شریف آدمی نے اپنی جان دے دی لیکن خانم اور اس کے گروہ کے کسی اور آدمی کا نام نہیں بتایا۔

اس شخص کے بعد اس گروہ کی قیادت ولادت خانم نے سنبھال لی۔ یہاں بہت سے اعلیٰ افسران خانم کے بارے میں بہت کچھ جانتے ہیں لیکن وہ اس کے خلاف کچھ نہیں کر سکتے' کیونکہ اس کا بہنوئی بہت اونچی شے ہے لیکن میں جانتا ہوں کہ خانم کے خلاف جب کوئی بات ہوگی تو وہ بھی بہت اوپر کی سطح پر ہوگی اور تہران میں اس کا بہنوئی بھی اپنے آپ کو نہیں بچا سکے گا۔

خانم جس رات ہمیں اپنے گھر لے کر آئی تھی' اس سے اگلے ہی روز اسے ہمارے بارے میں پتا چل گیا تھا کہ ہم کون ہیں۔ اخبارات میں چھپنے والی خزانے کی کہانی نے اسے ساری کہانی سنا دی تھی۔ ان دونوں آدمیوں کی لاشوں کی تصویریں اخبار میں چھپی تھیں اور خانم نے پہچان لیا تھا کہ وہ رضا مراد کے آدمی تھے۔

خانم کو شہزادی کی اس مورتی کے بارے میں معلوم تھا جو اس کا ایک آدمی چرا کر بھاگ گیا تھا' بعد میں انہی کے آدمیوں کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ اس کی بیوی اور بیٹی مورتی لے کر غائب ہوگئی تھیں اور رضا مراد کے آدمی ان کی تلاش میں تھے۔

اخبار میں رضا مراد کے آدمیوں کی لاشوں کی تصویریں اور کسی خفیہ خزانے کے بارے میں پڑھ کر خانم سمجھ گئی کہ وہ خزانہ کیا ہوسکتا ہے۔

اور جب خرم نے بتایا کہ وہ مورتی خانم کے قبضے میں ہے تو میں اچھل پڑی۔

''وہ مورتی اس روز چرائی گئی تھی جب تمہیں اور تمہاری ماں کو فارم ہاؤس بھیجا جانے والا تھا۔'' خرم کہہ رہا تھا۔ ''مجھے تمہاری ماں کی موت کا بھی افسوس ہے اور میں سچ کہتا ہوں کہ اس میں میرا کوئی ہاتھ نہیں ہے۔ فارم ہاؤس میں تمہارے اور تمہاری ماں کے ساتھ میں نے جو زیادتی کی تھی وہ دراصل تمہیں ڈرانے دھمکانے کے لیے تھی۔ تمہاری ماں کو تو اس رات شہر بھیج دیا گیا تھا جہاں اسے ایک ٹرک کے نیچے

کچل کر حادثے کا رنگ دیا گیا تھا۔ یہ جو کچھ بھی ہوا خانم کے کہنے پر ہوا۔'' وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا۔ ''خانم وہ عورت ہے جس سے وفا کی توقع نہیں کی جاسکتی۔ پہلے اس نے رضا مراد کو دھوکا دیا پھر منشیات کے بزنس میں اپنے شریک کار کو پھنسا کر مروا دیا اور چند روز پہلے تم نے میرے ساتھ بھی اس کا سلوک دیکھ لیا۔ میرا سینہ تو اس وقت سے انتقام کی آگ سے سلگ رہا ہے' لیکن میں اکیلا کچھ نہیں کرسکتا۔''

''مجھ سے کیا چاہتے ہو؟'' میں نے پوچھا۔ اس نے خانم کے بارے میں جو نئی کہانی سنائی تھی ہوسکتا ہے وہی درست ہو لیکن میری ماں کے بارے میں اس نے جو کچھ کہا تھا میں اسے ماننے کو تیار نہیں تھی۔ میں اچھی طرح جانتی تھی کہ میری ماں کو اس نے فارم ہاؤس میں قتل کردیا تھا اور لاش کہیں دبا دی تھی اور اب میری ہمدردیاں حاصل کرنے کے لیے یہ الزام خانم کے سر تھوپ رہا تھا۔

''تم بھی خانم کے ظلم کا شکار ہو۔'' خرم نے کہا۔ ''تمہاری بربادی کی ذمہ دار بھی وہی ہے۔ اگر تم چاہو تو میرے ساتھ مل کر اس سے انتقام لے سکتی ہو۔''

''وہ کس طرح؟'' میں نے الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

''میں نے تم پر اعتماد کرتے ہوئے سب کچھ بتا دیا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ تم بھی انتقام کی آگ میں جل رہی ہو اور ہمارے لیے اسے راستے سے ہٹانے کے لیے ایک بہترین موقع آنے والا ہے۔''

''وہ کیا؟'' میں نے پوچھا۔

خرم چند لمحے خاموش رہا پھر دھیمے لہجے میں بتانے لگا کہ ولادت خانم سے کس طرح انتقام لیا جاسکتا ہے۔

''ٹھیک ہے' میں تمہارا ساتھ دینے کو تیار ہوں لیکن یہ سوچ لو کہ اگر کوئی گڑبڑ ہوگئی تو ہم دونوں میں سے کوئی بھی زندہ نہیں بچے گا۔ وہ ہمیں کتے کی موت مار دے گی۔'' میں نے کہا۔

''کوئی گڑبڑ نہیں ہوگی۔ میں نے بہت سوچ سمجھ کر منصوبہ بنایا ہے۔'' خرم نے جواب دیا۔

ہم کافی دیر تک اس منصوبے پر بحث کرتے رہے۔ ہمیں وقت گزرنے کا احساس ہی نہیں رہا۔ میں نے ایک مرتبہ ادھر ادھر دیکھا تو پارک تقریباً خالی ہوچکا تھا۔ اس وقت رات کے نو بج چکے تھے۔

''آؤ اب چلیں۔'' خرم اٹھتے ہوئے بولا۔ ''لیکن ایک بات کا خیال رکھنا کہ خانم کو ہمارے تعلقات پر شبہ نہ ہونے پائے۔ وہ بڑی گھاگ عورت ہے۔ اگر اسے ذرا سا بھی شبہ ہوگیا تو گڑبڑ ہوجائے گی۔''

میں نے جواب دینے کے بجائے سر ہلا دیا اور ہم پارک سے نکل کر گاڑی میں بیٹھ گئے۔ خانم اس وقت بھی گھر میں موجود نہیں تھی۔ خرم اپنے کام میں مصروف ہوگیا اور میں اپنے کمرے میں چلی گئی۔

اگلے ایک ہفتے کے دوران میں گہری نظروں سے خانم کی سرگرمیوں کا جائزہ لیتی رہی۔ ایک رات خانم گھر پر نہیں تھی اور مجھے اس کے کمرے کی تلاشی لینے کا موقع مل گیا اور میں نے وہ خفیہ تجوری تلاش کرلی جس میں شہزادی کی تاریخی مورتی' قیمتی زیورات اور لاکھوں ریال کی نقد رقم موجود تھی۔

یہ تجوری دیوار میں بنی ہوئی تھی اور اسے چھپانے کے لیے خانم نے اپنی ایک خوبصورت تصویر کا

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

فریم آویزاں کر رکھا تھا۔اس کی چابی بھی مجھے ڈریسنگ ٹیبل میں مل گئی تھی۔تجوری کی تلاشی لینے کے بعد میں نے چابی اسی جگہ رکھ دی تھی۔

اس کے تین دن بعد میں شام کو لان میں بیٹھی چائے پی رہی تھی کہ خرم کی گاڑی کوٹھی میں داخل ہوئی۔خانم اس وقت گھر پر موجود نہیں تھی۔خرم گاڑی سے اتر کر سیدھا میرے پاس آ گیا اور محتاط نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے سرگوشیانہ لہجے میں بولا۔

''اپنی تیاری مکمل کرلو۔آج رات ہم یہاں سے نکل چلیں گے۔''

''اور خانم کا کیا ہوگا؟'' میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

''اس کا بندوبست میں نے کرلیا ہے۔وہ رات دس بجے کے بعد اس دنیا میں نہیں رہے گی۔'' خرم نے جواب دیا۔

میں کانپ کر رہ گئی۔میں کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن ایک خادم کو اس طرف آتے دیکھ کر خرم اُٹھ کر دوسری طرف چلا گیا۔

خانم آٹھ بجے کے قریب آئی تھی اور نو بجے کے قریب وہ واپس چلی گئی۔اس نے مجھے بتا دیا تھا کہ وہ شہر سے باہر جارہی ہے۔واپسی میں اچھی خاصی دیر ہو جائے گی۔خانم کے جانے کے آدھے گھنٹے بعد میں نے اپنے کمرے میں گھس کر دروازہ اندر سے بند کرلیا اور الماری میں سے اپنے کپڑے اور دوسری چیزیں نکال کر سوٹ کیس میں پیک کرنے لگی۔

خرم بھی خانم کے ساتھ ہی چلا گیا تھا۔اس رات میں نے اکیلے ہی بیٹھ کر کھانا کھایا اور وقت گزرنے کا انتظار کرنے لگی۔میری بے چینی بڑھتی جارہی تھی۔عجیب سی دہشت طاری ہورہی تھی۔میں کبھی اپنے کمرے میں آجاتی اور کبھی لان میں آ کر ٹہلنے لگتی۔ایک خادمہ نے میری اس کیفیت کو نوٹ کرلیا۔اس نے پوچھا تو میں نے بتا دیا کہ میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔

گیارہ بجے کے قریب اس خادمہ نے بتایا کہ خرم فون پر مجھ سے بات کرنا چاہتا ہے۔میں اس وقت لان میں تھی۔تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی اندر گئی۔ٹیلی فون کا ریسیور میز پر الگ رکھا ہوا تھا۔میں نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگالیا۔

''تیار رہنا حریری۔'' میری ہیلو کے جواب میں خرم کی آواز سنائی دی۔''خانم اپنی زندگی کے آخری سفر پر روانہ ہوچکی ہے۔میں آدھے گھنٹے میں گھر پہنچ رہا ہوں۔اس کے فوراً بعد ہم اپنے سفر پر روانہ ہوجائیں گے۔''

میں نے جواب میں کچھ کہنا چاہا لیکن دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہوچکا تھا۔میں نے ریسیور رکھ دیا۔چند لمحے وہاں کھڑی رہی اور پھر جیسے ہی پلٹی خادمہ کو کچن کی طرف سے آتے دیکھ کر رُک گئی۔وہ چائے لے کر آرہی تھی۔میں اس وقت واقعی چائے یا کافی جیسی کسی چیز کی طلب محسوس کررہی تھی۔کیا اس خادمہ کو میری اندرونی کیفیت کا اندازہ ہوگیا تھا۔

اس نے چائے سنٹر ٹیبل پر رکھ دی۔میں نے صوفے پر بیٹھ کر کپ اٹھالیا اور ہلکی ہلکی چسکیاں بھرنے لگی۔لیکن نجانے کیا بات تھی کہ مجھ سے چائے نہیں پی جارہی تھی۔میں نے بڑی مشکل سے چند

گھونٹ بھرے اور کپ میز پر رکھ کر خانم کے کمرے میں گھس گئی۔

میں نے دروازہ بند کر کے بولٹ چڑھا دیا۔میں خانم کے کمرے میں بلا روک ٹوک آتی جاتی تھی لیکن اس وقت میرے دل میں عجیب سا خوف طاری تھا جیسے مجھے چوری کرتے ہوئے رنگے ہاتھوں پکڑ لیا جائے گا۔

میں نے الماری میں سے ایک کینوس کا بیگ نکال کر خالی کردیا اور دیوار پر آویزاں خانم کی تصویر والا فریم اتار کر تجوری کھولنے لگی۔اس وقت میرے ہاتھ واضح طور پر کانپ رہے تھے۔

میں نے شہزادی کی مورتی کے علاوہ تجوری میں رکھے ہوئے تمام زیورات اور نقد رقم بھی تھیلے میں ڈال لی اور تجوری بند کر کے فریم دوبارہ اس جگہ پر لٹکا دیا اور کمرے سے باہر آ گئی۔

اپنے کمرے میں آ کر میں نے تھیلا سوٹ کیس میں کپڑوں کے نیچے رکھ کر سوٹ کیس لاک کردیا اور کمرے ہی میں بیٹھ کر خرم کا انتظار کرنے لگی۔اس وقت مجھ پر عجیب سی کیفیت طاری ہورہی تھی۔ذہن پر خوف طاری تھا اور دل خزاں رسیدہ پتے کی طرح کانپ رہا تھا۔

میری نظریں بار بار دیوار گیر کلاک کی طرف اٹھ رہی تھیں۔خرم نے آدھے گھنٹے کا کہا تھا اور اب ایک گھنٹہ ہونے والا تھا۔دل میں طرح طرح کے وسوسے اٹھ رہے تھے۔اس نے کہا تھا کہ خانم اپنی زندگی کے آخری سفر پر روانہ ہوچکی ہے۔لیکن اگر.....

میں اس اگر سے آگے کچھ نہیں سوچنا چاہتی تھی کیونکہ اس اگر سے آگے بھیانک موت بھی ہوسکتی تھی۔

ڈیڑھ گھنٹہ گزر گیا۔میرے خدشات بڑھتے جارہے تھے۔اگر خرم اپنے منصوبے میں کامیاب نہ ہوسکا ہو تو.....؟ اس تصور ہی سے میرا دل کانپ اٹھا۔ایک مرتبہ تو میرے دل میں خیال آیا کہ میں نے خانم کی تجوری سے جو کچھ بھی نکالا تھا اسے واپس رکھ دوں اور یہاں سے فرار کا خیال ذہن سے نکال دوں۔

چند منٹ اور گزر گئے۔میں نے سوٹ کیس میں سے تھیلا نکال لیا اور اپنے کمرے سے باہر نکلی ہی تھی کہ ایک گاڑی کوٹھی کے گیٹ میں داخل ہو کر پورچ میں رُک گئی۔خرم کو گاڑی سے اترتے دیکھ کر میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔میں تیزی سے دوبارہ کمرے میں گھس گئی اور تھیلا سوٹ کیس میں رکھنے لگی۔

میں کمرے سے باہر نکلی ہی تھی کہ خرم بھی پہنچ گیا۔اس کے چہرے پر سنسنی پھیلی ہوئی تھی۔

''جلدی کرو۔تم باہر جا کر گاڑی میں بیٹھو۔میں آرہا ہوں۔'' خرم کہتے ہوئے دوسری راہداری میں مڑ گیا۔

میں نے کمرے میں جا کر سوٹ کیس اٹھایا اور باہر آ گئی۔

لینڈ کروزر کار کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔میں نے سوٹ کیس پچھلی سیٹ پر رکھ دیا اور خود بھی اس کے قریب ہی بیٹھ گئی۔چند منٹ بعد خرم برآمدے میں نمودار ہوا۔اس نے بھی ایک درمیانے سائز کا سوٹ کیس اٹھا رکھا تھا۔اس کے ساتھ وہی خادمہ بھی تھی جس نے مجھے چائے پلائی تھی۔خرم نے جیب سے نوٹوں کی ایک موٹی سی گڈی نکال کر خادمہ کے ہاتھ میں تھما دی۔جھک کر اس کے ہونٹوں پر بوسہ دیا اور گاڑی کی طرف آ گیا۔

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

خرم نے جس انداز میں خادمہ کے ہونٹوں پر بوسہ دیا تھا اس سے مجھے یہ اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ ان میں پہلے ہی سے کچھ اس قسم کے تعلقات استوار تھے۔

خرم نے بھی اپنا سوٹ کیس پچھلی سیٹ پر رکھ دیا اور ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔

گاڑی جیسے ہی گیٹ سے باہر نکلی میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ گیٹ کے بالکل سامنے سیاہ رنگ کی ایک کار نے ہمارا راستہ روک لیا اور اس کار میں ایک افسر کو دیکھ کر مجھے سینے میں سانس رُکتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ وہ بڑی پھرتی سے اپنی کار سے اتر آیا۔ اس کے ہاتھ میں آٹومیٹک رائفل تھی۔

''ولادت خانم کہاں ہے؟'' اس نے خرم کی طرف کھڑے ہو کر رُعب دار لہجے میں پوچھا۔

''ہم اسی کے پاس جا رہے ہیں۔ آؤ' بیٹھ جاؤ۔'' خرم نے پرسکون لہجے میں جواب دیا۔

وہ شخص اوپر سے گھوم کر پسنجر سیٹ پر بیٹھ گیا۔ رائفل اس نے اپنی ٹانگوں کے بیچ میں رکھ لی تھی۔ وہ مطمئن تھا جیسے اسے خرم یا مجھ سے کوئی خطرہ نہ ہو۔

خرم گاڑی کو کار سے بچا کر گلی میں لے آیا اور پھر اسے مختلف گلیوں میں گھماتا ہوا مین روڈ پر آ گیا۔ اس وقت ایک بجنے والا تھا۔ سڑکیں سنسان تھیں۔ کبھی کبھار کوئی گاڑی نظر آ جاتی تھی۔

لینڈ کروزر شہر سے باہر نکلی تو وہ کچھ پریشان سا ہو گیا۔

''کہاں جا رہے ہو تم؟'' اس نے پوچھا۔ لہجے میں تشویش نمایاں تھی۔

''ولادت خانم اپنے چند غیر ملکی دوستوں کے ساتھ ماہ آباد کے ایک مکان میں مزے اڑا رہی ہے۔ آج اسے رنگے ہاتھوں پکڑنے کا بہترین موقع ہے۔ اس کا بہنوئی بھی اس کی کوئی مدد نہیں کر سکے گا۔''

وہ مطمئن ہو گیا۔ ماہ آباد شہر کی ایک نواحی بستی تھی اس لیے اسے خرم کی نیت پر کوئی شبہ نہیں ہوا تھا۔

لینڈ کروزر شہر کی حدود سے تقریباً تین میل باہر آ چکی تھی۔ خرم نے گاڑی روک لی۔ انجن بند کر دیا اور اچانک ہی افسر کی طرف جھکتے ہوئے اس کی رائفل اپنے قبضے میں کر لی۔

''نیچے اترو۔'' وہ رائفل کو اس کے پہلو سے لگائے ہوئے غرایا۔

افسر بدحواس ہو گیا۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں سی اڑنے لگیں۔ خرم نے اس کے پہلو پر رائفل سے دباؤ ڈالا تو وہ دروازہ کھول کر نیچے اتر گیا۔ خرم بھی رائفل سنبھالے گاڑی سے اتر آیا تھا۔ افسر پہلے تو خرم کو سنگین نتائج کی دھمکیاں دیتا رہا پھر گھگیانے لگا اور رحم کی بھیک مانگنے لگا۔ مجھے اس کی حالت پر ہنسی آ گئی۔ دوسروں پر تو انہوں نے کبھی رحم نہیں کیا تھا۔ انہیں جس طرح اذیتیں دے کر ہلاک کیا جاتا تھا' وہ سب جانتے تھے اور اب خود اپنی موت کو سامنے دیکھ کر رحم کی بھیک مانگنے لگا تھا۔

خرم اسے رائفل کی زد پر دھکیلتا ہوا چند گز دور ایک کھڈ کے کنارے پر لے گیا۔ ہیڈ لیمپس کی روشنی میں اس شخص کے چہرے کو دیکھ کر لگتا تھا جیسے وہ مرنے سے پہلے ہی مر گیا ہو۔ بے پناہ خوف تھا اس کی آنکھوں میں۔ اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ موت کتنی خوفناک ہوتی ہے۔

دفعتہً فضا گولیوں کی تڑتڑاہٹ اور اس شخص کی چیخوں سے گونج اٹھی۔ وہ لہراتا ہوا پیچھے کھڈ میں جا گرا۔ اس کی چیخوں کی بازگشت دیر تک فضا میں گونجتی رہی۔

خرم نے رائفل بھی کھڈ میں پھینک دی اور گاڑی میں آ کر بیٹھ گیا۔ اس کا چہرہ بالکل پرسکون تھا جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔ اس نے انجن سٹارٹ کرتے ہوئے گردن گھما کر میری طرف دیکھا۔ میں دہشت زدہ سی سیٹ پر سمٹی بیٹھی تھی۔

گاڑی حرکت میں آ گئی اور کچھ ہی دیر بعد تیز رفتاری سے ہائی وے پر دوڑنے لگی۔

خرم نے جو منصوبہ بنایا تھا اس کے مطابق ہمیں اہواز جانا تھا اور ہمارا رُخ اہواز ہی کی طرف تھا لیکن خرم بتا رہا تھا کہ اب ہم اہواز کی طرف نہیں جائیں گے۔ شط العرب کی طرف عراق سے کئی برسوں سے جنگ جاری تھی۔ اس جنگ کے اثرات اگرچہ پورے ملک پر ہو رہے تھے لیکن اہواز' سوسن گرد' ویزفل اور قرب و جوار کے علاقے براہِ راست متاثر ہو رہے تھے' اس لیے خرم نے اپنا پروگرام تبدیل کر دیا تھا۔

اس ہائی وے پر چند کلومیٹر کا فاصلہ طے کر کے خرم نے گاڑی کا رُخ دائیں طرف ایک ذیلی سڑک پر موڑ دیا۔ یہ سڑک چھوٹے قصبوں اور دیہی علاقوں سے ہوتی ہوئی شادگان کی طرف چلی گئی تھی لیکن ہم شادگان کی طرف جانے کے بجائے ایک اور کچی سڑک پر ہوتے ہوئے ابادان سے بندر ماہ شہر کی طرف جانے والے ہائی وے پر نکل آئے۔ یہی ہائی وے ساحل سمندر کے ساتھ ساتھ بندر عباس تک چلا گیا تھا۔

ایران کی شاہراہوں پر سفر کرنا آسان نہیں تھا۔ خود ساختہ انقلابی لیڈر اور پاسداران شاہراہوں پر بھی گشت کرتے رہتے تھے۔ ان کا کام لوگوں کے لیے پریشانیاں پیدا کرنے کے سوا کچھ نہیں تھا۔ خواتین کے لیے تو ایران میں زندگی عذاب بن گئی تھی۔ وہ تو اپنے شہروں میں بھی آزادی سے سفر نہیں کر سکتی تھیں ان کے ساتھ کسی محرم کا ہونا ضروری تھا۔ غیر محرم مردوں کے ساتھ سفر سنگین ترین جرم تھا۔

ہمارا سفر بہت طویل تھا جگہ جگہ چیکنگ کا اندیشہ تھا۔ خرم کو بھی ان دشواریوں کا اندازہ تھا' جو ہمیں راستے میں پیش آ سکتی تھیں۔ ہم دونوں میں کوئی قریبی تو کیا دُور کا بھی کوئی رشتہ نہیں تھا۔ چیکنگ کی صورت میں ہم پر بڑی آسانی سے حرام کاری کا جرم عائد ہو سکتا تھا۔ ایسے لوگوں کے ساتھ جو سلوک کیا جاتا تھا' اسے بیان کرنے کی ضرورت نہیں سمجھتی۔

خرم شاہراہ سے بچ کر ان راستوں کا انتخاب کرتا رہا جہاں چیکنگ کا زیادہ خطرہ نہیں تھا۔ میں پچھلی سیٹ پر نیم دراز اونگھتی رہی۔ کبھی آنکھ کھل جاتی تو چاروں طرف تاریکی میں گھورنے لگتی۔

صبح ہونے سے تھوڑی دیر پہلے ہم بروز جان پہنچ گئے۔ یہاں سے ایک سڑک ساحل سمندر پر واقع بوشہر کی طرف چلی گئی تھی۔ لیکن ہم نے اس طرف کا رُخ نہیں کیا۔ قصبے سے آگے نکل کر ایک پٹرول پمپ سے گاڑی میں پٹرول ڈلوایا اور اہرم کی طرف روانہ ہو گئے۔

ہم اہرم میں بھی نہیں رُکے۔ تقریباً اسی کلومیٹر کا فاصلہ طے کر کے فورموج نامی قصبے کے نواح میں واقع ایک چھوٹے سے ہوٹل کے سامنے خرم نے گاڑی روک لی۔ اس وقت تک ہم تقریباً دو سو کلومیٹر کا سفر طے کر چکے تھے۔ تھکن سے میری بری حالت ہو رہی تھی۔

اگر ہم چاہتے تو قصبے کے کسی اچھے ہوٹل میں ٹھہر کر کچھ دیر آرام بھی کر سکتے تھے لیکن وہاں چیکنگ کا اندیشہ تھا۔

ہم تقریباً ایک گھنٹہ اس چھوٹے سے ہوٹل میں رُکے۔ ناشتے کے علاوہ ہم نے کھانے پینے کی

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

کچھ چیزیں ساتھ بھی لے لی تھیں اور اس کے بعد ہمارا سفر ایک بار پھر شروع ہوگیا۔

بندرعباس اب بھی ہم سے تقریباً آٹھ سو کلومیٹر کے فاصلے پر تھا۔ اور یہ فاصلہ ہم نے کس طرح طے کیا میں اس کی تفصیل میں جانا ضروری نہیں سمجھتی۔ دوسرے دن دوپہر کے قریب خرم نے گاڑی شاہراہ سے ہٹا کر درختوں کے ایک جھنڈ میں روک لی۔ آس پاس کوئی آبادی نہیں تھی۔

ہم گاڑی سے اتر کر چشمے کے کنارے پر بیٹھ گئے۔ اس طویل سفر نے مجھے بری طرح تھکا دیا تھا۔ میں نے خوب سیر ہو کر پانی پیا اور گھاس پر لیٹ گئی۔

مجھے نہیں معلوم کہ خرم نے آئندہ کے لیے کیا منصوبہ بنا رکھا تھا لیکن میں نے جو سوچ رکھا تھا اس پر عمل کرنے کا وقت آ گیا تھا۔ ولادت خانم ختم ہو چکی تھی۔ میں ابادان سے سینکڑوں میل دُور آ گئی تھی۔ میری ماں کا قاتل میرے ساتھ تھا اور میرے خیال میں اب وقت آ گیا تھا کہ اس سے اپنی ماں کے قتل کا بدلہ لے لیا جائے۔

بندرعباس شہر اب چند میل سے زیادہ دُور نہیں تھا۔ میں اگرچہ تقریباً چار سال اس شہر سے دُور رہی تھی لیکن یہاں کچھ ایسے لوگوں کو اب بھی جانتی تھی جو مجھے پناہ دے سکتے تھے۔

ہم تقریباً دو گھنٹے درختوں کے اس جھنڈ میں آرام کرتے رہے۔ خرم مجھ سے چند گز کے فاصلے پر چشمے کے کنارے ایک پتھر پر بیٹھا بار بار کن انکھیوں سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔ میں گھاس پر آڑی ترچھی لیٹی ہوئی تھی۔ اس کی نظروں سے مجھے اندازہ لگانے میں دشواری نہیں آئی کہ اب چونکہ ہمارے لیے کوئی خطرہ نہیں تھا۔ چنانچہ طور پر کچھ سکون ملا تھا اور شاید یہ طمانیت ہی خرم کی نیت میں ڈانواں ڈول کی سی کیفیت پیدا کر رہی تھی۔ لیکن میں بھی غیر محتاط نہیں تھی۔

وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر میرے قریب آ کر گھاس پر بیٹھ گیا۔ میں نے اپنی جگہ سے حرکت نہیں کی اور اسی طرح پڑی رہی۔ تاہم میرے دل کی دھڑکن کچھ تیز ہوگئی تھی جس کا اندازہ میرے سینے کے زیروبم سے لگایا جا سکتا تھا۔

خرم کی نظروں میں ہوس کی چمک بڑھ رہی تھی۔ وہ آہستہ آہستہ میرے اوپر جھکنے لگا۔ میں نے اس کے منہ پر تھوک دیا اور پوری قوت سے دھکا دے کر اسے پیچھے گرا دیا۔ اور خود بھی ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑی ہوگئی اور اس کے ساتھ ہی میں نے بڑی پھرتی سے اپنے لباس میں ہاتھ ڈال کر وہ پستول نکال لیا جو میں نے ایسے ہی مواقع کے لیے چھپا رکھا تھا۔ یہ پستول بھی مجھے خانم کی تجوری سے ہی ملا تھا۔

خرم پشت کے بل پڑا تھا۔ اسے شاید میری طرف سے کسی ایسے اقدام کی توقع نہیں تھی۔ وہ تو شاید یہ سمجھ رہا تھا کہ میں اسے سینے سے لگا کر اظہار محبت کروں گی۔ اس کی آنکھوں میں وحشت سی ابھر آئی تھی لیکن میرے ہاتھ میں پستول دیکھ کر وحشت خوف میں بدل گئی۔

''یہ..... یہ کیا کر رہی ہو تم۔ پاگل تو نہیں ہوگئیں؟'' وہ چیخا۔

''میں پوری طرح اپنے حواس میں ہوں اور اچھی طرح جانتی ہوں کہ کیا کر رہی ہوں۔'' میں نے اپنی اندرونی کیفیت پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ ''پاگل تو تم ہو۔ تم نے یہ کیسے سمجھ لیا تھا کہ میں اپنی ماں کے قاتل کو معاف کر دوں گی۔ میں ان لمحات کو کبھی نہیں بھولی جب تم نے میری ماں پر تشدد کیا

تھا اور اسے گھسیٹتے ہوئے لے گئے تھے۔ اس معصوم اور بے گناہ عورت کی چیخیں آج بھی میرے کانوں میں گونج رہی ہیں۔ تم نے کیسے سمجھ لیا تھا کہ میں اپنی ماں پر ہونے والا ظلم و تشدد بھول کر تمہارے ساتھ رنگ رلیاں مناؤں گی۔ میں تمہارے ساتھ بے تکلف ہوگئی تھی تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں تھا کہ میں تمہارے عشق میں مبتلا ہوگئی تھی۔ میں تو کسی ایسے ہی موقع کی تلاش میں تھی۔ اس شام کمپنی پارک میں خانم کے خلاف سازش میں مجھے اپنے ساتھ شریک کر کے تم نے میرا یہ مسئلہ بھی حل کر دیا۔ خانم کو تم نے ٹھکانے لگا دیا اور آج تمہاری باری ہے۔ میں نے یہ طویل عرصہ انگاروں پر لوٹتے ہوئے گزارا ہے۔ آج میری ماں کی بے چین روح کو بھی سکون مل جائے گا اور مجھے بھی قرار آ جائے گا۔''

''تت..... تم غلط سمجھ رہی ہو حریری۔'' خرم کے لہجے میں خوف نمایاں تھا۔ ''میں نے تمہاری ماں کو قتل نہیں کیا تھا۔ میں نے تمہیں بتا دیا تھا کہ.....''

میں نے ٹرائیگر دبا دیا۔ فضا فائر کی آواز سے گونج اٹھی۔ گولی اس کے پیٹ میں لگی تھی۔ پتلون کی جیب کی طرف بڑھتا ہوا اس کا ہاتھ رُک گیا اور وہ اٹھ کر چیختا ہوا ایک طرف بھاگ کھڑا ہوا۔ میں پستول کا ٹرائیگر دباتی چلی گئی۔ تمام گولیاں اس کے جسم میں پیوست ہوئی تھیں۔ وہ لڑکھڑا کر گرا اور مرغ بسمل کی طرح تڑپنے لگا۔

میں دوڑ کر اس کے قریب پہنچ گئی۔ پستول کا رُخ اب بھی خرم کی طرف تھا۔ اس کے جسم سے بہنے والا خون گھاس کو تر کر رہا تھا۔ وہ ابھی زندہ تھا۔ اس کی آنکھیں پھیلی ہوئی تھیں۔ میں نے ایک بار پھر ٹرائیگر دبا دیا۔ یہ آخری گولی اس کی پیشانی میں لگی۔ اس کے جسم نے جھٹکا لیا اور بے حس و حرکت ہوگیا۔

میں چند لمحے نفرت بھری نظروں سے اس کی طرف دیکھتی رہی' پھر اس کے منہ پر تھوک دیا اور پستول بھی اس کے قریب پھینک کر چشمے پر آ گئی۔ ہاتھ دھوئے۔ منہ پر پانی کے چھینٹے مارے۔ چند گھونٹ پانی کے پیے اور گاڑی کا ڈرائیونگ سائیڈ کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گئی۔

سورج مغرب کی طرف جھک رہا تھا۔ میں پتھریلے راستوں پر گاڑی کو ہلکی رفتار سے چلاتی ہوئی بائی دے پر لے آئی اور پھر اسے تیز رفتاری سے شہر کی طرف دوڑا دیا۔

شہر میں داخل ہونے کے لیے میں نے ایک غیر معروف راستہ استعمال کیا تھا۔ سورج غروب ہو چکا تھا۔ میں نے گاڑی ایک ویران سڑک پر چھوڑ دی اور اپنا سوٹ کیس اٹھا کر ایک طرف چلنے لگی۔ خرم والا سوٹ کیس میں نے گاڑی ہی میں رہنے دیا تھا۔

وہاں سے کافی دور نکل آنے کے بعد میں ایک ٹیکسی میں سوار ہو کر بس اسٹینڈ کی طرف آ گئی اور وہاں سے ایک اور ٹیکسی پکڑ کر شہر کے گنجان آبادی والے علاقے میں آ گئی۔

میں کئی سال بعد بندرعباس آئی تھی۔ شہر میں کئی تبدیلیاں آ چکی تھیں۔ اس گلی کے موڑ پر ایک پرانی سی عمارت ہوا کرتی تھی جس کے نیچے چند دوسری دکانوں کے علاوہ ایک بیکری بھی ہوا کرتی تھی۔ اس بیکری سے میں اکثر ڈبل روٹی لینے کے لیے آیا کرتی تھی لیکن اب وہاں کئی منزلہ شاندار عمارت تھی۔

کئی سال پہلے جب ہم بندرعباس میں رہائش پذیر تھے تو خانم مہری وہ واحد ہستی تھی جس سے میری ماں کی گہری دوستی تھی۔ پاپا کے قتل کے بعد جب مورتی کی تلاش میں مجھے اور میری ماں کو قتل کرنے کی

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

کوشش کی گئی تھی تو خانم مہر نے ہی ہمیں شہر سے فرار ہونے میں مدد دی تھی۔

میں اگرچہ کئی سال بعد یہاں آئی تھی لیکن خانم مہر نے مجھے فوراً ہی پہچان لیا۔ اس نے مجھے سینے سے لگا کر بھینچ لیا اور جب میں نے اسے ماں کے بارے میں بتایا تو وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

مجھے بھی یہ جان کر بہت دکھ ہوا کہ خانم مہر بھی دو سال پہلے بیوہ ہو چکی تھی۔ اس کی کوئی اولاد بھی نہیں تھی۔ مجھے وہ پہلے بھی بہت پیار کیا کرتی تھی اور اب بھی مجھے دیکھ کر بہت خوش ہوئی تھی۔

وہ رات ہم نے تقریباً جاگ کر گزاری۔ پہلے چند برسوں کے دوران ہم پر جو بیتی تھی وہ میں نے خانم مہر کو بتا دیا اور یہ بھی بتا دیا کہ میں آج شام ایک آدمی کو قتل کر کے یہاں آئی ہوں۔ اس کے باوجود خانم مہر نے مجھے سینے سے لگا لیا۔ میں نے سوٹ کیس میں سے نقدی اور زیورات والا تھیلا نکال کر خانم کے سامنے رکھ دیا اور خانم مہر نے اسے میری امانت کہتے ہوئے حفاظت سے اپنے پاس رکھ لیا۔

اگلے روز اخبار میں شہر کی ایک ویران سڑک پر کھڑی ہوئی ابادان کی نمبر پلیٹ والی ایک گاڑی کے بارے میں خبر چھپی کہ اس لاوارث گاڑی میں ملنے والے سوٹ کیس میں سے چالیس لاکھ ریال کی رقم برآمد ہوئی تھی۔ پولیس گاڑی کے مالک کا سراغ لگانے کی کوشش کر رہی تھی۔ اخبار میں خرم کی لاش کا کوئی ذکر نہیں تھا اور مجھے یقین تھا کہ کئی روز تک اس کی لاش کا پتا نہیں چلے گا اور جب وہ ملے گی تو وہ یا تو ناقابل شناخت ہو چکی ہوگی یا ڈھانچے میں بدل گئی ہوگی۔

مجھے خرم کے اس سوٹ کیس کا افسوس تھا جو پولیس کے ہاتھ لگ گیا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ وہ دولت بھی خانم کی تھی جسے خرم اڑا لایا تھا۔ اگر مجھے پتا چل جاتا کہ اس سوٹ کیس میں اتنی دولت ہو سکتی ہے تو میں اسے گاڑی میں نہ چھوڑ دیتی لیکن بہرحال میرے پاس بھی دولت کی کمی نہیں تھی۔

میں جو منصوبہ لے کر بندرعباس آئی تھی اس کے لیے ضروری تھا کہ میری رہائش کسی اچھے اور صاف ستھرے علاقے میں ہو۔ چنانچہ چند روز بعد میں نے خانم مہر کے توسط سے شہر کے ایک پوش علاقے میں ایک کوٹھی کرائے پر لے لی اور خانم مہر کے ساتھ وہاں منتقل ہو گئی۔ خانم مہر نے اپنے اس آبائی مکان کو تالا لگا دیا تھا۔ خانم مہر ہی کے توسط سے ایک قابل اعتماد خادمہ اور خادم کو بھی ملازم رکھ لیا۔

چند روز مزید آرام میں گزر گئے۔ اور پھر میں نے اپنے اصل منصوبے پر کام شروع کر دیا۔ مجھے مایوسی نہیں ہوئی۔ چند ہی روز بعد مجھے پتا چل گیا کہ رضا مراد آج کل بندرعباس ہی میں ہے۔ اسے تلاش کرنے میں بھی مجھے زیادہ دشواری پیش نہیں آئی تھی۔ میں نے رضا مراد کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کا سلسلہ جاری رکھا۔

رضا مراد اب بھی اسی کاروبار سے وابستہ تھا یعنی نوادرات کی خرید و فروخت اور اسمگلنگ' وہ ایران کے مختلف علاقوں سے تاریخی نوادرات خریدتا اور انہیں غیر ملکی ایجنٹوں کے ہاتھ فروخت کر دیتا۔ یہ نوادرات پہلے سمندر کے راستے پاکستان پہنچائے جاتے اور پھر پاکستان سے دوسرے ممالک کو اسمگل کر دیئے جاتے۔

پاکستان بھی ان دنوں تاریخی نوادرات کی خرید و فروخت اور اسمگلنگ کا بہت بڑا مرکز بنا ہوا تھا۔ افغانستان میں جنگ کی وجہ سے نہ صرف وہاں کی معیشت تباہ ہو چکی تھی بلکہ وہاں کی ثقافت اور ثقافتی ورثے

کو بھی شدید نقصان پہنچا تھا۔ کابل کا عجائب گھر روسی فوج کی بمباری کے باعث تباہ ہو گیا تھا۔ رہی سہی کسر افغانوں کی خانہ جنگی نے پوری کر دی تھی۔ عجائب گھر میں بھری ہوئی چیزیں بے دردی سے لوٹی جا رہی تھیں۔ بہت سی نادر اور قیمتی اشیاء روسی لے گئے تھے۔ بچی کھچی چیزیں عام لوگوں نے لوٹ لی تھیں۔ جن کے پاس لوٹ کی ایسی چیزیں موجود تھیں وہ انہیں ایک وقت کی روٹی کے بدلے میں فروخت کر رہے تھے۔ مہاتما بدھ کی ایک قد آدم مورتی صرف ایک ڈبل روٹی کے بدلے فروخت کر دی گئی تھی۔

پاکستان میں تاریخی نوادرات کے اسمگلر اس صورت حال سے فائدہ اٹھا رہے تھے۔ دنیا کے کئی ممالک کے عجائب گھروں کے ایجنٹ پشاور میں جمع تھے۔ وہ ایسے لوگوں کی تلاش میں رہتے جو افغانستان سے اس قسم کی چیزیں چرا کر لائے ہوں۔

رضا مراد اور اس کے ایجنٹ کراچی کی طرف سرگرم تھے۔ یہاں انہیں اپنی چیزوں کے گاہک آسانی سے مل جاتے تھے۔ بہرحال رضا مراد کے بارے میں مکمل معلومات حاصل کر لینے کے بعد میں نے اس سے رابطہ کر لیا۔ اس سے میری پہلی ملاقات ایک نقیب میں ہوئی تھی۔ باتوں ہی باتوں میں میں نے اسے بتایا کہ میرے پاس بھی ایک شاہکار موجود ہے۔ میں نے اسے اگلے روز اپنے گھر آنے کی دعوت دی۔

اور جب میں نے اسے شہزادی کی مورتی دکھائی تو وہ اچھل پڑا۔ اس کے پوچھنے پر میں نے بتایا کہ یہ مورتی مجھے ابادان میں ایک ایسی عورت نے دی تھی جو زندگی کی آخری سانس لے رہی تھی۔

رضا مراد اس مورتی کو خریدنا چاہتا تھا۔ میں نے جب قیمت دریافت کی تو اس نے کہا۔

''اس کی کوئی قیمت نہیں لگائی جا سکتی لیکن میں تمہیں منہ مانگی رقم دینے کو تیار ہوں۔ پندرہ لاکھ' بیس لاکھ' تیس لاکھ ریال.....''

''میں یہ مورتی تمہیں دینے کو تیار ہوں۔ لیکن.....''

''لیکن کیا.....؟'' اس نے الجھی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھا۔ اس کا خیال تھا کہ میں اتنی قیمت بتاؤں گی یا کوئی ایسی شرط رکھوں گی جسے پورا کرنا اس کے لیے ممکن نہ ہو۔

''میں تم سے اس کی کوئی قیمت نہ لوں گی۔'' میں نے کہا۔

''کیا.....؟'' وہ اچھل پڑا۔

''میرے پاس دولت کی کمی نہیں ہے۔'' میں نے جواب دیا۔ ''میں یہ مورتی اس شخص کے حوالے کرنا چاہتی تھی جو اس کی قدر جانتا ہو۔ میں تمہاری باتوں سے مطمئن ہوں۔ اس لیے اس مورتی کو میری طرف سے تحفہ یا نذرانہ سمجھ کر اپنے پاس رکھ سکتے ہو۔''

''کیا؟'' وہ ایک بار پھر اچھل پڑا۔ اس کے چہرے پر سنسنی کے سے تاثرات پھیل گئے۔ ''میں اس مورتی کے لیے تیس لاکھ ریال کی پیشکش کر چکا ہوں لیکن اس کی قیمت اس سے بھی کہیں زیادہ ہے۔ اور تم بغیر کسی.....''

''میں دوستی کو زیادہ اہمیت دیتی ہوں۔'' میں نے اس کی بات کاٹ دی۔ ''اور دوستی میں دیے جانے والے تحفوں کی قیمت نہیں لگائی جاتی۔''

www.pdfbooksfree.pk

"تو پھر آج سے ہماری دوستی پکی۔" رضا مراد نے میری طرف ہاتھ بڑھا دیا۔

میں نے بڑی گرم جوشی سے اس کا ہاتھ تھام لیا اور اس طرح ہماری دوستی کا آغاز ہوا۔ نوادرات کی اسمگلنگ سے قطع نظر رضا مراد بہت شریف آدمی تھا۔ بہت مخلص اور قابل اعتماد۔ وہ مجھ پر بھی مکمل بھروسہ کرنے لگا تھا۔ چند روز بعد ہی میں اپنا کرائے کا مکان چھوڑ کر اس کی شاندار کوٹھی میں منتقل ہو گئی۔ ہم دونوں اگرچہ ایک ہی گھر میں رہ رہے تھے لیکن اس نے میری طرف کبھی میلی آنکھوں سے نہیں دیکھا تھا۔ ہم گھنٹوں ایک دوسرے کے سامنے بیٹھے باتیں کرتے رہتے لیکن اس نے مجھے کبھی چھوا تک نہیں تھا۔

رضا مراد بھی مجھ پر اسی طرح اعتماد کرنے لگا تھا کہ وہ اپنے بزنس کی باتیں بھی مجھے بتانے لگا اور پھر اس نے مجھے اپنے بزنس میں شریک کر لیا۔ شراکت داری بس ایسی ہی تھی۔ وہ ہر بات مجھے بتا دیتا تھا۔ کون سی چیز کہاں اور کس ذریعے سے مل سکتی ہے اور اسے کن ذرائع سے فروخت کیا جا سکتا ہے۔ میں ان لوگوں سے بھی ملنے لگی جو اس کے ساتھ اس بزنس میں شریک تھے۔ ایک سال کے اندر اندر میں نوادرات کے اس بزنس کے نشیب و فراز سے اچھی طرح واقف ہو چکی تھی۔

رضا مراد کی عمر اس وقت ساٹھ سے کچھ اوپر ہی تھی۔ وہ بظاہر تندرست اور صحت مند نظر آتا تھا لیکن شراب نے اسے اندر سے کھوکھلا کر دیا تھا۔ ایک مرتبہ وہ بیمار ہوا تو پھر اٹھ نہ سکا۔ علاج کے لیے تہران سے دو ڈاکٹروں کو بلایا گیا لیکن اس کا وقت پورا ہو چکا تھا۔ بیس بائیس روز بیمار رہنے کے بعد وہ اس دنیا سے رخصت ہو گیا۔

رضا مراد کی موت کے بعد مجھے اس سینڈیکیٹ کا چیئر پرسن منتخب کر لیا گیا لیکن دو آدمیوں نے بغاوت کر دی۔ وہ اپنا حصہ لے کر سینڈیکیٹ سے الگ ہو گئے اور انہوں نے اپنا بزنس شروع کر دیا۔

میں بڑی مشکل میں پڑ گئی تھی۔ میرے ساتھ جو آدمی رہ گئے تھے وہ اگرچہ اس بزنس کے نشیب و فراز سے اچھی طرح واقف تھے لیکن ان کے پاس وسائل نہیں رہے تھے۔ چھ مہینوں کی جدوجہد کے بعد میں بڑی مشکل سے اپنے پیروں پر کھڑی ہو سکی تھی۔

میں ان دنوں زاہدان سے تقریباً دو سو کلومیٹر دور سیستان کے ایک قدیم شہر شہر سوختہ میں جھیل کے کنارے پر کھدائی کر رہی تھی۔ اس علاقے میں پہلے بھی کئی مرتبہ کھدائی ہو چکی تھی اور بعض قیمتی نوادرات برآمد ہوئے تھے۔ میں نے جس مقام پر کھدوائی کروائی تھی وہ اس جگہ سے کافی دور تھی اور اس خطے کے بارے میں ایک سرکاری ماہر آثار قدیمہ کی خفیہ سروے رپورٹ میں نے دو لاکھ ریال میں خریدی تھی۔ اس ماہر آثار قدیمہ نے یقین دہانی کرائی تھی کہ یہاں سے ہمیں بہت کچھ ملے گا۔

تقریباً ڈیڑھ مہینے سے کھدائی کا کام جاری تھا۔ میں زاہدان میں کیمپ لگائے ہوئے تھی۔ کھدائی کے بارے میں حوصلہ افزا رپورٹیں مل رہی تھیں۔ دھات کے چند ٹوٹے پھوٹے ظروف برآمد ہونے کی اطلاع پا کر میں بھی شہر سوختہ پہنچ گئی۔

ہمارا کیمپ شہر سے تقریباً بیس میل دور تھا۔ وہاں پہنچ کر انکشاف ہوا کہ کھدائی کے دوران چند اور چیزیں بھی برآمد ہو چکی ہیں اور پھر اسی رات میری موجودگی میں ایک تابوت بھی برآمد ہوا۔ لکڑی کا یہ تابوت ٹوٹا پھوٹا تھا۔ اس کے سائز اور حجم سے اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ اس میں کسی بچے کو دفن کیا گیا ہوگا۔ لیکن بعد میں لاش اسی تابوت سے نکالی گئی تھی یا چوری کر لی گئی تھی۔ بہرحال ہم نے اس علاقے میں کھدائی جاری رکھی۔ مجھے توقع تھی کہ ایسی ہی کوئی اور چیز ضرور ملے گی۔

میں تین دن کیمپ میں مقیم رہی اور پھر زاہدان آ گئی۔ زاہدان پہنچنے کے تیسرے روز مجھے ایک اور سنسنی خیز اطلاع ملی جو شخص اطلاع لے کر آیا تھا اس نے بتایا کہ کھدائی میں ایک اور تابوت برآمد ہوا ہے جس میں ایک عورت کی ممی بھی موجود ہے۔ میں اگلے ہی روز وہاں پہنچ گئی۔ لیکن ایک اور سنسنی خیز اطلاع وہاں میری منتظر تھی۔

کیمپ کے دو آدمی گزشتہ رات ممی والا تابوت لے کر غائب ہو گئے تھے۔ پولیس کو بھی کسی طرح یہ خبر مل گئی تھی۔ اس وقت پولیس کی ایک پارٹی بھی کیمپ میں موجود تھی۔ ہم غیر قانونی طور پر کھدائی کر رہے تھے۔ پولیس ہمارے خلاف کارروائی کرنے کا ارادہ رکھتی تھی۔ لیکن میں نے معاملے کو سنبھال لیا اور اس کے لیے مجھے پچاس ہزار ریال خرچ کرنے پڑے تھے۔ پولیس نے ہمارا پیچھا تو چھوڑ دیا تھا لیکن تابوت کی چوری کی تحقیقات سے دستبردار نہیں ہوئی تھی۔ میں جانتی تھی کہ اگر تحقیقات جاری رہیں تو معاملہ بہت آگے نکل جائے گا اور ہم بھی اپنے آپ کو الگ نہیں رکھ سکیں گے۔ پولیس کو تحقیقات سے روکنے کے لیے مجھے مزید بیس ہزار ریال کی قربانی دینی پڑی تھی۔

بہرحال، پولیس سے ہمیں نجات مل گئی۔ پولیس کے جانے کے بعد میں نے اپنے آدمیوں سے پوچھ گچھ شروع کر دی۔ کیمپ کے سپروائزر نے بتایا کہ وہ تابوت کل دوپہر کے وقت برآمد ہوا تھا جو سیاہ رنگ کی بہت بڑی لکڑی کا بنا ہوا تھا۔ اس پر خوبصورت نقش و نگار بنے ہوئے تھے۔ اس پر لگا ہوا تالا بھی بہت مضبوط اور پیچیدہ قسم کا تھا۔ سپروائزر کے کہنے کے مطابق اس نے وہ تالا توڑ دیا اور جب تابوت کا ڈھکنا کھولا گیا تو وہ دنگ رہ گیا۔

تابوت کے اندر ایک جوان عورت کی ممی رکھی ہوئی تھی جس کے سر پر سونے کا خوبصورت تاج تھا اور سینے پر سونے کی ایک تختی بھی رکھی ہوئی تھی جس پر قدیم زبان میں کچھ لکھا ہوا تھا۔

جس خیمے میں تابوت کھولا گیا تھا وہاں سپروائزر کے علاوہ اس کا ایک اسسٹنٹ تھا۔ کسی تیسرے آدمی کو خبر نہیں ہو سکی تھی کہ اس تابوت کے اندر کیا تھا۔ سپروائزر نے اپنے ماتحت کو مجھے اطلاع دینے کے لیے اسی وقت زاہدان روانہ کر دیا جو شام کو وہاں پہنچا تھا۔

سپروائزر کے کہنے کے مطابق رات دو بجے کے قریب کسی گاڑی کے انجن کی آواز سن کر اس کی آنکھ کھل گئی۔ وہ اپنے خیمے سے باہر نکلا تو کیمپ کی ایک پک اپ تیز رفتاری سے ہائی وے کی طرف جا رہی تھی۔

سپروائزر کو اچانک ہی کچھ خیال آیا اور وہ دوڑتا ہوا اس خیمے میں پہنچ گیا جہاں تابوت رکھا گیا تھا، خیمے کا پردہ ہٹا ہوا تھا اور وہ تابوت غائب تھا۔ کھدائی کے دوران چھوٹی موٹی چیزیں تو چوری ہوتی ہی رہتی تھیں لیکن اتنی بڑی چیز چوری ہونے کا یہ پہلا واقعہ تھا۔

سپروائزر نے شور مچا کر دوسرے آدمیوں کو بھی جگا دیا۔ وہ لوگ مسلح ہو کر ایک گاڑی کی طرف دوڑے لیکن اس گاڑی کے چاروں پہیوں کی ہوا نکلی ہوئی تھی۔ کیمپ میں اس وقت دو گاڑیاں تھیں۔ دوسری

aazzamm@yahoo.com
www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

گاڑی کے پہیوں کی بھی ہوا نکلی ہوئی تھی۔

وہ پک اپ نگاہوں سے اوجھل ہو چکی تھی۔ اس کا پیچھا کرنا اب ممکن نہیں رہا تھا۔ سپروائزر کے کہنے کے مطابق کیمپ کے دو آدمی غائب تھے۔ وہ دونوں آدمی ہم نے شہر سوختہ ہی سے لیے تھے۔

ہم نے انہیں تلاش کرنے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہیں ہو سکے۔ تین دن بعد پتا چلا کہ ہمارے کیمپ سے چوری ہونے والی پک اپ کو سرحد پار کر کے پاکستان کی طرف جاتے ہوئے دیکھا گیا تھا۔

ہمارے دو آدمی پاکستان بھی گئے تھے لیکن وہ بھی ان کا سراغ نہیں لگا سکے تھے۔ میں نے تابوت میں وہ ممی نہیں دیکھی تھی لیکن مجھے اس کی چوری کا بہت دکھ ہوا تھا۔ ایک اچھی چیز ہمارے ہاتھ سے نکل گئی تھی۔

تین مہینے بعد پاکستان سے اس ممی کے بارے میں کچھ خبریں سنائی دینے لگیں۔ پہلی اطلاع تو یہ تھی کہ بلوچستان کے شہر کوئٹہ میں اس ممی کو بیچنے کی کوشش کی گئی تھی لیکن اس کا سودا تو نہیں ہو سکا تاہم دو پارٹیوں میں تصادم ہو گیا جس میں ایک آدمی مارا بھی گیا تھا۔ دو آدمی پولیس کے ہاتھ لگے تھے جنہوں نے اس ممی کے بارے میں انکشاف کیا تھا۔ تاہم وہ ممی غائب ہو چکی تھی۔ پولیس نے چھاپے مار کر متعدد لوگوں کو گرفتار کیا تھا لیکن اس پراسرار ممی کے بارے میں کچھ پتا نہیں چلا کہ وہ کہاں اور کس کے قبضے میں ہے۔

چند مہینے پہلے کراچی میں اس ممی کی موجودگی کی اطلاع ملی۔ میرے ایک دو آدمی کراچی میں بھی موجود تھے جو نوادرات کی فروخت کے سلسلے میں میرے ایجنٹ کی حیثیت سے کام کرتے تھے۔ میں نے ممی کے بارے میں مکمل معلومات حاصل کرنے کی ذمے داری انہیں سونپ دی اور ایک مہینے بعد مجھے اطلاع ملی کہ وہ پراسرار ممی حاجی مستان نامی ایک آدمی کے قبضے میں ہے جو اس کی فروخت کے لیے گاہک تلاش کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔

میں کراچی آنا چاہتی تھی لیکن کوئی ذریعہ نہیں بن رہا تھا۔ اس کے علاوہ بندرعباس میں بھی کچھ ایسے پیچیدہ مسائل پیدا ہو گئے تھے جنہیں چھوڑ کر کہیں نہیں جا سکتی تھی۔

اتفاق سے چند روز بعد بندرعباس میں رنگا سے ملاقات ہو گئی۔"

حریری خاموش ہو گئی۔ میں اس کے سامنے بے حس و حرکت بیٹھا اس کی یہ دلچسپ اور سنسنی خیز باتیں سن رہا تھا۔ مجھے شدید حیرت ہو رہی تھی۔ اس چھوٹی سی عمر میں وہ زندگی کے کتنے سنگین تجربات سے گزری تھی۔

حریری نے پہلو بدلتے ہوئے سامنے دیوار پر آویزاں کھڑی کی طرف دیکھا۔ میری نظریں بھی اس طرف اٹھ گئیں۔ صبح کے چار بجنے والے تھے لیکن ہمیں وقت گزرنے کا احساس تک نہیں ہو سکا تھا۔

"رنگا منشیات کے بزنس میں ملوث تھا۔" حریری اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ "بندرعباس میں اس کی باتوں سے اندازہ ہوا کہ یہ کوئی بہت بڑی توپ ہے۔ کراچی میں اگرچہ میرے دو آدمی موجود تھے اور تابندہ بھی یہاں تھی جس سے میرا ہمیشہ کسی نہ کسی طرح سے رابطہ رہا تھا لیکن اس پراسرار ممی کے حصول کے لیے مجھے رنگا جیسے آدمیوں کی ضرورت تھی۔ میں نے بندرعباس ہی میں رنگا سے تعلقات بڑھانا شروع کر دیئے۔ یہ دو ہفتے وہاں رہا تھا۔ اس نے مجھے اپنے ساتھ کراچی آنے کی پیشکش کی

جسے میں نے فوراً ہی قبول کر لیا۔ میرے اس طرح ساتھ چلے آنے پر رنگا سمجھا کہ میں اس کے عشق میں مبتلا ہو چکی ہوں۔ بہرحال یہاں آ کر یہ دلچسپ انکشاف ہوا کہ رنگا وہ نہیں جو اس نے اپنے بارے میں بتایا تھا۔ یہ انکشاف تو میرے لیے بہت دلچسپ ثابت ہوا تھا کہ رنگا ایک تھرڈ ریٹ غنڈہ ہے جو بہت چھوٹے پیمانے پر منشیات کا دھندہ کرتا ہے اور دکانوں اور ٹھیلے والوں سے بھتہ وصول کرتا ہے۔ اس نے کبھی کسی اصول کی پابندی نہیں کی۔ اس کی بے اصولیوں کی وجہ سے اپنے آدمیوں سے بھی اختلافات رہتے تھے جو بالآخر ایک تصادم کی صورت میں کھل کر سامنے آ گئے اور ٹیڈی جیسے مخلص لوگ اس سے الگ ہو گئے۔

یہاں آنے کے بعد میں نے خفیہ طور پر تابندہ سے رابطہ رکھا تھا۔ رنگا کو میں نے اس کی ہوا تک نہیں لگنے دی۔ تاہم ٹیڈی کو میں نے بتا دیا تھا۔ وہ شروع ہی سے میرے ساتھ بہت مخلص رہا ہے اور مجھے اپنی بہن سمجھتا ہے۔ ٹیڈی کو بھی پتا چل گیا تھا کہ رنگا تم سے دھوکا کر رہا ہے۔ اس نے مجھے مشورہ دیا تھا کہ میں رنگا کے اڈے سے ہٹ جاؤں۔ نرگس کا سراغ بھی ٹیڈی ہی نے لگایا تھا۔ رنگا کو تو اس کی پروا بھی نہیں تھی کہ نرگس پر کیا گزرتی ہے اور تمہیں کس قسم کی صورتحال سے دوچار ہونا پڑے گا۔ رنگا ایسا آدمی نہیں ہے جسے دوستی کے قابل سمجھا جائے۔"

"لیکن تم تو شاید کئی مہینے....."

"وہ میری مجبوری تھی جو میں تمہیں بتا چکی ہوں۔" حریری نے میری بات کاٹ دی۔ "مجھے دو چار دن میں ہی احساس ہو گیا تھا کہ رنگا کچھ نہیں ہے۔ اگر میں نے اس سے مدد لینے کی کوشش کی تو وہ میرے لیے ہی مسئلہ بن جائے گا لیکن میں وہاں رہنے پر اس لیے بھی مجبور تھی کہ مجھے کچھ آدمیوں کی ضرورت تھی۔ اور وہ آدمی مجھے ایسے ماحول میں رہ کر ہی مل سکتے تھے۔ میں نے شروع ہی میں ٹیڈی کو نگاہوں میں رکھا تھا۔ دو چار مرتبہ میں نے اسے آزمایا بھی۔ وہ میری ہر آزمائش پر پورا اترا۔ میں نے موقع پا کر اسے اپنے منصوبے سے آگاہ کر دیا۔ وہ میرا ساتھ دینے پر تیار ہو گیا۔ ٹیڈی نے تمہارے بارے میں بھی بہت سی معلومات جمع کر لی تھیں۔ اس کے خیال میں تمہارا ساتھ ہمارے لیے مفید ثابت ہو سکتا ہے۔"

"اور تمہارے خیال میں؟" میں نے چبھتی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"مجھے اگر تم پر اعتماد نہ ہوتا تو میں فون پر تم سے رابطہ نہ کرتی اور یہاں کا پتا بھی نہ بتاتی۔" حریری نے جواب دیا۔ "میرے خیال میں اب ہر بات کی وضاحت ہو چکی ہے۔ رنگا کا کردار بھی تمہارے سامنے آ چکا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اب اگر میں تمہیں کوئی پیشکش کروں تو تم انکار نہیں کرو گے لیکن اگر تم چاہو تو انکار بھی کر سکتے ہو۔ تمہارے لیے کوئی مجبوری نہیں ہے۔"

"تمہاری پیشکش جاننے سے پہلے میں بھی کچھ باتوں کی وضاحت کر دینا ضروری سمجھتا ہوں۔" میں نے کہا۔

"تم جانتی ہو تحریمی سے بھی میری دشمنی چل رہی ہے۔ یہاں آنے سے پہلے بھی میں اسے بڑا نقصان پہنچا چکا ہوں۔ نرگس کو اس کے شکنجے سے چھڑانا کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ وہ تو بری طرح بلبلا رہا ہوگا اور پھر میں رنگا کو بھی نظرانداز نہیں کرنا چاہتا۔ اس نے میرے ساتھ دھوکا کیا ہے۔ دس کلو ہیروئن بھی اس کے قبضے میں ہے۔ میں اسے آسانی سے معاف تو نہیں کر سکتا۔"

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

''اس مسئلے کا حل ہے میرے پاس۔'' حریری نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''تحریکی کو اس کی دس کلو ہیروئن مل جائے تو وہ تم سے دشمنی بھول جائے گا۔''

''لیکن یہ ہیروئن اسے واپس کیسے مل سکتی ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''ہم تحریکی کو یہ یقین دلا دیں گے کہ وہ ہیروئن رنگا کے قبضے میں ہے۔ اسے یہ بھی بتا دیا جائے گا کہ رنگا نے وہ ہیروئن کہاں چھپا رکھی ہے۔ تحریکی اس کے پیچھے لگ جائے گا۔ تم اگر مزید پنگے بازی نہیں کرو گے تو وہ تمہارا خیال بھی ذہن سے نکال دے گا۔''

''تحریکی سے میرا کچھ اور بھی حساب ہے۔'' میں نے کہا۔ ''اس کی وجہ سے نرگس جس طرح اذیت ناک موت مری ہے اسے زندگی بھر نہیں بھلا سکوں گا۔''

''میں جانتی ہوں۔ نرگس کی موت کا تمہیں بہت صدمہ ہوگا۔'' حریری نے کہا۔ ''لیکن میرا خیال ہے اب تمہیں پچھلے واقعات کو بھول جانا چاہیے۔ اسی لیے میں تمہیں ایک پیشکش کرنا چاہتی ہوں۔''

''وہ کیا......؟'' میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

''تحریکی کے چکر سے نکل کر میرے ساتھ کام کرو۔'' اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''میں یہاں جس مشن پر آئی ہوں اسے پایہ تکمیل تک پہنچانے میں میری مدد کرو۔ اس کے بعد ہم ایران چلے جائیں گے۔''

''ایران!'' میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ میری رگوں میں خون کی گردش تیز ہوگئی۔ وہ مجھے اپنے ساتھ لے جانے کی دعوت دے رہی تھی۔

میں نے اسے پہلی مرتبہ دیکھا تھا تو اپنے آپ کو بھول گیا تھا۔ اسے پانے کی خواہش دل میں ابھری تھی لیکن اسے رنگا کی ملکیت جان کر اپنے لیے شجر ممنوعہ سمجھ لیا تھا لیکن وہ رنگا کی ملکیت نہیں تھی۔ اس کے جال سے نکل آئی تھی اور اب مجھے اپنے ساتھ ایران لے جانے کی دعوت دے رہی تھی لیکن اس سے پہلے وہ کراچی میں اپنا مشن پورا کرنا چاہتی تھی۔

''تمہارا منصوبہ کیا ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''اس پراسرار ممی کی تلاش جو ہم نے دریافت کی تھی لیکن ہمارے کیمپ سے چوری ہوگئی۔'' حریری نے جواب دیا۔ ''وہ ممی میرے لیے بہت اہم ہے۔''

''میری سمجھ میں یہ بات نہیں آ سکی کہ ایک پرانی لاش تمہارے، یا کسی اور کے لیے اتنی اہم کیوں ہو سکتی ہے؟'' میں نے کہا۔

''بڑے بھولے ہو۔'' حریری نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ ''مصر کے بارے میں تم نے پڑھا ہو تو تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ وہاں دریافت ہونے والے مقبروں سے آج بھی قدیم ممیاں برآمد ہو رہی ہیں۔ ان ممیوں اور ان کے ساتھ برآمد ہونے والی دوسری اشیاء سے قدیم تاریخ اور ثقافت کا پتا چلتا ہے۔ دنیا کے بڑے بڑے میوزیم ایسی چیزیں منہ مانگے داموں خرید لیتے ہیں۔ میں نے تمہیں ایک مورتی کے بارے میں بتایا تھا جس کی خاطر پہلے میرے ... اس کے بعد تم لوگ ... ہاتھ دھو بیٹھے تھے اور وہ مورتی ... اور جانتے ہو وہ ... کتنے میں فروخت کی تھی؟''

''میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ ایسی چیزوں سے مجھے کبھی دلچسپی نہیں رہی۔'' میں نے کندھے اچکاتے ہوئے جواب دیا۔

''وہ مورتی پیرس کے ایک پرائیویٹ میوزیم نے ایک کروڑ امریکی ڈالر میں خریدی تھی۔'' حریری نے بتایا۔

ایک معمولی سی مورتی کی اتنی قیمت ...... میرے لیے واقعی حیرت کی بات تھی لیکن اس میں اچنبھے کی کوئی بات نہیں تھی۔ شوق کی تو بہر حال کوئی قیمت نہیں تھی۔

''تم نے بتایا تھا کہ وہ ممی حاجی مستان نامی کسی آدمی کے قبضے میں ہے۔'' میں نے کہا۔ ''آخر تم کس طرح......'' حریری نے میری بات کاٹ دی۔ ''دو مہینے پہلے حاجی مستان کو بھی گولی مار کر ہلاک کیا جا چکا ہے۔ وہ ممی ایک بار پھر لاپتا ہو چکی ہے لیکن میرے آدمی اس کے بارے میں بہت سی مفید معلومات حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔''

''مثلاً؟'' میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

''جاننا چاہتے ہو؟ آؤ میرے ساتھ۔'' حریری کہتے ہوئے بیڈ سے اتر آئی۔ میں بھی اٹھ کھڑا ہو گیا۔

میں حریری کی طرف دیکھ رہا تھا جو بیڈ سے اتر کر اپنا لباس درست کر رہی تھی۔ میرے اور اس کے درمیان صرف ایک فٹ کا فاصلہ تھا۔ اس کے بدن سے اٹھنے والی بھینی بھینی مہک میرے حواس پر چھا رہی تھی۔

''سامنے والے کمرے میں چلو۔ میں ابھی آتی ہوں۔'' حریری نے کہتے ہوئے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

میں حریری کی خواب گاہ سے نکل کر سامنے والے کمرے میں آ گیا۔ یہ کمرہ کافی کشادہ تھا اور نشست گاہ کے طور پر آراستہ تھا۔ ایک طرف خوبصورت ٹرالی پر ٹیلی ویژن رکھا ہوا تھا۔ ٹرالی کے نچلے خانے میں انگلش اور انڈین فلموں کے ویڈیو کیسٹس بھرے ہوئے تھے اور اس سے نچلے خانے میں وی سی آر سیٹ رکھا ہوا تھا۔

ٹرالی کے سامنے چند فٹ کے فاصلے پر صوفہ سیٹ اور کرسیاں وغیرہ رکھی ہوئی تھیں۔ میں کمرے میں ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ دیواروں پر خوبصورت پینٹنگز آویزاں تھیں۔ ان میں ایک پینٹنگ میں کسی صحرائی علاقے میں غروب آفتاب کا منظر دکھایا گیا تھا۔ آسمان پر گویا آگ سی لگی ہوئی تھی۔ مصور نے بڑی خوبصورتی اور مہارت سے اس منظر کو پینٹ کیا تھا۔

میں ابھی کمرے کا جائزہ لے ہی رہا تھا کہ حریری اندر داخل ہوئی۔ اس کے ہاتھ میں ایک ویڈیو کیسٹ تھا۔ وہ ٹی وی ٹرالی کے سامنے گھٹنے ٹیک کر بیٹھ گئی اور وی سی آر میں کیسٹ لگانے کے بعد اس نے ٹی وی آن کر دیا اور ریموٹ کنٹرول لے کر صوفے پر بیٹھ گئی۔ اس کا اشارہ پا کر میں بھی اس کے قریب ... صوفے پر بیٹھ گیا۔

ٹی وی اسکرین پر پہلے رنگ برنگی دھاریاں سی چمکتی رہیں پھر ایک کمرے کا منظر ابھر آیا۔ ...

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

تابوت پر فوکس ہو گیا اور اس کے ساتھ ہی انگریزی میں تبصرہ بھی سنائی دینے لگا۔

مبصر اس تابوت کے بارے میں بتا رہا تھا اور کیمرہ بڑی خوبصورتی سے تابوت کے مختلف حصوں کو نمایاں کر رہا تھا۔ تابوت پر قدیم طرز کے خوبصورت نقش و نگار بنے ہوئے تھے۔ پھر ایک ہاتھ نمودار ہوا جس نے تابوت کا ڈھکنا اٹھا دیا اور اس کے ساتھ ہی تابوت میں رکھی ہوئی ممی دیکھ کر مجھے سینے میں سانس رکتا ہوا محسوس ہونے لگا۔

وہ کسی شہزادی کی ممی تھی۔ پورا جسم مخصوص کپڑوں کی پٹیوں میں لپٹا ہوا تھا' تاہم چہرہ برہنہ تھا۔ چہرے سے اس کی عمر کا اندازہ لگایا جا سکتا تھا جو میرے حساب سے سترہ اٹھارہ سال سے زیادہ نہیں تھی۔ لگتا تھا جیسے وہ کوئی شہزادی ہو اور تھک کر گہری نیند سوئی ہو۔ اس کے سر پر سونے کا خوبصورت تاج تھا اور سینے پر چھ انچ چوڑی اور آٹھ انچ لمبی سونے کی ایک تختی رکھی ہوئی تھی جس پر کسی قدیم زبان میں کچھ لکھا ہوا تھا۔

مبصر پہلے تاج اور سونے کی اس تختی کے بارے میں بتاتا رہا پھر اس ممی کے بارے میں بتانے لگا۔ اس کے مطابق اس ممی کا تعلق ڈھائی ہزار سال پہلے کے دور سے تھا۔ جب فارس (ایران) پر سائرس اعظم کے خاندان کی حکومت تھی۔ تبصرے کے ساتھ ساتھ کیمرہ بھی حرکت کرتا رہا۔ کیمرہ بار بار چہرے کو نمایاں کر کے دکھا رہا تھا۔ اس کے حسین ہونے میں کوئی شبہ نہیں تھا۔

تقریباً چالیس منٹ کے اس کیسٹ میں اس ممی کے بارے میں بہت کچھ بتایا گیا۔ کئی تاریخی حوالے دیئے گئے۔

فلم ختم ہو گئی۔ اسکرین پر چمکیلے ذرات بکھر گئے۔ حریری نے ٹی وی اور وی سی آر آف کر دیا۔

"یہ فلم تمہیں کہاں سے ملی؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"میرے جو دو آدمی یہاں موجود ہیں' وہ بہت کام کر رہے ہیں۔" حریری نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "یہ فلم ایک ہفتہ پہلے ملی تھی۔ شہزادی کی ممی اسی شہر میں موجود ہے اور میرے آدمی اس کا سراغ لگانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ امید ہے چند روز میں اس کا پتہ چل جائے گا۔ ویسے تمہاری اطلاع کے لیے بتا دوں کہ جس شخص کے قبضے میں یہ ممی موجود ہے وہ امریکہ کے ایک پرائیوٹ میوزیم سے اس کا سودا کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ اس ممی کے لیے بیس کروڑ ڈالر کی پیشکش ہو چکی ہے جبکہ اس شخص کا مطالبہ پچاس کروڑ ڈالر ہے۔"

"پچاس کروڑ!" میں حیرت سے اچھل پڑا۔

"ہاں۔ لیکن میرا خیال ہے کہ اسے تیس پینتیس کروڑ تک مل جائیں گے۔" حریری نے جواب دیا۔

"لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس ممی کو ملک سے باہر کیسے بھیجا جائے گا۔ یہ کوئی ہیروئن کا پیکٹ تو ہے نہیں جسے سوٹ کیس یا بیگ کے کسی خفیہ خانے میں چھپا لیا جائے گا۔" میں نے کہا۔

"پیسے میں بڑی طاقت ہوتی ہے اور یہ بات تم بھی اچھی طرح جانتے ہو۔" حریری نے جواب دیا۔ "دنیا کا کوئی ملک ایسا نہیں جہاں سرکاری ملازمین میں کرپشن نہ ہو۔ اسمگلنگ کی روک تھام تو ممکن

نہیں۔ جو لوگ اس دھندے سے وابستہ ہیں ان کے پاس بڑی طاقت ہے۔ یہاں تو سوئی سے لے کر ہاتھی تک بغیر کسی روک ٹوک کے اسمگل ہو جاتے ہیں۔ وہ پراسرار ممی ابھی کراچی میں موجود ہے لیکن کسی دن تم نیویارک' پیرس' لندن یا کسی اور شہر میں اس کی موجودگی کی خبر سنو گے۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگی۔ "اس ممی کو ملک سے باہر جانے سے پہلے میں اپنے قبضے میں لینا چاہتی ہوں اور تمہیں میرا ساتھ دینا ہو گا۔"

"اس کے لیے تم گاہک کہاں سے تلاش کرو گی؟" میں نے کہا۔

"گاہک!" حریری نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ "آج اگر ممی مل جائے تو کل اس کا سودا ہو سکتا ہے۔ ایک بات اور جو میں شروع ہی میں واضح کر دینا چاہتی ہوں۔"

"وہ کیا؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"ممی مل جانے کی صورت میں سودا ہو جانے کے بعد تمہیں پندرہ پرسینٹ ملے گا۔" حریری نے جواب دیا۔ "یہ کاروباری معاملہ ہے۔ اس لیے میں سمجھتی ہوں کہ ہر بات کی شروع ہی میں وضاحت ہو جائے تاکہ بعد میں کوئی الجھن پیدا نہ ہو اور ہمارے تعلقات میں کوئی رخنہ نہ آئے۔"

حریری کی اس بات پر مجھے دھچکا سا لگا۔ میرے ذہن میں ایسی کوئی بات نہیں آئی تھی لیکن وہ لگی لپٹی رکھے بغیر کاروباری معاملہ لے بیٹھی تھی۔ ویسے ایک لحاظ سے یہ اچھی بات تھی۔

"تم تعلقات رکھنا چاہتی ہو یا کاروبار کو ترجیح دو گی؟" میں نے چبھتی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"شاید تمہیں میری بات بری لگی ہے۔" وہ مسکراتے ہوئے بولی۔ "میں نے تمہاری طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا ہے اور ایک اچھے دوست کو اپنانے کے لیے میں ہر چیز قربان کر سکتی ہوں۔ لیکن میں نے کچھ اصول بھی بنا رکھے ہیں۔ تم بزنس میں میرا ساتھ دو گے تو تمہیں اس میں حصہ بھی ملنا چاہیے۔"

حریری کی اس صاف گوئی پر میں بھی مسکرائے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔

"ٹھیک ہے۔" میں نے کہا۔ "مجھے تمہاری پندرہ پرسینٹ والی شرط منظور ہے لیکن اس کے بعد......"

"یہ مشن مکمل ہونے کے بعد ہم ایران چلے جائیں گے۔" اس نے میری بات کاٹ دی۔

"زندگی گزارنے کے لیے ہمارا ملک بھی برا نہیں ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "ہم پرسکون زندگی گزارنے کے لیے کوئی گوشہ تلاش کر ہی لیں گے۔"

حریری بھی میری اس بات پر مسکرا دی۔ اس نے جھک کر وی سی آر میں سے کیسٹ نکال لیا اور کھڑکیوں کے پردے ہٹانے لگی۔

دن کی روشنی پھیل چکی تھی اور میرے خیال میں کچھ ہی دیر بعد سورج بھی طلوع ہونے والا تھا۔

"رات بیت گئی۔" وہ میری طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "مجھے نیند آ رہی ہے۔ تم بھی سو جاؤ۔ شام کو بات ہو گی۔"

میں نے حریری کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ میں بھی اپنی آنکھوں میں

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

جلن سی محسوس کر رہا تھا۔

ہم دونوں اس کمرے سے نکل آئے۔ حریری تو اپنے کمرے میں چلی گئی۔ اور میں بھی اپنے کمرے میں آ گیا۔

بستر پر لیٹ کر میں حریری کے بارے میں سوچنے لگا۔ پہلی مرتبہ اسے دیکھ کر میرا دل اچھلا تھا۔ میں نے اسے اپنے لیے شجر ممنوعہ سمجھا تھا لیکن اب وہ میری دسترس میں تھی۔ اس کے حسین تصور سے میرے سینے میں گدگدی سی ہونے لگی۔ میری آنکھیں بند ہونے لگیں اور کچھ ہی دیر بعد میں نیند کی آغوش میں پہنچ چکا تھا۔

☆☆.....☆☆.....☆☆

حریری کو پہلی مرتبہ رنگا کے ڈیرے پر دیکھا تھا تو اس وقت میرے ذہن میں صرف ایک خیال ابھرا تھا کہ وہ رنگا کی داشتہ تھی' شوپیس۔ غنڈوں اور بدمعاشوں کے ہر گروہ کا سرغنہ اپنے ساتھ ایک دم چھلا ضرور رکھتا تھا اور میں حریری کو بھی ایسا ہی سمجھا تھا لیکن حریری میری سوچ سے بہت زیادہ مختلف ثابت ہوئی تھی۔

اس کی داستان حیات نے بھی مجھے بہت متاثر کیا تھا۔ وہ مصائب جھیلتے ہوئے اور کٹھن حالات کا مقابلہ کرتے ہوئے یہاں تک پہنچی تھی۔ منشیات کے اسمگلروں کے گروہوں میں خوبصورت لڑکیوں کی موجودگی کوئی غیر معمولی بات نہیں تھی بلکہ یہ خوبصورت لڑکیاں اس گھناؤنے کاروبار کا ایک لازمی حصہ سمجھی جاتی تھیں۔ جو کام کوئی اور طاقت نہیں کر سکتی تھی وہ ان خوبصورت لڑکیوں سے لیے جاتے تھے۔

حریری بھی اگرچہ ایک غیر قانونی دھندے سے وابستہ تھی لیکن اس نے ایک مختلف شعبے کا انتخاب کیا تھا اور اس میں اسے خاصی مہارت حاصل ہوگئی تھی۔ وہ جس طرح اپنے گرد و پیش کو سنبھالے ہوئے تھی وہ قابل تعریف بات تھی۔ وہ جس طرح ممی کی تلاش میں کراچی تک آ گئی تھی اور جس طرح اس نے یہ کیسٹ حاصل کر لیا تھا اس سے میں اندازہ لگا سکتا تھا کہ وہ اس ممی تک بھی ضرور پہنچ جائے گی۔

ایک ہفتہ گزر گیا۔ اس دوران نہ تو حریری اس کوٹھی سے باہر نکلی تھی اور نہ ہی میں نے کمپاؤنڈ سے باہر قدم نکالا تھا۔ تاہم حریری دن میں کئی بار ٹیلی فون پر کسی نہ کسی سے بات کرتی رہتی تھی۔

اس شام ٹیڈی کو کوٹھی میں دیکھ کر میرے ہونٹوں پر بے اختیار مسکراہٹ آ گئی تھی۔ ٹیڈی نے گرمجوشی سے مجھ سے ملا تھا۔

ٹیڈی ان پڑھ اور جاہل آدمی تھا لیکن اس نے نہایت معقول انداز میں نرگس کی تعزیت کی تھی۔ وہ چند روز ہمارے ساتھ رہا تھا اور نرگس سے بہت مانوس ہو گیا تھا۔ نرگس کو تو وہ بہن کہا کرتا تھا اور اب اسے یاد کر کے دیر تک آنسو بہاتا اور آہیں بھرتا رہا۔

نرگس کے تذکرے پر فضا کچھ دیر کے لیے سوگوار سی ہوگئی تھی۔ حریری بھی ہمارے پاس بیٹھی ہوئی تھی۔ حزن و ملال نے اس کے چہرے کو بھی سوگوار بنا رکھا تھا لیکن تھوڑی دیر بعد تابندہ کے آ جانے سے موضوع بدل گیا۔

تابندہ کی ملازمہ بھی دو دن پہلے واپس آ گئی تھی۔ وہ ادھیڑ عمر سرائیکی عورت تھی اور اس کی رہائش

بھی کوٹھی کے پچھلی طرف واقع سرونٹ کوارٹر ہی میں تھی۔ لیکن اس کا زیادہ وقت کوٹھی میں ہی گزرتا تھا۔ ملازمہ نے ہمارے سامنے چائے لا کر رکھ دی۔

ٹیڈی مجھے صورت حال سے آگاہ کر رہا تھا۔ تحریمی کے بارے میں ابھی کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔ وہ رنگا کے بارے میں بتا رہا تھا جو حریری کے چلے جانے سے پاگل کتوں کی طرح ادھر سے ادھر بھاگا پھر رہا تھا۔

''وہ بولتا ہے حریری مل جائے تو اس کو قتل وتل کر دے گا۔'' ٹیڈی کہہ رہا تھا۔ ''وہ حریری کو اپنا جائیداد سمجھتا تھا۔ اس پاگل کا بچہ کو پتا نہیں تھا کہ حریری نے اس بھوت کے ساتھ رہ کر اس پر احسان کیا تھا۔ اس کا عزت بڑھایا تھا۔ مگر وا جا وہ تو ہے ہی بے عزت آدمی۔ اب سب لوگ اس کو چھوڑ دیا ہے نا۔ اس کا ہوش ٹھکانے پر آ گیا ہے۔ اس کو تو ہم نے ویسے بھی کنگا کر دیا ہے۔''

''وہ واقعی بے وقوف آدمی ہے۔'' میں نے کہا۔

''ایسا ویسا۔'' ٹیڈی بولا۔ ''جیسا ہم لوگوں نے اس کا ساتھ دیا ہے کوئی اور ہوتا تو ہمارا بوت عزت کرتا مگر وہ تو ہم لوگوں کو اپنا غلام سمجھنے لگا تھا۔ ہم اس کو بوت سمجھایا ہوں مگر اس کا دل میں برائی ہے۔ اب بچو کو پتا چلے گا۔''

''تم نے کوئی اور حرکت کی ہے؟'' میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

''وہ دیکھو وا جا۔'' اس نے مسکراتے ہوئے ایک طرف اشارہ کیا۔ میں نے گردن گھما کر اس کی طرف دیکھا۔ گرے رنگ کا کینوس کا ایک سفری بیگ دیوار کے قریب پڑا تھا۔

''یہ کیا ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''خود ہی دیکھ لو۔'' ٹیڈی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بدستور تھی۔

میں نے چائے کا کپ میز پر رکھ دیا اور اٹھ کر بیگ کے قریب پہنچ گیا۔ میں نے جھک کر بیگ کی زپ کھولی۔ اس کے اندر جو کچھ بھی تھا اس کے اوپر میلا سا ایک کپڑا پھیلا ہوا تھا۔ میں نے جیسے ہی کپڑا ہٹایا تو میں اچھل پڑا۔ بیگ میں ہیروئن کے پیکٹ بھرے ہوئے تھے۔ سب سے اوپر والے پیکٹ پر وہ مہر صاف نظر آ رہی تھی جو اس سے پہلے بھی میں دیکھ چکا تھا۔ یہ وہی ہیروئن تھی جو میں نے تحریمی کے آدمی سے چھینی تھی۔

''نہیں ڑے!'' میں نے ٹیڈی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''ہاں ڑے۔'' ٹیڈی چہکا۔

میں نے بیگ کی زپ لگا دی اور اپنی جگہ پر آ کر بیٹھ گیا اور کبھی ٹیڈی اور کبھی حریری کی طرف دیکھنے لگا۔ حریری نے اس ہیروئن کے حوالے سے مجھے کچھ اور پروگرام بتایا تھا۔

''اب ہم نے پروگرام بدل دیا ہے۔'' حریری نے کہا۔ اس نے شاید میرا ذہن پڑھ لیا تھا۔ ''اگر ہم تحریمی کو رنگا کے پیچھے لگا دیتے اور وہ ہیروئن حاصل کر بھی لیتا تو تم سے اس کی عداوت ختم نہ ہوتی۔ ٹیڈی نے دو دن پہلے رنگا کے خفیہ ٹھکانے سے یہ ہیروئن چرائی تھی۔ رنگا کو اس کا ابھی تک پتا نہیں چل سکا تھا۔ اب ہمارا پروگرام یہ ہے کہ یہ ہیروئن تمہارے ذریعے سے تحریمی تک پہنچا دی جائے اور اسے یہ بھی یقین

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

دہانی کرادی جائے کہ ہماری طرف سے آئندہ اس کے کاروبار میں مداخلت نہیں ہوگی۔ وہ تمہارا پیچھا چھوڑ دے گا اور ہم اطمینان و سکون سے اپنا کام کرسکیں گے۔"

"مجھے یہ ہیروئن واپس کرتے ہوئے افسوس ہوگا۔" میں نے کہا۔ "میں نے تو یہ عہد کیا تھا کہ اس گروہ کو جڑ سے اکھاڑ پھینکوں گا اور....."

"وہی ہوگا جو تم نے سوچ رکھا ہے۔" حریری نے میری بات کاٹ دی۔ "لیکن اب یہ کام تم نہیں کوئی اور کرے گا۔ اور یہ ہیروئن۔" اس نے بیگ کی طرف اشارہ کیا۔ "یہ ہیروئن اسے واپس تو مل جائے گی لیکن وہ اس میں سے ایک پڑیا بھی فروخت نہیں کرسکے گا۔"

"یہ کیسے ممکن ہے۔" میں نے کہا۔ "اسے کون روک سکتا ہے؟"

"ہم روکیں گے۔" حریری نے جواب دیا۔

"تمہارے ذہن میں کوئی خاص پلان؟" میں نے پوچھا۔

حریری نے ٹیڈی کی طرف دیکھا اور ٹیڈی قدرے آگے جھک کر مجھے اپنے پلان سے آگاہ کرنے لگا۔

"ٹھیک ہے۔" میں نے کہا۔ "لیکن اگر کوئی گڑبڑ ہوگئی تو؟"

"گڑبڑ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا واجا۔" ٹیڈی بولا۔ "ہم کچا گولی نہیں کھیلا ہوں۔ ایسا بندوبست کیا ہوں کہ تحریری ادھر الجھا رہے گا اور ہم آرام سے اپنا کام کرتے رہیں گے۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ "تو یہ بیگ کب اس کے حوالے کرنا ہوگا؟"

"ایک دو دن میں سب کچھ فائنل کرکے تمہیں بتا دیا جائے گا۔" ٹیڈی نے جواب دیا۔

ٹیڈی اس رات کافی دیر تک ہمارے پاس بیٹھا رہا تھا۔

چوتھے دن رات گیارہ بجے سیاہ رنگ کی ایک وین کوٹھی میں داخل ہوئی۔ یہ وہی وین تھی جس پر نرگس کی ڈیڈ باڈی لے جائی گئی تھی۔ وین میں ٹیڈی کے ساتھ صرف ایک آدمی بیٹھا تھا۔ ہیروئن والا بیگ کمرے سے نکال کر وین میں رکھ دیا گیا۔ ٹیڈی کا ساتھی وین کے پچھلے حصے میں بیٹھ گیا۔ ٹیڈی نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی اور میں اس کے ساتھ دوسری سیٹ پر براجمان ہوگیا۔

وین کوٹھی سے نکل کر مختلف گلیوں میں گھومنے کے بعد مین روڈ پر آگئی اور نیپا چورنگی سے ہوتی ہوئی یونیورسٹی کی طرف جانے والی سڑک پر مڑ گئی۔

سفاری پارک سے ذرا آگے وین دائیں طرف مڑ گئی۔ اس سڑک پر اب تو رات کو دیر تک ٹریفک جاری رہتا ہے لیکن جس زمانے کی میں بات کررہا ہوں اس زمانے میں شام کا اندھیرا پھیلنے کے بعد یہاں سناٹا چھا جاتا تھا۔ تقریباً تین کلومیٹر آگے جوہر اسکوائر تک بیچ میں کوئی آبادی بھی نہیں تھی۔ سڑک کے دونوں طرف چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں اور ٹیلے تھے۔ کہیں کہیں کسی تعمیراتی پراجیکٹ پر ابتدائی کام شروع ہوا تھا۔ لیکن اس وقت آدھی رات کے قریب تو یہاں دور دور تک سناٹا ہی تھا۔

ٹیڈی نے وین ایک اور ذیلی سڑک پر موڑ کر روک لی۔ اس سے آگے چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں تھیں

جن کے درمیان پتھریلا راستہ تھا۔

چند سیکنڈ بعد ہی ایک گاڑی ہم سے تقریباً پچاس گز پیچھے آ کر رک گئی اور اس کے ہیڈ لیمپس بجھ گئے۔

میں اور ٹیڈی وین سے اتر آئے۔ میں نے اپنی ٹی شرٹ کے نیچے پتلون کے بیلٹ میں اڑسے ہوئے پستول کو چھو کر محسوس کیا۔ اور وین سے ٹیک لگا کر کھڑا ہوگیا۔ ٹیڈی بھی میرے قریب ہی کھڑا تھا۔

تقریباً پندرہ منٹ بعد جوہر اسکوائر کی طرف سے ایک گاڑی آتی ہوئی دکھائی دی۔ وہ گاڑی سڑک کے بائیں طرف آرہی تھی۔ لیکن قریب آ کر وہ ہماری سائیڈ پر مڑ گئی اور ہمارے قریب آ کر رک گئی۔ ہیڈ لیمپس کی تیز روشنی میں ہماری آنکھیں چندھیا گئیں۔ لیکن ہیڈ لیمپس فوراً ہی بجھ گئے۔

وہ شاندار مرسیڈیز کار تھی جس کے اندر کی بتی جل رہی تھی۔ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا ہوا شخص بہت ہی خونخوار قسم کا لگ رہا تھا۔ پچھلی سیٹ پر رضیہ کے ساتھ ایک ادھیڑ عمر آدمی بیٹھا ہوا تھا۔ گوری چٹی رنگت' کلین شیو اور سر پر سرخ اور سفید چیک کا رومال مخصوص انداز میں لپٹا ہوا تھا۔ مجموعی طور پر وہ پروقار شخصیت کا مالک تھا۔

وہ تحریری تھا۔ میں نے اسے پہلی بار دیکھا تھا۔ تحریری اور رضیہ کو دیکھ کر میرے دل کی دھڑکن تیز ہوگئی۔ وہ دونوں کار سے اتر آئے اور ٹھیک اسی وقت ایک جیپ تقریباً پچاس گز کے فاصلے پر سڑک کے دوسری طرف آ کر رکی تھی۔ اس کے ہیڈ لیمپس بھی فوراً ہی بجھ گئے۔

ٹیڈی شاید تحریری کے لیے اجنبی نہیں تھا۔

"اچھا ہوا تم نے رنگا کا ساتھ چھوڑ دیا۔" تحریری اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے بولا۔ "وہ کم ظرف اور محسن کش آدمی ہے۔ تم جیسے لوگوں کے لیے اس سے دور رہنا ہی بہتر ہے۔" تحریری میری طرف گھوم گیا۔ مجھ سے ہاتھ ملاتے ہوئے اس کے انداز میں بڑی گرمجوشی تھی۔ "تمہارے بارے میں رضیہ اور شاہ جی سے جیسا سنا تھا ویسا ہی پایا۔ اگر پہلے ہم دوستوں کی طرح ملے ہوتے تو آج صورتحال مختلف ہوتی۔ بہرحال میرے دروازے تمہارے لیے کھلے ہیں۔ تمہیں اپنے ساتھ دیکھ کر مجھے خوشی ہوگی۔"

"یہ ہماری پہلی اور آخری ملاقات ہے۔" میں نے بھی اسی گرمجوشی سے اس کا ہاتھ دباتے ہوئے کہا۔ "میں تمہاری امانت واپس کررہا ہوں' اسے میری بزدلی مت سمجھنا۔ یہ دھندہ مجھے پسند نہیں آیا' اس لیے الگ ہورہا ہوں۔"

"اگر تم بزدل ہوتے تو میں تمہیں اپنے پاس آنے کی دعوت ہرگز نہ دیتا۔" تحریری نے کہا۔ "ویسے ایک بات یاد رکھنا' اس دھندے سے نکل جاؤ تو مجھے خوشی ہوگی لیکن اس دھندے میں آنے کے بعد کسی کو واپس جاتے ہوئے نہیں دیکھا۔"

"اس کا انحصار نیت پر ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"میری پیشکش برقرار رہے گی۔" تحریری نے کہا۔ "تم جب چاہو ہم تمہیں خوش آمدید کہیں گے۔ اور میرا خیال ہے اب معاملے کی بات ہو جائے۔"

ٹیڈی نے وین پر ہاتھ مارا۔ اندر بیٹھے ہوئے آدمی نے دروازہ کھول دیا۔ وین کے اندر کی بتی

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

بھی بل گئی۔ ٹیڈی نے بیگ باہر کھینچ لیا۔

''چیک کر کے اپنا اطمینان کرلو۔ بعد میں کوئی ایسی بات نہیں ہونی چاہیے۔'' ٹیڈی نے کہا۔

''تحریمی کی یہی عادت بہت بری ہے کہ وہ ہر ایک پر اعتماد کر لیتا ہے لیکن تم شاید ٹھیک کہتے ہو۔ مجھے چیک کر لینا چاہیے۔'' تحریمی نے کہا اور ٹیڈی کو اشارہ کیا۔

بیگ دوبارہ وین کے اندر رکھ دیا گیا۔ ہر پیکٹ پر مہر جوں کی توں موجود تھی۔ اس نے تمام پیکٹ دوبارہ بیگ میں پیک کر دیے اور نیچے اتر کر اپنے ڈرائیور کو اشارہ کیا جو قریب ہی کھڑا تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر بیگ اٹھا لیا۔

''رضیہ تمہارے لیے بہت پریشان رہی ہے۔'' تحریمی نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''یہ پچھلے گلے شکوے بھولنے کو تیار ہے۔ اگر تم پسند کرو تو یہ تمہارے ساتھ جا سکتی ہے۔''

''مجھے اب کسی رضیہ کی ضرورت نہیں ہے۔'' میں نے جواب دیا۔ ''ایک اور بات میں تم سے بھی کہنا چاہتا ہوں۔ تمہیں ہماری نیت پر کوئی شبہ نہیں ہونا چاہیے۔ تمہاری یہ امانت واپس کرتے ہوئے ہماری نیتوں میں کوئی فتور نہیں ہے لیکن یہاں سے رخصت ہونے کے بعد کوئی ایسی بات ہوتی ہے تو اس کی ذمے داری ہم پر نہیں ہوگی۔''

''میں سمجھتا ہوں۔'' تحریمی نے رخصتی مصافحہ کے لیے میری طرف ہاتھ بڑھا دیا۔ ''تمہارے لیے میری پیشکش اب بھی برقرار ہے۔ ہم اس وقت اچھے اور خوشگوار ماحول میں ایک دوسرے سے رخصت ہو رہے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ آئندہ بھی ملاقات ہوئی تو ایسے ہی خوشگوار ماحول میں ہوگی۔''

''میں نے کہا تھا نا کہ یہ ہماری پہلی اور آخری ملاقات ہے۔'' میں نے جواب دیا۔

''میں چند روز بعد لاہور جا رہی ہوں۔'' رضیہ نے پہلی بار ہماری باتوں میں مداخلت کرتے ہوئے کہا۔ ''اگر تم بھی لاہور واپس آ جاؤ تو میں تمہارا انتظار کروں گی۔''

میں نے جواب دینے کے بجائے محض مسکرانے پر ہی اکتفا کیا تھا۔

وہ دونوں کار میں بیٹھ گئے۔ کار حرکت میں آ گئی۔ یوٹرن لیا اور اسی طرف چلی گئی جس طرف سے آئی تھی۔ سڑک کے دوسری طرف کھڑی ہوئی جیپ بھی اسی طرف چلی گئی تھی۔

مجھے کچھ گڑبڑ کا اندیشہ تھا لیکن یہ معاملہ خیریت سے نمٹ گیا تھا۔ ہمارے پیچھے تقریباً پچاس گز دور کھڑی ہوئی گاڑی بھی حرکت میں آئی اور ہمارے قریب آ کر رک گئی۔ اس کار میں اسٹیئرنگ کے سامنے حریری کو دیکھ کر میں اچھل پڑا۔ ایک آدمی اس کے ساتھ والی سیٹ پر اور دو پچھلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے تھے۔ ان تینوں کے پاس کلاشنکوف رائفلیں تھیں جن کی نالیاں کھڑکیوں پر ٹکی ہوئی تھیں۔

وہ تینوں آدمی کار سے اتر کر سیاہ وین میں بیٹھ گئے اور میں کار کا دروازہ کھول کر پسنجر سیٹ پر بیٹھ گیا۔ حریری کے ہونٹوں پر اس وقت بڑی دلفریب مسکراہٹ تھی۔ میرے بیٹھتے ہی اس نے کار واپس موڑ لی۔ ٹیڈی والی سیاہ وین بھی ہمارے پیچھے ہی آ رہی تھی۔

نیاپور نگی سے ہماری کار تو دائیں طرف مڑ گئی اور سیاہ وین سیدھی حسن اسکوائر کی طرف چلی گئی۔ ہمیں کوٹھی تک پہنچنے میں چند منٹ سے زیادہ نہیں لگے تھے۔ اس وقت رات کا ایک بج رہا تھا۔

کوٹھی کے گیٹ کے ذیلی دروازے کے اوپر لوہے کا آنکڑا سا پھنسا ہوا تھا۔ میں نے وہ آنکڑا ہٹا کر دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو کر گیٹ کھول دیا۔ حریری گاڑی کو اندر لے آئی۔

برآمدے والا دروازہ بھی کھلا ہوا تھا اور مجھے زیادہ حیرت نہیں ہوئی۔ دروازے عام طور پر اس وقت تک کھلے ہی رہتے تھے جب تک تابندہ جاگتی تھی۔ سونے سے پہلے وہی دروازہ وغیرہ بند کرتی تھی۔

لاؤنج کی بتیاں جل رہی تھیں لیکن نہ تو تابندہ دکھائی دی اور نہ ہی ملازمہ نظر آئی۔ حریری نے تابندہ کا نام لے کر آواز بھی دی لیکن جواب نہیں ملا۔

''کمرے میں دیکھو شاید سو گئی ہوگی۔'' حریری نے کہا۔

میں تابندہ کی خواب گاہ کی طرف بڑھ گیا۔ دروازے کے نیچے سے کمرے کے اندر کی روشنی نظر آ رہی تھی۔ میں نے ہینڈل پر ہاتھ رکھ کر آہستگی سے اسے گھمایا اور دروازہ کھول دیا۔ لیکن اندر قدم رکھتے ہی مجھے یوں لگا جیسے میرے سر پر پہاڑ ٹوٹ پڑا ہے۔ سر پر لگنے والی وہ ضرب بہت شدید تھی۔ میری آنکھوں کے سامنے نیلی پیلی چنگاریاں سی رقص کرنے لگیں۔ میں ابھی سنبھل بھی نہ پایا تھا کہ جبڑے پر زوردار گھونسا لگا۔ میں لڑکھڑا کر ایک کرسی سے ٹکرا گیا اور اس کا سہارا لے کر سنبھل گیا اور سر کو ہلکے ہلکے جھٹکے دینے لگا۔

آنکھوں کے سامنے چھانے والی دھند چھٹنے لگی اور جب میرے حواس بحال ہوئے تو اپنے سامنے رنگا کو دیکھ کر میرے دماغ میں دھماکے ہونے لگے اور سنسنی کی ایک لہر میرے پورے جسم میں دوڑتی چلی گئی۔

☆.....☆.....☆

رنگا کمرے میں اکیلا نہیں تھا۔ دروازے کے پیچھے ایک اور آدمی بھی کھڑا ہوا تھا۔ وہ بھی رنگا ہی کے قبیل کا تھا۔ سیاہ رنگت' گھنگھریالے بال اور چمکتے ہوئے سفید دانت۔ اس شخص کو بھی میں رنگا کے ڈیرے پر دیکھ چکا تھا۔ لیکن مجھے اس کا نام معلوم نہیں تھا۔

رنگا کے ہاتھ میں چاقو تھا۔ میں نے پہلے بھی سن رکھا تھا کہ وہ چاقو چلانے میں بڑا ماہر تھا اور پستول سے زیادہ اپنے پاس چاقو رکھنے کو ترجیح دیتا تھا۔ اس دوسرے شیدی کے پاس بھی چاقو ہی تھا۔

بیڈ پر تابندہ پڑی تھی۔ اس کے ہاتھ پیر بندھے ہوئے تھے۔ منہ میں کپڑا ٹھنسا ہوا تھا۔ اس کی آنکھوں میں بے پناہ خوف تھا۔

رنگا کے چہرے پر سفاکی اور آنکھوں میں بے پناہ نفرت جھلک رہی تھی۔ وہ چاقو کو بار بار ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں منتقل کر رہا تھا۔ میں اس کے چہرے پر نظریں جمائے کھڑا ایک ہاتھ سے اپنا جبڑا سہلا رہا تھا۔ اچانک ہی باہر سے حریری کی ہلکی سی چیخ سنائی دی۔ مجھے اندازہ لگانے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی کہ لاؤنج میں بھی رنگا کا کوئی ساتھی موجود تھا جو ہمارے آنے پر غالباً کسی صوفے کے پیچھے چھپ گیا تھا اور اس نے حریری کو قابو کر لیا تھا۔

''تم تو بڑا حرامی نکلا واجا۔'' رنگا میری طرف دیکھتے ہوئے نفرت بھرے لہجے میں بولا۔ ''ہم نے تم کو پہلے ہی دن وارننگ دیا تھا کہ ہمارے ساتھ دھوکہ کرے گا تو ہم تم کو زندہ نہیں چھوڑے گا۔''

''دھوکے باز میں نہیں تم ہو۔'' میں نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ ''تم تو

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

اپنے ان ساتھیوں کے وفادار نہیں رہے جنھوں نے کئی بار تمہاری خاطر اپنی جانوں کی بازی لگا دی تھی۔ میرے ساتھ تم کیا وفا کرتے...... دھوکا اور بے وفائی تو تمہاری فطرت میں شامل ہے۔ مجھے الزام کیوں دے رہے ہو۔"

"ہم نے تمہارے ساتھ دھوکا نہیں کیا۔" وہ غرایا۔ "تم نے میرے ساتھیوں کو ورغلانے کی کوشش کی تھی۔ تمہاری وجہ سے میرے گروہ میں پھوٹ پڑ گئی اور میرے پرانے ساتھی مجھے چھوڑ کر چلے گئے۔ میں تمہاری یہ ساری باتیں معاف کر دیتا لیکن تم تو میری عورت کو بھی ورغلا کر لے آئے۔"

"میں نے تمہارے کسی ساتھی کو نہیں ورغلایا۔ وہ تمہاری بدنیتی اور تمہاری بے اصولیوں کی وجہ سے تم سے الگ ہوئے ہیں اور جہاں تک اس عورت کا سوال ہے تو حریری نہ پہلے کبھی تمہاری تھی اور نہ آئندہ ہوگی۔ تم جیسے بھوت کے ساتھ تو اس نے چند ہفتے مجبوری کی حالت میں گزارے تھے۔"

"زبان روکو جوان......" رنگا چیختے ہوئے چاقو لہراتا ہوا حملہ آور ہوا۔

میں اسے اشتعال دلانا چاہتا تھا اور میرا حربہ کامیاب ہوا تھا۔ وہ طیش میں آ کر سوچے سمجھے بغیر مجھ پر حملہ آور ہوا تھا۔ میں بڑی پھرتی سے ایک طرف ہٹ گیا۔ وہ اپنی ہی جھونک میں آگے نکل گیا۔ میں نے گھوم کر اس کے کولہے پر زوردار لات رسید کر دی۔ وہ لڑکھڑا ہوا ایک کرسی سمیت الٹ گیا۔

رنگا کے ساتھی نے بھی بڑی تیزی سے میرے اوپر حملہ کیا تھا۔ میں نے اس کا وار روک لیا۔ اس کی چاقو والی کلائی میری گرفت میں آ گئی تھی۔ دوسرے ہاتھ سے میں نے اس کے اسی بازو کی بغل میں زوردار گھونسہ رسید کر دیا۔ وہ چیختا ہوا اچھلا اور جب وہ نیچے جھکا تو میں بڑی تیزی سے بیٹھ گیا اور اس کے بازو کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر اس کی کہنی اپنے گھٹنے پر ماری۔ وہ ذبح ہوتے ہوئے بکرے کی طرح بلبلا اٹھا۔ چاقو بھی اس کے ہاتھ سے نکل کر گر گیا تھا۔

میں نے اسے پکڑ کر اوپر اٹھا لیا اور اس کے جبڑے پر پے در پے تین گھونسے رسید کر دیے۔ ٹھیک اسی وقت رنگا بھی اٹھ کر میری طرف لپکا تھا۔ میں نے اپنے حریف کو پوری قوت سے پیچھے دھکیل دیا۔ رنگا اس سے ٹکرایا اور وہ دونوں قالین پر ڈھیر ہو گئے۔

میں نے رنگا کو کبھی لڑتے ہوئے نہیں دیکھا تھا لیکن اس کے منہ سے اس کی بہادری کی داستانیں بہت سنی تھیں۔ جب میری اس سے دوستی تھی تو وہ اکثر اپنے جنگی معرکوں کے قصے سنایا کرتا تھا۔ "میں نے چار آدمیوں کو گلٹی کر دیا...... میں نے دو آدمیوں کی ٹانگیں چیر دیں اور چھ آدمیوں کو بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ وغیرہ۔

وہ بازار سے بھتہ وصول کیا کرتا تھا۔ شریف لوگ اس سے ضرور مار کھاتے ہوں گے لیکن ایسا آدمی کوئی نہیں ٹکرایا ہوگا جو تھپڑ کا جواب گھونسے سے دے سکے۔ آج شاید پہلی مرتبہ اسے اس قسم کی صورتحال کا سامنا کرنا پڑا تھا اور مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ لڑائی کے فن سے بالکل واقف نہیں تھا۔

دوسرا آدمی قالین پر پڑا کراہتا رہا۔ اس کی کہنی کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی یا بہت شدید ضرب آئی تھی۔ اس کا وہ بازو حرکت کے قابل نہیں رہا تھا۔ تاہم رنگا بڑی پھرتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اٹھ گیا تھا۔ اب وہ خالی ہاتھ تھا۔ میری شرٹ کے نیچے پتلون کی بیلٹ میں اگرچہ پستول اڑسا ہوا تھا اور میں چاہتا تو بڑی آسانی

سے اس کے جسم میں کئی سوراخ بنا سکتا تھا لیکن اسے جان سے مارنے کا میرا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ میں تو اسے سبق سکھانا چاہتا تھا کہ دوستوں سے دھوکے اور فریب کا نتیجہ کیا ہوتا ہے۔

رنگا نے کسی باکسر کی طرح دونوں ہاتھ آگے نکال لیے۔ میرا خیال تھا کہ چاقو ہاتھ سے نکل جانے کے بعد وہ باکسنگ کا کوئی حربہ آزمائے گا لیکن وہ اچانک ہی جھک کر بڑی تیزی سے میری طرف لپکا۔ اس کا انداز ایسا ہی تھا جیسے کوئی ارنا بھینسا دشمن پر حملہ آور ہو رہا ہو۔

مجھے اچانک ہی یاد آ گیا کہ یہ شیدی لوگ لڑائی بھڑائی میں اپنے سر کو زیادہ استعمال کرتے ہیں اور بعض اوقات تو وہ سر کی ٹکروں ہی سے دشمن کو لہولہان کر دیتے ہیں لیکن میرے سوچنے کا وقت گزر چکا تھا۔ اس کے سر کی ٹکر میرے پیٹ میں لگی اور وہ مجھے دھکیلتا ہوا پیچھے لے گیا۔

میں پلنگ سے ٹکرا کر پشت کے بل تابندہ کے اوپر گرا۔ تابندہ تڑپ کر رہ گئی۔ رنگا بھی میرے اوپر آ رہا تھا۔ میں نے بڑی پھرتی سے دونوں ہاتھوں سے اس کی پتلون کا بیلٹ پکڑ لیا اور پوری قوت استعمال کر کے اسے اوپر اٹھانے لگا۔

مجھے مایوسی نہیں ہوئی۔ رنگا آہستہ آہستہ اوپر اٹھتا چلا گیا۔ اب وہ میرے پیٹ پر سر کے بل کھڑا تھا۔ میں نے پوری قوت سے اسے پیچھے اچھال دیا۔ اس کی ٹانگیں بیڈ کے دوسری طرف الماری سے ٹکرائیں اور وہ چیختا ہوا بیڈ اور الماری کے درمیان خالی جگہ پر گرا۔

اس کا دوسرا ساتھی بائیں ہاتھ میں چاقو پکڑے مجھ پر حملہ آور ہوا۔ وہ جیسے ہی قریب پہنچا میں نے دونوں پیر پوری قوت سے اس کے سینے پر رسید کر دیے۔ وہ چیختا ہوا پھر ڈھیر ہو گیا۔

میں اٹھ کر پلنگ پر چڑھ گیا اور دوسری طرف رنگا پر چھلانگ لگا دی جو اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں کچھ دیر تک تو اسے وہیں رگیدتا رہا پھر اسے کھینچتا ہوا کھلی جگہ پر لے آیا اور ایک بار پھر اسے رگیدنے لگا۔

رنگا میرے نیچے تھا۔ میں اس کے سینے پر سوار تھا۔ اس نے اچانک ہی اپنے آپ کو اوپر اٹھاتے ہوئے سر سے ٹکر ماری۔ شاید وہ میری ناک کو نشانہ بنانا چاہتا تھا لیکن میں نے بھی سر کو تیزی سے حرکت دی تھی۔ اس کے سر کی ٹکر میرے رخسار کی ہڈی پر لگی اور میرا دماغ تک جھنجنا اٹھا۔ میری گرفت ایک لمحہ کو ڈھیلی ہوئی تھی اور رنگا نے اس سے پورا پورا فائدہ اٹھایا تھا۔ اس نے مجھے پیچھے اچھال دیا۔ میں قلابازی کھاتا ہوا پشت کے بل دروازے سے باہر جا گرا۔

لاؤنج میں حریری ایک اور آدمی سے گتھم گتھا ہو رہی تھی۔ مجھے حیرت تھی کہ وہ نازک سی لڑکی اب تک اس ہٹے کٹے شیدی کے قابو میں نہیں آئی تھی۔ میں نے سنبھلتے ہی اس شیدی کی کھوپڑی پر زوردار ٹھوکر ماردی۔ وہ بلبلا اٹھا۔ میں اس پر پھر حملہ کرنا چاہتا تھا لیکن رنگا اور اس کا دوسرا ساتھی کمرے سے برآمد ہوئے اور بیک وقت مجھ پر پل پڑے۔ رنگا کے پیر کی ایک زوردار ٹھوکر میری کھوپڑی پر پڑی۔ میری آنکھوں کے سامنے ایک بار پھر نیلی پیلی چنگاریاں سی رقص کرنے لگیں۔ میں سر کو دونوں ہاتھوں میں تھام کر جھکتا چلا گیا اور وہ دونوں میرے اوپر ٹھوکروں اور گھونسوں کی بارش کرتے رہے۔

جب حواس بحال ہوئے تو بازی پلٹ چکی تھی۔ حریری اور میں ایک صوفے کے قریب قالین پر پڑے تھے اور وہ تینوں ہمارے سامنے کھڑے تھے۔ رنگا کا ایک ساتھی تو اپنا سیدھا بازو دوسرے ہاتھ سے

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

سنبھالے ہوئے تھا۔ اس کے چہرے پر بے پناہ کرب تھا جبکہ خود رنگا اور دوسرے آدمی کے ہاتھوں میں چاقو تھے۔

"تم تو سنا چھ چھ آدمی کو مار گراتا تھا مگر تم تو بالکل پھس نکلا۔ واجا۔" رنگا نے مجھے ٹھوکر مارتے ہوئے کہا۔ "لیکن ہم رنگا ہوں۔ میرے سامنے تو بڑا بڑا بدمعاش لوگ ماتھا ٹیکتا ہے۔ تم کس باغ کا مولی ہے واجا۔"

"مولی باغ میں نہیں کھیت میں ہوتی ہے رنگا۔" میں نے کہا۔

"ہم جدھر مرضی مولی اگالے تم ٹوکنے والا کون ہوتا ہے۔" رنگا نے مجھے ایک اور ٹھوکر ماردی۔

"اور یہ رنڈی!" اس نے دوسری ٹھوکر حریری کو ماری۔ وہ کراہ کر رہ گئی۔ "اس کو اپنے حسن پر بڑا ناز ہے نا۔ آج ہم اس کا فوٹو ایسا بگاڑے گا کہ لوگ اس کی طرف دیکھ کر تھوکے گا بھی نہیں۔ لیکن اس کا فوٹو تو ہم بعد میں بگاڑے گا پہلے یہ ہم کو بتائے گا کہ اس نے زیور والا وہ تھیلا کدھر کیا ہے؟"

"تم مجھ سے کچھ نہیں پوچھ سکو گے۔" حریری نے جواب دیا۔ "تم نہایت گھٹیا اور بے ایمان آدمی ہو۔ اگر ناجی کو دھوکا دینے کی کوشش نہ کرتے تو اس کے ساتھ مل کر بزنس میں اس سے کہیں زیادہ کما سکتے تھے۔ تحریکی جیسا آدمی بھی تمہارے قدموں پر جھک جاتا لیکن تم چند لاکھ کے زیورات اور صرف دس کلو ہیروئن دیکھ کر ایک ایسے شخص کو دھوکا دینے پر تیار ہو گئے جس نے تم پر اندھا اعتماد کیا تھا اور اپنا سب کچھ تمہارے حوالے کر دیا تھا۔ تمہیں اپنی بداعمالیوں کی سزا ملی ہے رنگا۔ اب تم بالکل قلاش ہو چکے ہو۔ تمہارے وفادار ساتھی تمہیں چھوڑ گئے۔ وہ زیورات اور دس کلو ہیروئن بھی تمہارے ہاتھ سے نکل گئی۔ اب تمہارے پاس کچھ نہیں رہا۔ بہت جلد تمہارے یہ آدمی بھی تمہارا ساتھ چھوڑ دیں گے اور تم سڑکوں پر بھیک مانگتے نظر آؤ گے۔"

"چپ رہو رنڈی۔" رنگا غرایا۔ "میں تمہیں چیر کر پھینک دوں گا۔"

"نہیں رنگا۔ تم کچھ نہیں کر سکتے۔" حریری کے ہونٹوں پر طنزیہ سی مسکراہٹ آ گئی۔ "تم تو اتنے عرصے میں میرا کچھ نہیں بگاڑ سکے۔ اب کیا کر لو گے۔ تم کچھ نہیں کر سکتے۔"

رنگا ایک دم طیش میں آ گیا۔ اس نے حریری کو تین چار ٹھوکریں رسید کر دیں۔ حریری ہر ٹھوکر پر کراہتی ضرور تھی لیکن وہ چیخی وہ ایک مرتبہ بھی نہیں تھی۔ اسے اس طرح پٹتے دیکھ کر میں نے ایک مرتبہ اپنی جگہ سے حرکت کرنے کی کوشش کی تھی لیکن اس کے دوسرے ساتھی نے چاقو کی نوک میری گردن سے لگا دی تھی۔ اس طرح میں بے بس ہو کر رہ گیا تھا۔

"تمہاری باتوں سے پتا چل گیا ہے کہ وہ حرامی ٹیڈی بھی تم لوگوں سے ملا ہوا ہے۔ ہیروئن وہی چرا کر بھاگا تھا۔ اب تو میں تم لوگوں سے اس تھیلے کے علاوہ ہیروئن کا بیگ بھی وصول کروں گا۔"

"تم ہم سے کچھ بھی وصول نہیں کر سکو گے رنگا۔" حریری نے کہا۔

رنگا ایک بار پھر حریری کو ٹھوکر مارنے کے لیے آگے بڑھا۔ اس مرتبہ مجھے موقع مل گیا۔ میں نے بڑی پھرتی سے اپنا ایک پیر آگے کر دیا۔ رنگا کا پیر میرے پیر میں الجھا اور وہ لڑکھڑا گیا۔ اس کے ساتھیوں کی توجہ ایک لمحہ کو میری طرف سے ہٹی اور میں نے اس موقع سے پورا پورا فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی جگہ سے

چوٹ لگا دی۔ اس شخص نے چاقو سے حملہ کیا لیکن میں اپنے آپ کو بچا کر تیزی سے کھڑا ہو گیا اور اس موقع سے فائدہ اٹھا کر حریری بھی اٹھ کر کھڑی ہو گئی اور بلی کی طرح غراتی ہوئی رنگا پر حملہ آور ہوئی۔

دیکھتے ہی دیکھتے گویا یہاں غدر مچ گیا تھا۔ ہم سب ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہو رہے تھے۔ رنگا کا تیسرا ساتھی بھی اسی لڑائی میں شریک ہو گیا تھا۔ اس کا سیدھا ہاتھ تو اب کسی کام کا نہیں رہا تھا تاہم وہ لاتوں سے کام چلانے کی کوشش کر رہا تھا۔

یہ ہنگامہ جاری تھا کہ ایک آواز سن کر میں چونک گیا۔

"بس بہت ہو چکا..... ختم کرو یہ ہنگامہ..... رنگا چھوڑ دو انہیں ورنہ گولی مار دوں گی۔"

میں نے دروازے کی طرف دیکھا۔ تابندہ اپنے کمرے میں کھڑی تھی اور اس کے ہاتھ میں پستول تھا۔ ہمارا ہنگامہ لاؤنج میں ہو رہا تھا اور اس دوران تابندہ نے کسی طرح اپنے ہاتھ پیر کھول لیے تھے اور وہ کہیں سے پستول نکال کر لے آئی تھی جس پر سائلنسر بھی لگا ہوا تھا۔

رنگا نے اس وقت حریری کی گردن دبوچ رکھی تھی۔ اس نے بھی تابندہ کے ہاتھ میں پستول دیکھ لیا تھا لیکن اس نے حریری کی گردن نہیں چھوڑی۔ تابندہ آگے آ گئی۔ اس نے ایک بار پھر رنگا کو وارننگ دی اور پھر پستول نے تو شور نہیں مچایا' البتہ رنگا چیخ اٹھا تھا۔ گولی اس کی ٹانگ پر لگی تھی اور پنڈلی کا گوشت چیرتی ہوئی نکل گئی تھی۔ ٹانگ سے خون کی دھار بہہ نکلی۔

رنگا نے حریری کو چھوڑ دیا اور زمین پر گر کر دونوں ہاتھوں سے ٹانگ پکڑ لی۔ اس کے دونوں ساتھی جونکوں کی طرح مجھ سے لپٹے ہوئے تھے۔ رنگا کو زخمی ہو کر گرتے دیکھ کر وہ بھی مجھے چھوڑ کر الگ ہٹ گئے اور دونوں نے ہاتھ سروں سے بلند کر لیے۔

حریری چند لمحے گردن سہلاتی رہی پھر اس نے رنگا کو ایک دو ٹھوکریں ماریں اور الگ ہٹ گئی۔ میں نے بھی اپنی شرٹ کے نیچے سے پستول نکال لیا۔

"میں اگر چاہتا تو شروع ہی میں تم تینوں میں سے کسی ایک کی کھوپڑی اڑا کر اس قصے کو ختم کر دیتا۔" میں نے باری باری ان تینوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "لیکن میں بلاوجہ خون میں ہاتھ نہیں رنگنا چاہتا۔ تم جیسے بے غیرت کے لیے اتنی ہی سزا کافی ہے۔ میری طرف سے تمہیں چھٹی ہے۔ تاہم حریری اگر تمہیں کوئی سزا دینا چاہے تو....."

"لعنت بھیجو اس کم ظرف پر۔" حریری نے کہتے ہوئے رنگا کے منہ پر تھوک دیا۔ اس کے لیے اتنی ہی سزا کافی ہے۔ اگر آئندہ اس نے کوئی ایسی حرکت کی تو اسے زندہ نہیں چھوڑوں گی۔ اور تم دونوں....." وہ اس کے ساتھیوں کی طرف متوجہ ہو گئی۔ "اگر تم لوگ اپنی بھلائی چاہتے ہو تو اس کا ساتھ چھوڑ دو۔ یہ اس قابل نہیں ہے کہ اس کی خاطر اپنے آپ کو ذلیل کروایا جائے۔ اب اسے اٹھاؤ اور دفع ہو جاؤ یہاں سے۔"

رنگا کی عجیب کیفیت تھی۔ اس ذلت اور رسوائی سے اس کا چہرہ کچھ اور سیاہ ہو گیا تھا۔ وہ خونخوار نظروں سے کبھی حریری اور کبھی میری طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کے ایک ساتھی نے اسے سہارا دے کر اٹھایا۔

"ایک بات اور ذہن میں رکھنا رنگا۔" حریری نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "خانم تابندہ

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

ایک شریف اور معزز عورت ہے۔ یہاں آ کر تم نے غلطی کی تھی۔ اور یہ پہلی غلطی تھی اس لیے تمہیں معاف کر دیا گیا ہے لیکن آیندہ اگر تم اس کوٹھی کے آس پاس بھی دیکھے گئے تو تمہاری لاش ہی واپس جائے گی۔ اب تمہیں اس طرف کا راستہ بھی بھول جانا چاہیے۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بولی۔ "یہ بدمعاشی تمہارے بس کی بات نہیں ہے۔ ایسے دھندے تو اپنے زور بازو پر کیے جاتے ہیں۔ دوسروں کے بل بوتے پر نہیں۔ دوسرے اب تمہارا ساتھ چھوڑ چکے ہیں اور جو رہ گئے ہیں ان کا حشر تم دیکھ چکے ہو۔ اس لیے تمہارے لیے بہتر یہی ہے کہ یہ سارے دھندے چھوڑ کر ماہی گیری شروع کر دو۔ ویسے بھی اس دھندے میں تمہارے لیے خطرات بڑھ گئے ہیں۔ ہم نے وہ ہیروئن تحریکی کو واپس کر دی ہے اور تحریکی تمہارے پیچھے لگ چکا ہے۔ اس سے بچنے کی کوشش کرنا۔ اب تم جا سکتے ہو۔"

رنگا خونخوار نظروں سے حریری کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کے دونوں ساتھی اسے سہارا دے کر لاؤنج والے دروازے سے باہر لے گئے۔ میں بھی ان کے پیچھے پیچھے ہی تھا۔

وہ گیٹ سے باہر نکل کر گلی میں دائیں طرف مڑ گئے۔ ان کی گاڑی شاید موڑ پر کسی جگہ کھڑی تھی۔ میں نے گیٹ بند کر دیا اور واپس آ گیا۔ برآمدے والا دروازہ بھی بند کر دیا۔

حریری اور تابندہ لاؤنج میں موجود تھیں۔ اس دھینگا مشتی میں حریری کی قمیص ایک کندھے سے پھٹ گئی تھی۔ اس کے بال بکھر کر چڑیا کے بکھرے ہوئے گھونسلے کی صورت اختیار کر چکے تھے۔ تابندہ کی حالت بھی خاصی ابتر تھی۔ مجھے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ ہمارے آنے سے پہلے اسے تشدد کا نشانہ بنایا گیا تھا۔

اس وقت دو بجنے والے تھے۔ تابندہ حریری کو لے کر اپنے کمرے میں چلی گئی اور باتھ روم میں گھس کر خراشوں پر لوشن وغیرہ لگانے لگی۔

میرا حلیہ بھی ابتر ہو رہا تھا۔ میں اپنے کمرے میں جانے کے لیے صوفے سے اٹھنا ہی چاہتا تھا کہ فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ میں ایک دم اچھل پڑا۔ گھنٹی کی آواز بم کے دھماکے سے کم ثابت نہیں ہوئی تھی۔ میں نے اٹھ کر ریسیور اٹھا لیا۔ ہیلو کے جواب میں ٹیڈی کی آواز سنائی دی تو میں چونکے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔

"کیا بات ہے ٹیڈی۔ خیریت تو ہے؟" میں نے پوچھا۔ فون کی گھنٹی کی آواز سن کر تابندہ اور حریری بھی باہر آ کر دروازے کے قریب رک گئی تھیں اور دونوں الجھی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھ رہی تھیں۔

"میں چند منٹ پہلے علاقے میں پہنچا ہوں اور یہاں آتے ہی مجھے پتا چلا ہے کہ رنگا دو آدمیوں کے ساتھ تمہاری طرف گیا ہے۔ اسے کسی طرح تابندہ کی کوٹھی کا پتا چل گیا تھا۔ وہ شاید پہنچنے ہی والا ہوگا۔ میں بھی یہاں سے روانہ ہو رہا ہوں۔ گھبرانا مت واجا۔" ٹیڈی ایک ہی سانس میں کہتا چلا گیا۔

"تمہیں یہاں آنے کی ضرورت نہیں ٹیڈی۔" میں نے پرسکون لہجے میں کہا۔

"ان کے ارادے خطرناک ہیں واجا۔ تم رنگا کو نہیں سمجھتے۔ وہ بہت کمینہ آدمی ہے۔" ٹیڈی نے کہا۔

"وہ اپنی کمینگی کے ساتھ واپس جا چکا ہے اور اب علاقے میں پہنچنے ہی والا ہوگا۔" میں نے

جواب دیا۔ اور پھر اسے تفصیل سے بتانے لگا کہ یہاں کیا کچھ ہو چکا ہے۔

"ٹھیک ہے واجا۔" ٹیڈی نے کہا۔ "میں یہاں انتظار کرتا ہوں۔ وہ جوان کا بچہ آ جائے تو ہم بھی اس سے دو بات کر لوں گا۔"

اس سے پہلے کہ میں کچھ کہتا دوسری طرف سے رابطہ منقطع ہو گیا۔ میں نے ریسیور رکھ دیا اور حریری اور تابندہ کو ٹیڈی سے ہونے والی گفتگو کے بارے میں بتانے لگا۔ وہ دونوں پھر کمرے میں گھس گئیں اور میں بھی اپنے کمرے میں آ کر چوٹوں کا جائزہ لینے لگا۔

آدھے گھنٹے بعد میں باہر نکلا تو حریری لاؤنج میں صوفے پر بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ کپڑے بدل چکی تھی اور اپنا حلیہ درست کر چکی تھی۔ رنگا نے اس کی اچھی خاصی پٹائی کی تھی۔ اسے شاید کچھ اندرونی چوٹیں لگی تھیں۔ اس کے چہرے پر کرب کے آثار نمایاں تھے۔

تابندہ کچن میں تھی۔ چند منٹ بعد وہ چائے بنا کر لے آئی۔ کپ میز پر رکھنے کے بعد وہ درد رفع کرنے والی ایک گولی اور پانی کا گلاس بھی لے آئی۔ اس نے گولی حریری کو کھلا دی اور پھر چائے کی چسکیوں کے ساتھ ہم آج کے اس واقعہ پر تبصرہ کرنے لگے۔

"اب ہمیں محتاط رہنے کی ضرورت ہوگی۔" میں نے کہا۔ "رنگا دوبارہ بھی کوئی اوچھی حرکت کرنے کی کوشش کرے گا۔"

"میرا خیال ہے نہیں۔" حریری نے جواب دیا۔ "میں اسے اچھی طرح سمجھ چکی ہوں۔ وہ اپنے سے کمتر لوگوں پر تو ظلم کر سکتا ہے لیکن برابر کے لوگوں کا سامنا نہیں کر سکتا۔ اس کے آدمی بھی اس کا ساتھ چھوڑ چکے ہیں جو ایک دو رہ گئے ہیں وہ بھی بھاگ جائیں گے۔ یہاں سے وہ پٹ کر گیا ہے۔ دوبارہ ادھر کا رخ نہیں کرے گا۔ یہاں اس کی عزت افزائی میں جو کسر رہ گئی ہے وہ ٹیڈی پوری کر دے گا۔ اور پھر تحریکی بھی موجود ہے۔ ہمارے منصوبے کے مطابق تحریکی کے ساتھ بھی اب تک بہت کچھ ہو چکا ہوگا۔ وہ یقیناً ہم پر شبہ کرے گا لیکن اب ہم بڑی آسانی سے اس کے شبے کا رخ رنگا کی طرف موڑ سکیں گے۔"

"وہ کیسے؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"یہاں ہونے والا رنگا کا ہنگامہ ہمارے کام آئے گا۔" حریری نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "ہم نے رات ساڑھے بارہ بجے کے قریب تحریکی سے ڈیلنگ کی تھی۔ ہمارے منصوبے کے مطابق ایک اور ڈیڑھ بجے کے درمیان اس پر حملہ ہوا ہوگا اور ٹھیک اسی وقت رنگا یہاں موجود تھا لیکن اپنے علاقے سے باہر۔ وہ زخمی حالت میں واپس گیا ہے۔ ہم بڑی آسانی سے تحریکی کو باور کرا سکتے ہیں کہ اس پر حملہ رنگا نے کیا تھا۔ حملہ آور پارٹی میں دو آدمی ایسے بھی ہیں جو رنگا کی پارٹی میں رہ چکے ہیں۔ ان میں ایک آدھ اگر مارا بھی گیا ہوگا تو تحریکی اسے شناخت کر لے گا اور اگر کوئی پکڑا گیا ہوگا تو طے شدہ منصوبے کے مطابق وہ رنگا ہی کا نام لے گا۔ ہم پر کوئی حرف نہیں آئے گا۔"

میں گہری نظروں سے حریری کی طرف دیکھ رہا تھا۔ چہرے سے کتنی معصوم اور بھولی بھالی نظر آتی تھی وہ لیکن اس کا ذہن بہت دور کی کوڑی لایا تھا۔ اس نے جس طرح منصوبہ بنایا تھا اور پھر اس نئی کہانی کے تانے بانے بنے تھے یہ اس کی ذہانت کا ثبوت تھا۔ اور پھر یہ بات بھی تھی کہ اس نے زندگی کی پردہ نشین

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

عورت کی طرح گھر میں بیٹھ کر نہیں گزاری تھی۔ وہ بچپن ہی سے ابتلا کا شکار رہی تھی۔ اس نے بڑی سخت زندگی گزاری تھی۔ زندگی کے نشیب و فراز کو بہت قریب سے دیکھا تھا۔ اس چھوٹی سی عمر میں وہ زندگی کے جن سنگین تجربات سے گزر رہی تھی اس کی میرے سامنے کوئی اور مثال نہیں تھی۔ اور یہ ان سنگین تجربات کا نتیجہ تھا کہ وہ اس گروہ کی کمان سنبھالے ہوئے تھی جس نے اس کے باپ کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ ایران کی جو صورت حال تھی وہ کسی سے پوشیدہ نہیں تھی۔ بڑے بڑے طرم خان یا تو تائب ہو چکے تھے یا ملک چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔ کسی معمولی سے جرم کا تصور ہی دہلا کر رکھ دیتا تھا۔ اس میدان میں جو لوگ رہ گئے تھے وہ واقعی بڑے دل گردے والے تھے اور ان میں ایک نازک و حسین لڑکی جس طرح غیر قانونی سرگرمیوں میں مصروف تھی اس پر واقعی داد دینے کو دل چاہتا تھا۔ بہرحال اس وقت بھی اس نے جو پلاننگ کی تھی بہت عمدہ تھی۔

اس وقت ٹیڈی کی جو کال آئی تھی وہ ہمارے لیے غیر متوقع تھی۔ ہمیں جس کال کا انتظار تھا وہ چار بجے کے قریب متوقع تھی اور اس لیے ہم جاگ بھی رہے تھے۔

ہمیں ٹیڈی کے فون سے یہ تو معلوم ہو گیا تھا کہ رنگا کو کسی طرح تابندہ کی کوٹھی کا پتا چل گیا تھا اور وہ اپنے دو آدمیوں کو لے کر چڑھ دوڑا تھا۔ اس سے پہلے بھی ہمیں ٹیڈی ہی کے توسط سے اس کے بارے میں رپورٹیں ملتی رہتی تھیں۔ اپنے گروہ میں پھوٹ پڑ جانے سے رنگا بری طرح بدحواس ہو گیا تھا اور جب حریری بھی اسے چھوڑ کر غائب ہو گئی تھی تو وہ اس کی تلاش میں پورے شہر میں پاگل کتے کی طرح بھاگا پھرتا تھا۔ حریری خالی ہاتھ جاتی تو شاید اسے زیادہ افسوس نہ ہوتا۔ وہ تو زیورات کا وہ تھیلا بھی ساتھ لے آئی تھی جو میں نے رنگا کے پاس امانت کے طور پر رکھوایا تھا اسے زیادہ ضرورت اس تھیلے کی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ وہ ہمیں ڈرا دھمکا کر اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائے گا لیکن جس طرح اسے ہزیمت اٹھانی پڑی تھی اس کا تو شاید اس نے سوچا بھی نہیں ہوگا۔

تابندہ بتا رہی تھی کہ ہمارے آنے سے تقریباً آدھا گھنٹہ پہلے گیٹ کی کال بیل بجی تھی۔ وہ ملازمہ کو چھٹی دے کر اس کے سرونٹ کوارٹر میں بھیج چکی تھی۔ تابندہ خود ہی گیٹ کھولنے چلی گئی تھی۔ گیٹ کھولتے ہی پہلے رنگا دھکا دے کر اندر داخل ہوا اور چاقو کی نوک اس کے سینے سے لگا دی اور پھر اس کے دونوں ساتھی بھی اندر آ گئے۔

وہ تابندہ سے پہلے ہمارے بارے میں پوچھتے رہے پھر زیورات والے تھیلے کے بارے میں دریافت کرنے لگے۔ اس کے لیے انہوں نے تابندہ پر تشدد بھی کیا تھا۔ پھر اسے باندھ کر بیڈ پر ڈال دیا اور گھر کی تلاشی لینے لگے۔ جس انہیں مطلوبہ چیز نہیں ملی۔ اس دوران ہم بھی پہنچ گئے۔

ہم باتیں کر رہے تھے کہ فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ میں نے دیوار گیر گھڑی کی طرف دیکھا۔ ساڑھے تین بج رہے تھے۔ میں نے جلدی سے اٹھ کر ریسیور اٹھا لیا۔ وہ ٹیڈی ہی کی کال تھی۔

"مبارک ہو واجا۔" ٹیڈی نے میری آواز سنتے ہی کہا۔ "مشن کامیاب رہا۔"

"تفصیل سے بتاؤ ٹیڈی۔" میں نے کہا۔

"ہمارے آدمیوں نے تحریری کو اس کی کوٹھی سے ذرا پہلے گھیر لیا تھا۔" ٹیڈی کہہ رہا تھا۔ "فائرنگ

کا تبادلہ جاری تھا کہ رینجرز کی ایک پیٹرولنگ گاڑی بھی وہاں پہنچ گئی۔ اس طرح تحریری کی گاڑی دونوں طرف سے گھیرے میں آ گئی تھی۔ تحریری نے بیگ اٹھا کر بھاگنے کی کوشش کی تو ایک گولی اس کی ٹانگ میں لگی۔ وہ بیگ پھینک کر تاریکی میں غائب ہو گیا۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"اس ہنگامے میں ہمارا ایک آدمی مارا گیا اور ایک تحریری کی پارٹی کا۔ ہمارے باقی آدمی فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے۔ رضیہ اور تحریری کا ایک اور آدمی بھاگنے کی کوشش میں زخمی ہو کر پکڑا گیا ہے۔ ہیروئن والا بیگ بھی رینجرز کے قبضے میں جا چکا ہے۔"

"ہمارا جو آدمی مارا گیا ہے وہ کون تھا؟" میں نے پوچھا۔

"کالو۔" ٹیڈی نے جواب دیا۔ "پریشان ہونے کی ضرورت نہیں واجا۔ اگر اس کی شناخت ہو بھی گئی تو پولیس رنگا کے پیچھے لگے گی ہمارا کچھ نہیں جائے گا۔"

"بہتر ہوگا کہ تم لوگ چند روز کے لیے انڈر گراؤنڈ ہو جاؤ۔" میں نے کہا۔

"تمہارا تعلق بھی رنگا سے رہا ہے۔ ایسا نہ ہو تم لوگ بھی اس لپیٹ میں آ جاؤ۔"

"اپنی فکر مت کرو واجا۔" ٹیڈی نے جواب دیا۔ "ہم لوگ پولیس کے ہاتھ نہیں لگے گا۔ تم لوگ اپنا خیال رکھو۔"

سلسلہ منقطع ہو گیا۔ میں ریسیور رکھ کر حریری کے قریب اپنی جگہ پر بیٹھ گیا۔ تابندہ میرے سامنے بیٹھی ہوئی تھی۔ میں انہیں ٹیڈی سے حاصل ہونے والی تفصیل سے آگاہ کرنے لگا۔

"اور سب کچھ تو ہمارے منصوبے کے مطابق ہوا ہے۔ لیکن ایک گڑبڑ ہو گئی۔" میں نے آخر میں کہا۔

"وہ کیا؟" حریری نے سوالیہ نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔

"رضیہ پکڑی گئی ہے۔" میں نے جواب دیا۔ "وہ میری پرانی حریف ہے۔ میرے بارے میں سب کچھ جانتی ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ مجھے اس لائن میں لانے والی بھی وہی ہے۔ وہ پولیس کو میرے بارے میں سب کچھ بتا دے گی۔"

"لیکن اس ٹھکانے کا تو اسے پتا نہیں ہے نا۔" حریری بولی۔

"تم رنگا کو بھول رہی ہو۔" میں نے کہا۔ "کالو کی شناخت کے بعد پولیس رنگا تک ضرور پہنچے گی اور رنگا کو ہم نے ذلیل کر کے یہاں سے بھیجا ہے۔ وہ پولیس کو یہاں کا راستہ دکھا دے گا۔"

"اوہ۔" حریری اچھل پڑی۔

تابندہ کی آنکھوں میں بھی تشویش ابھر آئی۔ وہ چند لمحے باری باری ہم دونوں کی طرف دیکھتی رہی پھر ایک جھٹکے سے اٹھ گئی۔

"جلدی کرو۔" وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھتے ہوئے بولی۔ "اپنی ضروری چیزیں سمیٹو اور چلنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔"

حریری نے میری طرف دیکھا اور ہم فوراً ہی اٹھ گئے۔

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

آدھے گھنٹے میں ہم تیار ہو گئے۔ تابندہ نے کوٹھی کے عقبی حصے میں واقع سرونٹ کوارٹر میں جا کر ملازمہ کو جگا دیا۔ عائشہ کئی سال سے تابندہ کے پاس کام کر رہی تھی اور ہر لحاظ سے قابل اعتماد تھی۔ تابندہ نے اسے چند ضروری باتیں سمجھا دیں اور ہم باہر آ کر کار میں بیٹھ گئے۔

ڈرائیونگ سیٹ تابندہ نے سنبھال لی تھی۔ حریری اور میں پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئے۔ کار گلیوں سے نکل کر مین روڈ پر دوڑنے لگی۔ کار کی سیٹ اگرچہ کافی کشادہ تھی لیکن حریری میرے ساتھ جڑ کر بیٹھی تھی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ وہ اس طرح میرے اتنا قریب آئی تھی۔ میں اپنے آپ میں عجیب سنسنی سی کیفیت محسوس کر رہا تھا۔

ساڑھے پانچ بجنے والے تھے۔ دن کا اجالا پھیلنے لگا تھا۔ کار مختلف سڑکوں پر دوڑتی ہوئی نارتھ ناظم آباد کے بلاک آئی میں داخل ہو کر ایک بنگلے کے سامنے رک گئی۔ راستے میں نہ تو حریری نے تابندہ سے کچھ پوچھا تھا اور نہ ہی میں نے۔

یہ بنگلہ بھی چھ سو مربع گز رقبے پر مشتمل تھا۔ تابندہ کے کہنے پر میں نے کار سے اتر کر گیٹ کے ساتھ کال بیل کا بٹن دبا دیا۔ تین مرتبہ بیل بجانے اور پانچ منٹ انتظار کے بعد گیٹ کا ذیلی دروازہ کھلا۔ ایک ادھیڑ عمر آدمی باہر نکلا۔ اس نے صرف پاجامہ اور بنیان پہن رکھی تھی۔ صبح سویرے اس طرح جگایا جانا اسے شاید اچھا نہیں لگا تھا۔

''جی کون ہیں آپ؟ کس سے ملنا ہے؟'' وہ ناگوار سی نظروں سے میری طرف دیکھنے لگا۔

میں نے کار کی طرف اشارہ کر دیا۔ کار میں تابندہ کو دیکھ کر وہ اچھل پڑا۔

''محترم! آپ گیٹ کھول دیجئے۔ میں ابھی آتا ہوں۔'' وہ کہتے ہوئے اندر بھاگ گیا۔

میں مسکرائے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ میں نے اندر سے کنڈا ہٹا کر گیٹ کھول دیا۔ کار اندر داخل ہونے کے بعد میں نے گیٹ بند کر دیا اور جب پورچ کے قریب پہنچا تو تابندہ اور حریری کار سے اتر رہی تھیں۔ اور تقریباً اسی وقت وہ آدمی بھی برآمدے والے دروازے سے باہر آ گیا۔ اس نے کرتا پہن لیا تھا۔

''میڈم آپ مم..... مجھے اطلاع کر دی ہوتی..... خیریت تو ہے نا۔ میرا مطلب ہے صبح سویرے.....''

''فی الحال تو خیریت ہے اشرف صاحب۔'' تابندہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ ''ہم بن بلائے مہمان ہیں لیکن آپ کو ہماری میزبانی تو کرنی پڑے گی۔''

''زہے نصیب..... زہے نصیب..... آپ اندر تشریف لائیے نا۔'' اشرف نے کہا۔

ہم لوگ اندر آ گئے۔ گھر مناسب فرنیچر اور مناسب طریقے سے آراستہ تھا۔ اشرف ہمیں بٹھا کر باورچی خانے میں گھس گیا۔ ہم لوگ صوفوں پر بیٹھے ادھر ادھر دیکھنے لگے۔ تابندہ بتا رہی تھی کہ اشرف اس کی امپورٹ ایکسپورٹ کمپنی کا جنرل منیجر ہے جو اس کے شوہر کے وقت سے کام کر رہا ہے۔ وہ نہایت شریف اور قابل بھروسہ آدمی ہے۔ شوہر کے انتقال کے کچھ ہی عرصہ بعد تابندہ نے اسے جنرل منیجر بنا کر سارا کام اس کو سونپ دیا تھا۔ یہ کوٹھی بھی تابندہ ہی کی ملکیت تھی جو کرائے کے بغیر اشرف کو رہائش کے لیے دے دی گئی تھی۔ اشرف کی فیملی ایک مہینے سے انڈیا گئی ہوئی تھی اور مزید دو مہینوں تک ان کی واپسی کی توقع

نہیں تھی۔

اشرف چائے بنا کر لے آیا۔ وہ ہمارے سامنے بچھا جا رہا تھا۔

چائے پینے کے دوران ہی تابندہ نے اسے بتا دیا کہ ہم لوگ چند روز یہاں رہیں گے اور کسی کو ہمارے بارے میں پتا نہیں چلنا چاہیے۔ اشرف ساری بات سمجھ گیا تھا۔

ہم ایک ہفتہ اشرف کی کوٹھی میں رہے۔ اس دوران ٹیلی فون پر ٹیڈی سے بھی ہمارا رابطہ رہا تھا اور اشرف کے ذریعے کوٹھی کے بارے میں بھی معلومات حاصل ہوتی رہی تھیں۔

کوئی غیر معمولی بات سننے کو نہیں ملی تھی۔ تاہم ٹیڈی سے ملنے والی ایک دلچسپ خبر یہ تھی کہ رنگا کراچی سے فرار ہو گیا تھا۔ پولیس نے اس کے بچے کھچے آدمیوں کو پکڑ کر سلاخوں کے پیچھے بند کر دیا تھا۔ رنگا کا اڈہ ویران ہو گیا تھا اور اب وہاں پولیس کا پہرہ تھا۔

تحریمی بھی روپوش تھا۔ یہ معاملہ چونکہ دس کلو ہیروئن کا تھا اور کارروائی رینجرز نے کی تھی اس لیے کارروائی بھی بہت اوپر سے ہو رہی تھی۔ اخبارات بھی ان واقعات کو خوب اچھال رہے تھے اور میری توقع کے عین مطابق رضیہ نے میرے خلاف بڑا زہر آلود بیان دیا تھا۔ پولیس میری تلاش میں بھی تھی لیکن بہرحال فوری طور پر میرے لیے کوئی خطرہ نہیں تھا کیونکہ کراچی کی پولیس میرے بارے میں کچھ نہیں جانتی تھی۔

دو دن مزید اشرف کے مہمان رہنے کے بعد ہم دوبارہ تابندہ والی کوٹھی میں آ گئے۔ ٹیڈی کو بھی اطلاع دے دی گئی تھی۔ وہ بھی اس رات ہمارے پاس پہنچ گیا۔

یہاں آنے کے بعد دو چار روز تو ہم خاصے محتاط رہے لیکن پھر ہمارے دلوں سے خوف نکل گیا اور ہم نے اپنی دوسری سرگرمیوں پر عمل کرنا شروع کر دیا۔

☆☆.....☆☆.....☆☆

ڈھائی ہزار سال قدیم شہزادی کی وہ ممی ایک سال پہلے تک لی مارکیٹ میں رہنے والے حاجی مستان کے قبضے میں تھی لیکن اس کے قتل کے بعد وہ ممی بھی پراسرار طور پر غائب ہو گئی تھی۔

حریری کے کہنے کے مطابق ایک سال پہلے تک تین پارٹیاں اس تابوت کی تلاش میں تھیں۔ ان دنوں انڈر گراؤنڈ ورلڈ میں اس کا غوغا سنائی دیتا رہا۔ لیکن پھر خاموشی چھا گئی۔ حریری ہی کے کہنے کے مطابق پچھلے چند مہینوں سے ممی کے بارے میں کوئی نئی بات سننے میں نہیں آئی تھی' تاہم درجن بھر غیر ملکی ایجنٹ کراچی میں موجود تھے جو اس ممی کو خریدنا چاہتے تھے لیکن وہ تو گدھے کے سر سے سینگوں کی طرح غائب ہو چکی تھی۔

''ہو سکتا ہے وہ ممی ملک سے باہر جا چکی ہو اور کسی کو اس کی ہوا بھی نہ لگی ہو۔'' میں نے کہا۔

''اس وقت میں حریری کے پاس اوپر والے کمرے میں بیٹھا ہوا تھا۔

''ناممکن۔'' حریری نے جواب دیا۔ ''وہ ممی کراچی ہی میں ہے۔ اگر سرحد پار کر چکی ہوتی تو دنیا کے کسی نہ کسی ملک میں اس کی موجودگی کی اطلاع ضرور ملتی۔ ہر طرف خاموشی ہے۔ دنیا بھر سے درجن بھر غائب گھروں کے نمائندے کراچی میں ڈیرے جمائے ہوئے ہیں۔ یہ لوگ ہم سے زیادہ باخبر ہیں۔ اگر ممی پاکستان کی سرحدوں سے نکل چکی ہوتی تو یہ لوگ یہاں بیٹھ کر اپنا وقت ضائع نہ کرتے۔''

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

''تو پھر اسے کس طرح تلاش کیا جائے گا۔ کیا اس طرح ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھے رہنے سے ہمیں اس کے بارے میں کوئی اطلاع مل جائے گی یا کوئی شریف آدمی تابوت ہمارے دروازے پر چھوڑ جائے گا۔''

''اب ایسی شرافت کا زمانہ بھی نہیں رہا۔'' حریری مسکرائی۔ ''پہلے دو ہفتے تو رنگا اور تحریکی کے ہنگاموں میں گزر گئے ہیں۔ اب میں نے اپنے دونوں آدمیوں کو متحرک کر دیا ہے۔ امید ہے چند روز میں وہ کوئی سراغ لگا لیں گے۔ ویسے ان کاموں میں انتظار اور صبر کو بڑا دخل ہوتا ہے۔ شکاری کی طرح گھات لگا کر بیٹھنا پڑتا ہے۔''

''میں سوچ رہا ہوں کہ ایسا نہ ہو کہ ہم تو گھات لگائے بیٹھے رہیں اور شکار کوئی اور لے جائے۔'' میں نے کہا۔

''بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے۔'' حریری مسکرائی۔

''وہ کیسٹ تم نے کہاں سے لیا تھا؟'' میں نے پوچھا۔

''میری اطلاع کے مطابق اس قسم کے تین کیسٹ تیار کیے گئے تھے۔ دو تو ملک سے باہر ہیں اور تیسرا میرے ہاتھ لگ گیا تھا۔''

''کیا اس آدمی سے معلوم نہیں کیا جا سکتا جس سے یہ کیسٹ لیا تھا؟'' میں نے ایک اور سوال کیا۔

''ضرور معلوم ہو جاتا بشرطیکہ وہ زندہ ہوتا۔'' حریری نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔ ''وہ شخص ہمارے ہاتھ تو زندہ ہی لگا تھا لیکن اگلے روز جب ہم بات کرنے اس کے گھر پہنچے تو وہاں لوگوں کا ہجوم لگا ہوا تھا۔ پولیس بھی موجود تھی۔ پتا چلا کہ کسی نے اسے گولی مار کر ہلاک کر دیا تھا۔ ہم خاموشی سے واپس آ گئے۔ پولیس نے لاش کو لاوارث قرار دے کر ایک فلاحی ادارے کے حوالے کر دیا تھا اور اس کے مکان کو ایک مجسٹریٹ کی موجودگی میں سربمہر کر دیا گیا تھا۔ وہ مکان آج بھی سربمہر ہے اور اس کا کوئی وارث آج تک سامنے نہیں آیا۔''

''یہ کب کی بات ہے؟'' میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

''دو مہینے پہلے کی۔ ان دنوں میں رنگا کے پاس رہ رہی تھی۔'' حریری نے جواب دیا۔ ''لیکن تم کیا سوچ رہے ہو۔ کیا تمہارے خیال میں شہزادی کا تابوت اس کے گھر میں رکھا ہوگا۔''

''اس نے وہ کیسٹ تمہیں دیا تھا تاکہ ممی کا سودا کیا جا سکے۔ ٹھیک؟'' میں نے اس کے چہرے پر نظریں جمائے ہوئے کہا۔ حریری نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''لیکن دوسرا رابطہ ہونے سے پہلے اسے قتل کیا جا چکا تھا۔ قاتل کوئی بھی ہو۔ قتل کی وجہ کچھ بھی رہی ہو لیکن اس کے گھر میں کوئی نہ کوئی ایسی چیز ضرور موجود ہوگی جس سے اس سے رابطوں کا پتا چل سکے۔''

''ہاں..... یہ ممکن ہے۔'' حریری نے پرسوچ انداز میں جواب دیا۔ ''لیکن وہ گھر سربمہر ہے کچھ عرصے پہلے تک تو وہاں ایک پولیس والا بھی ڈیوٹی دیا کرتا تھا۔ اب پتا نہیں۔''

''ہمیں ایک کوشش کر لینی چاہیے۔ ہو سکتا ہے کوئی سراغ مل جائے۔'' میں نے کہا۔ ''وہ مکان

کہاں ہے؟''

''دستگیر سوسائٹی میں۔'' حریری نے جواب دیا۔ ''اس علاقے میں بھی مکان ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں۔ چوری چھپے اندر داخل ہونا آسان نہیں ہوگا۔''

''چلو۔ ابھی دیکھ لیتے ہیں۔ کچھ اندازہ ہو جائے گا۔'' میں نے کہا۔

اس وقت رات کے نو بجے تھے۔ ہم تینوں فوراً ہی تیار ہو گئے۔ تابندہ نے ملازمہ سے کہہ دیا کہ وہ کھانا تیار کرے ہم واپس آ کر کھائیں گے۔

ڈرائیونگ سیٹ میں نے سنبھالی تھی۔ حریری میرے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھی اور تابندہ پچھلی سیٹ پر۔

واٹر پمپ چورنگی سے آگے نکل کر میں نے گاڑی دستگیر سوسائٹی میں ایوب منزل کی طرف جانے والی سڑک پر موڑ لی۔ پورا بازار کھلا ہوا تھا۔ بڑی رونق تھی۔ حریری کے کہنے پر میں نے کار بلاک چودہ کی ایک گلی میں موڑ لی۔ اس گلی کے اختتام پر پارک تھا۔ پارک کا تو نام ہی ریت کا میدان تھا۔

حریری کے اشارے پر میں نے کار آخری گلی میں بائیں طرف موڑ لی۔ یہ تنگ سی گلی تھی۔ تیسرے مکان کے سامنے سے گزرتے ہوئے حریری نے اشارے سے بتا دیا کہ یہی مکان ہے۔ میں کار کو اوپر سے گھما کر پچھلی طرف لے آیا۔ اس طرف مکانوں کے سامنے پارک تھا۔ پارک اور مکانوں کی قطار کے درمیان تقریباً بیس فٹ کشادہ جگہ تھی۔ اس طرف بھی مکانوں کے صحن تھے اور اکثر لوگوں نے اس طرف بھی دروازے نکالے ہوئے تھے۔ اکثر مکانوں کے اندر بتیاں جل رہی تھیں لیکن باہر اندھیرا تھا۔

سامنے پارک کی وجہ سے بھی اس طرف سناٹا تھا۔

وہ مکان تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ اس کی دیوار آٹھ فٹ کے قریب اونچی تھی لیکن میرے خیال میں اس طرف سے اندر داخل ہونا مشکل نہیں تھا۔ میں نے گلی کا ایک اور چکر لگایا۔ لوگوں کی آمد و رفت تو تھی لیکن کوئی پولیس والا دکھائی نہیں دیتا تھا۔ میں کار کو گھماتا ہوا دوبارہ سڑک پر لے آیا اور اس کا رخ واٹر پمپ چورنگی کی طرف موڑ دیا۔

اس وقت ہم نے گیارہ بجے کے قریب کھانا کھایا اور پھر میں نے تیاری شروع کر دی۔ میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ آج ہی رات اس مکان کو چیک کر لیا جائے۔ اگر کوئی سراغ مل گیا تو فوراً ہی کوئی منصوبہ بنا لیا جائے گا بصورت دیگر کوئی اور راستہ تلاش کیا جائے۔

ایک بجے کے قریب میں اور حریری کوٹھی سے نکل آئے۔ تابندہ کو اس وقت ساتھ لینا مناسب نہیں سمجھا تھا۔

دستگیر سوسائٹی والی سڑک پر بعض جگہوں پر اس وقت بھی رونق تھی۔ چودہ نمبر والی گلی میں مڑتے ہوئے میں نے کار کے ہیڈ لیمپس اور اندر کی بتی بھی بجھا دی اور کار کو ہلکی رفتار سے چلاتا ہوا میدان میں لے گیا۔ اس میدان کے دوسری طرف نصیر آباد کا علاقہ تھا۔

اپنے مطلوبہ مکان سے تقریباً بیس گز دور میدان میں میں نے کار روک لی۔ اندھیری رات میں سیاہ رنگ کی کار کو دور سے دیکھ لیا جانا ممکن نہیں تھا۔ میں نے کینوس کا ایک چھوٹا تھیلا اٹھا کر کندھے پر ڈال لیا

www.pdfbooksfree.pk

اور حریری کو کچھ ہدایات دے کر کار سے اتر آیا۔

اس مکان کے قریب پہنچ کر میں خاصا محتاط ہو گیا۔ میدان کے چاروں طرف کبھی تاروں کی باڑ لگی ہو گی لیکن وہ باڑ تو غائب ہو چکی تھی' البتہ کہیں کہیں کنکریٹ کے پلرز موجود تھے۔ میں ایک پلر کے قریب کھڑا ادھر ادھر دیکھتا رہا۔ اس طرف اگرچہ کسی کسی مکان کے صحن میں بتی جل رہی تھی لیکن سناٹا تھا۔

میں دبے قدموں چلتا ہوا اس مکان کے قریب پہنچ گیا۔ اور اچھل کر آٹھ فٹ اونچی دیوار پر چڑھنے میں مجھے کوئی دشواری پیش نہیں آئی تھی۔ میں بڑی آہستگی سے دوسری طرف اتر گیا۔ صحن میں تاریکی زیادہ گھمبیر تھی۔ میں دبے قدموں آگے بڑھنے لگا۔

مختصر سا برآمدہ تھا۔ میں نے دروازہ کو ٹٹول کر دیکھا۔ کوئی تالہ وغیرہ نہیں تھا۔ اس دروازے کو اندر سے کنڈا لگا کر گلی والے دروازے کو تالا لگا کر سربمہر کر دیا گیا تھا۔ لکڑی کا دروازہ تھا اور اندر سے کنڈا کھولنا ممکن نہیں تھا۔ میں کھڑکی کی طرف آ گیا۔ کھڑکی کو بھی اندر سے چٹخنی لگی ہوئی تھی۔

میں نے تھیلا زمین پر رکھ کر اس میں سے اسکاچ ٹیپ کا رول اور شیشہ کاٹنے کا قلم نکال لیا۔ قلم سے اوپر والے شیشے پر ذرا سا دباؤ ڈال کر ایک دائرہ بنایا اور اس پر اسکاچ ٹیپ چپکا دیا۔ جیب سے رومال نکال کر شیشے پر رکھا اور اس پر ہاتھ سے ہلکی سی ضرب لگائی۔ کڑک کی ہلکی سی آواز ابھری اور کٹا ہوا شیشہ ٹیپ کے ساتھ لٹک گیا۔ میں نے شیشے کا ٹکڑا زمین پر رکھ دیا اور خلا میں ہاتھ ڈال کر اندر کی چٹخنی کھولنے لگا۔

مجھے زیادہ دشواری پیش نہیں آئی۔ کھڑکی کھول کر میں بڑی آہستگی سے اندر کود گیا اور تاریکی میں گھورنے لگا۔ تاریکی اتنی گہری تھی کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا تھا۔ میں نے پنسل ٹارچ نکال لی اور اس کی محدود روشنی میں اپنے اردگرد کا جائزہ لینے لگا۔

یہ ایک مختصر سی راہداری تھی۔ جس کے آخر میں ایک دروازہ نظر آ رہا تھا۔ ایک کمرہ دائیں طرف تھا اور ایک بائیں طرف۔

ایک طرف میں تین کمرے تھے۔ ایک بیڈروم تھا جس میں پلنگ وغیرہ بچھا ہوا تھا۔ اس کے قریب ہی ایک چھوٹی میز پر ٹیلی فون بھی رکھا ہوا تھا۔ دوسرے کمرے میں لکڑی کا ایک تخت بچھا ہوا تھا۔ دو تین کرسیاں تھیں۔ تیسرا کمرہ خالی تھا۔

میں بیڈ روم میں آ گیا۔ اس مکان کے سامان کو دیکھ کر مجھے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ یہاں فرد واحد کی رہائش تھی۔

اس کمرے کی کھڑکی کے سامنے بھی پردہ تنا ہوا تھا۔ میں ٹارچ کی محدود روشنی میں کمرے کا جائزہ لیتا رہا۔ سب سے پہلے میں نے الماری کھول کر خوب اچھی طرح تلاشی لی۔ پھر دوسری چیزوں کو چیک کرنے لگا۔

میرے خیال میں اس مکان میں ایسا سامان بھی نہیں تھا جس کی حفاظت کے لیے مکان کو سربمہر کر کے پولیس کا پہرہ بٹھانا پڑا تھا لیکن بہرحال یہاں قتل کی واردات ہوئی تھی۔ ہو سکتا ہے قتل کی شہادتیں محفوظ رکھنے کے لیے مکان کو سربمہر کیا گیا ہو۔ ہر چیز پر گرد کی تہیں جمی ہوئی تھیں جس سے یہ اندازہ بھی لگایا جا سکتا تھا کہ جب سے یہ مکان بند کیا گیا تھا کوئی اندر داخل نہیں ہوا تھا۔

aazzamm@yahoo.com

میں بڑے اطمینان سے تلاشی لیتا رہا۔ مجھے کسی ڈائری' کاغذ یا کسی ایسی چیز کی تلاش تھی جس سے اس مکان میں رہنے والے شخص کا کسی اور شخص سے رابطے کا پتا چل سکتا ہو لیکن مجھے ایسی کوئی چیز نہیں ملی۔ میں میز پر رکھا ہوا ٹیلی فون اٹھا کر اسے الٹ پلٹ کر دیکھنے لگا اور پھر ٹیلی فون کے نیچے نیلے بال پین سے لکھے ہوئے دو نمبر دیکھ کر میں چونک گیا۔ وہ دونوں فون نمبر ہی تھے جنہیں میں نے بڑی احتیاط سے اپنے پاس نوٹ کر لیا اور فون دوبارہ اسی جگہ رکھ دیا۔

مجھے اس مکان میں آئے ہوئے تقریباً چالیس منٹ ہو چکے تھے۔ میں ٹارچ کی روشنی میں کمرے کی چیزوں پر آخری نظر ڈال رہا تھا کہ وسل کی آواز سن کر اچھل پڑا۔ میرے دل کی دھڑکن ایک دم تیز ہو گئی تھی لیکن میں نے فوراً ہی اپنے آپ پر قابو پا لیا۔ وہ چوکیدار کے وسل کی آواز تھی جو مکان کے عین سامنے گلی میں سنائی دی تھی۔ دوسری مرتبہ یہ آواز ذرا فاصلے پر سنائی دی۔

میں نے بھی واپسی کا ارادہ کر لیا اور اس کمرے میں آ گیا جس کی کھڑکی سے اندر داخل ہوا تھا۔ باہر آ کر میں نے کھڑکی بھیڑ دی اور اپنا بیگ اٹھا لیا۔ اندر سے بھی دیوار پر چڑھنے میں مجھے زیادہ دشواری پیش نہیں آئی تھی۔ میں پیر نیچے لٹکا کر کودنے کے لیے پرتول ہی رہا تھا کہ ایک آواز سن کر میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ میں اسی طرح لٹکے لٹکے گردن گھما کر بائیں طرف دیکھنے لگا۔

گلی کے موڑ پر چوکیدار کھڑا تھا۔ وہ سائیکل پر اس طرح بیٹھا ہوا تھا کہ ایک پیر زمین پر ٹکا رکھا تھا۔ ایک ہاتھ سائیکل کے ہینڈل پر تھا اور دوسرے ہاتھ میں ڈنڈا تھا۔ وہ سائیکل چھوڑ کر چیختا ہوا میری طرف بھاگا۔

میں نے چھلانگ لگا دی اور بھد سے نیچے گرا۔ اس سے پہلے کہ میں سنبھل سکتا چوکیدار نے ڈنڈے سے وار کر دیا۔ ڈنڈا میرے کولہے پر لگا۔ میں نے چوکیدار کو دوسرا وار کرنے کا موقع نہیں دیا اور ایک ہاتھ سے اس کا ڈنڈا پکڑ کر دوسرے ہاتھ سے اس کے منہ پر زوردار گھونسہ رسید کر دیا۔

چوکیدار مجھ سے لپٹنے کی کوشش کرتے ہوئے چیخ رہا تھا۔ میں نے اپنے آپ کو چھڑانے کی کوشش کی تو اس نے میرے پیٹ میں دو تین گھونسے رسید کر دیئے اور ایک بار پھر میری ایک ٹانگ سے لپٹ گیا۔ ساتھ ہی وہ زور زور سے چیخ رہا تھا۔ مجھے اندیشہ تھا کہ لوگ گھروں سے نکل کر نہ آ جائیں۔

میں نے دوسری ٹانگ سمیت کر اس کے سینے پر زوردار ٹھوکر ماری۔ پہلی ٹھوکر زیادہ موثر ثابت نہیں ہوئی تاہم دوسری ٹھوکر اس کے منہ پر لگی۔ وہ بلبلا اٹھا اور میری ٹانگ چھوڑ دی۔

اسی لمحہ میں کار کا انجن اسٹارٹ ہونے کی آواز سنائی دی۔ چوکیدار ایک بار پھر مجھ سے لپٹنے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں نے اسے زور سے دھکا دے کر گرا دیا اور میدان کی طرف دوڑ لگا دی۔

کار بھی تیزی سے میری طرف آ رہی تھی اور پھر ٹھیک اسی وقت ایک مکان سے شور کی آواز سنائی دی اور اسی کے ساتھ ہی فضا فائر کی آواز سے گونج اٹھی۔ کسی نے گھر کے صحن سے ہوائی فائر کر دیا تھا۔

کار ابھی دور تھی کہ چوکیدار نے میرے اوپر چھلانگ لگا دی۔

اب صورتحال کچھ سنگین ہو گئی تھی۔ چوکیدار سے کھیلنے کا وقت نہیں تھا۔ میں نے گھوم کر اس کے جبڑے پر بھرپور گھونسہ رسید کر دیا۔ وہ چیختا ہوا گرا۔ اس دوران کار چند گز کے فاصلے پر رک گئی۔ میں دوڑ کر

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

کار کے قریب پہنچ گیا اور اگلا دروازہ کھول کر اندر گھس گیا۔ کار تیزی سے گھومتی ہوئی میدان سے نصیر آباد کی طرف دوڑنے لگی۔

''وہ کون تھا؟ پولیس والا یا کوئی اور؟'' حریری نے پوچھا۔

''چوکیدار تھا۔ اس نے مجھے دیوار سے کودتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔'' میں نے جواب دیا۔ ''کم بخت نے اس زور کا ڈنڈا مارا تھا کہ میرے کولہے پر اب تک جلن ہو رہی ہے۔''

حریری مسکرا کر رہ گئی۔ کار میدان سے نکل کر نصیر آباد کے علاقے میں داخل ہو کر مین روڈ پر نکل آئی اور واٹر پمپ چورنگی سے ہوتی ہوئی گلشن کی طرف جانے والی سڑک پر مڑ گئی۔

میں اس چوکیدار کے بارے میں سوچ رہا تھا جس کے پاس صرف ڈنڈا تھا اور وہ بڑی جرأت سے کام لیتے ہوئے مجھے پکڑنے کی کوشش کرتا رہا تھا۔ یہ اس کی فرض شناسی کا ثبوت تھا اور اس میں اس کی جان بھی جا سکتی تھی۔ ہمارے ہاں چوکیدار کا نظام ایسا ہی ہے مجھے اگر بھاگنے کی فکر نہ ہوتی تو میں بڑی آسانی سے اسے قابو کر سکتا تھا یا اگر میری جگہ کوئی اور ہوتا تو اسے گولی مار دیتا۔ کئی چوکیدار چوروں یا ڈاکوؤں کو پکڑنے کے چکر میں اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے اور ان کے گھر والوں کو اس کا صلہ کیا ملتا تھا۔ زندگی بھر کا دکھ، آہیں اور فاقے۔

گلشن چورنگی والے موڑ پر پولیس نے ہمیں روکا تھا۔ اگر میں اکیلا ہوتا تو شاید کوئی پرابلم ہوتی لیکن گاڑی میں ساتھ خواتین ہوں تو پولیس والے یہ بھی نہیں پوچھتے کہ کون ہو، کہاں سے آ رہے ہو۔ اس وقت بھی حریری کی وجہ سے گاڑی پوری طرح رکنے سے پہلے ہی ایک پولیس والے نے ہمیں جانے کا اشارہ کر دیا اور حریری نے کار کی رفتار بڑھا دی۔

''کچھ پتہ چلا؟'' حریری نے کار اپنے بلاک کی طرف موڑتے ہوئے پوچھا۔

''دو فون نمبر۔'' میں نے جواب دیا۔ ''اس کے علاوہ کوئی کام کی بات معلوم نہیں ہو سکی۔''

تابندہ ہمارے انتظار میں جاگ رہی تھی۔ میں نے وہ کاغذ جیب سے نکال کر حریری کے سامنے رکھ دیا۔ ان میں سے ایک نمبر دیکھ کر حریری کی آنکھوں میں چمک سی ابھر آئی۔

''یہ تو لی مارکیٹ کا نمبر ہے۔'' اس نے کاغذ پر لکھے ہوئے اوپر والے نمبر کی طرف اشارہ کیا۔

''اور یہ دوسرا نمبر صدر کے علاقے کا ہے۔''

''یہ دونوں نمبر مجھے اس لیے مشتبہ لگے تھے کہ یہ ٹیلی فون سیٹ کے نیچے کی طرف رکھے ہوئے تھے۔'' میں نے کہا۔ ''اس کا مطلب ہے کہ ہمیں ان نمبروں سے کچھ معلوم ہو سکتا ہے۔''

''یہ لی مارکیٹ والا نمبر مجھے کچھ زیادہ اہم لگتا ہے۔'' حریری نے کہا۔

''کراچی میں جو لوگ نوادرات کی اسمگلنگ میں ملوث ہیں وہ زیادہ تر اسی علاقے میں رہتے ہیں۔ اس نمبر سے ہمیں آگے بڑھنے کا کوئی راستہ ملے گا۔''

''اس لیے معلوم کرنا چاہیے کہ یہ نمبر کس کا ہے؟'' میں نے کہا۔ ''اور تابندہ سے دریافت کیا کہ اس کے پاس نمبریکل ڈائریکٹری ہے یا نہیں۔''

''دفتر میں ہے۔ صبح منگوا لوں گی۔'' تابندہ نے کہا۔

اس کے بعد ہم زیادہ دیر نہیں بیٹھے۔ حریری اوپر اپنے کمرے میں چلی گئی اور میں بھی اپنے ...رے میں آ گیا اور بستر پر گرتے ہی نیند کی آغوش میں پہنچ گیا۔

صبح میری آنکھ دیر سے کھلی۔ حریری اور تابندہ جاگ چکی تھیں۔ تابندہ نے اپنے دفتر سے نمبریکل ...ریکٹری بھی منگوالی تھی۔ ڈائریکٹری کے قریب ہی وہ کاغذ بھی رکھا ہوا تھا جس پر دونوں نمبر لکھے ہوئے

لی مارکیٹ والے نمبر کے سامنے بخش محمد نام اور ایڈریس لکھا ہوا تھا جبکہ دوسرا نمبر صدر کے ایک ...ئی ہوٹل کا تھا۔ اس کے آگے سدرشن لکھا ہوا تھا۔ یہ یقیناً کوئی ہندو تھا۔

''محمد بخش کون ہے؟ جانتی ہو اسے؟'' میں نے حریری سے پوچھا۔

''میں نے اپنے ایک آدمی کو یہ نام اور ایڈریس نوٹ کرا دیا ہے۔ آج شام تک پتا چل جائے ...'' حریری نے جواب دیا۔

''اور یہ سدرشن؟'' میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

''یہ اس ہوٹل کا مالک ہے۔'' حریری نے کاغذ پر لکھے ہوئے ہوٹل کے نام کی طرف اشارہ کیا۔ ...سندھ کے سرحدی علاقے میں اس کی زمینداری بھی ہے۔ یہ اپنے علاقے کا وڈیرہ ہے۔ چند سال پہلے ...نے اپنی کچھ زمین بیچ کر یہ ہوٹل خرید لیا تھا۔ اس کی اپنی رہائش ڈیفنس میں ہے۔ غلام علی کے پاس اس ...کے فون نمبر کی موجودگی یہ ثابت کرتی ہے کہ سدرشن بھی نوادرات کے بزنس میں ملوث ہے۔''

''غلام علی کون؟'' میں نے ایک بار پھر سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

''گزشتہ رات جس کے گھر میں گھسے تھے۔'' حریری نے جواب دیا۔

''اس کا مطلب ہے کہ اس ممی کے حوالے سے محمد بخش اور سدرشن سے غلام علی کا کوئی نہ کوئی تعلق ...ضرور تھا۔ اسی لیے ان دونوں کے فون نمبر اس نے بڑی حفاظت سے لکھے ہوئے تھے تاکہ دوسروں کی نظروں ...میں نہ آ سکیں۔'' میں نے کہا۔ ''ہمیں ان دونوں میں کسی ایک سے تابوت کے بارے میں معلوم ہو سکتا ...ہے۔''

یز حت ...امیز پر ...بات ہوگی

''شام تک انتظار کر لو۔ اپنے آدمی کی رپورٹ ملنے کے بعد ہی ہم کوئی قدم اٹھا ...گے۔'' حریری نے جواب دیا۔

اس روز دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد میں حریری کے ساتھ اس کے کمرے میں آ گیا۔ میں ...اپ کو بہت خوش قسمت سمجھ رہا تھا کہ دنیا کی حسین ترین اس لڑکی کے اس قدر قریب آ گیا ہوں جسے تمنا میز ول ...تہ دیکھ کر میرا دل مچل اٹھا تھا۔ حریری کے بارے میں سب کچھ جاننے کے بعد اگرچہ یہ پتا چل گیا تھا زیادہ تر ...نا قابل حصول نہیں تھی لیکن نجانے کیا بات تھی کہ شدید ترین خواہش کے باوجود میں ابھی تک اس کی طرف ...کو نہیں بڑھا سکا تھا۔ حالانکہ میں یہ بھی جانتا تھا کہ میں جب بھی آگے بڑھوں گا حریری پیچھے نہیں ہٹے گی ...لیکن ایک جھجک مانع تھی اور میں اسی جھجک کو برقرار رکھنا چاہتا تھا۔ ''اور

شام چھ بجے کے قریب ٹیڈی بھی آ گیا۔ رنگا کا گروہ ٹوٹنے کے بعد اگرچہ اس کے کئی آدمی کیاں ...ری اور ٹیڈی کی طرف آنے کو تیار تھے لیکن حریری اس معاملے میں خاصی محتاط ثابت ہوئی تھی۔ اس نے ...احل

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

صرف ٹیڈی کا انتخاب کیا تھا۔ ٹیڈی نے دو آدمی تحریمی والے مشن میں استعمال کیے جن میں ایک ہلاک ہو چکا تھا اور دوسرے کو فی الحال آزاد چھوڑ دیا گیا تھا۔

حریری اپنے اس کاروبار میں زیادہ بھیڑ بھاڑ مناسب نہیں سمجھتی تھی۔ دو آدمی اس کے پاس پہلے سے موجود تھے۔ مجھے اور ٹیڈی کو ملا کر یہ تعداد چار ہو گئی تھی جبکہ پانچویں وہ خود تھی۔ تابندہ کو اس میں شامل نہیں کیا گیا تھا کیونکہ عملی طور پر اس کا کوئی کردار نہیں تھا۔

رنگا کے بارے میں ٹیڈی نے کچھ مزید دلچسپ انکشافات کیے تھے۔ تحریمی بھی اگرچہ زخمی ہو کر روپوش ہو چکا تھا لیکن اسے پتا چل گیا تھا کہ اس رات کوٹھی کے قریب اس پر رنگا کی پارٹی نے حملہ کیا تھا۔ ٹیڈی کا جو آدمی اس ہنگامے میں مارا گیا تھا اس سے تصدیق ہو گئی تھی کہ یہ کارروائی رنگا ہی نے کی تھی اور اس ہنگامے کی وجہ سے رینجرز کی گشتی پارٹی کو مداخلت کرنی پڑی تھی جس سے نہ صرف تحریمی کا ایک آدمی مارا گیا تھا اور رضیہ اور ایک آدمی زخمی ہو کر پولیس کے ہاتھ لگ گئے تھے اور دس کلو ہیروئن بھی اس کے ہاتھ سے نکل گئی تھی۔ ہماری طرف سے تحریمی کا دل صاف ہو گیا تھا اور سارا نزلہ رنگا پر گرا تھا۔ تحریمی کے آدمی رنگا کو تلاش کرتے پھر رہے تھے اور رنگا اپنے آپ کو بچانے کے لیے لاپتا ہو چکا تھا۔

دس بجے کے قریب ہم کھانا کھا رہے تھے کہ فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ ہم سب نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور پھر تابندہ نے اٹھ کر ریسیور اٹھا لیا۔ وہ چند سیکنڈ بات کرتی رہی پھر حریری کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

”تمہارا فون ہے۔“

حریری نے اٹھ کر تابندہ کے ہاتھ سے ریسیور لے لیا اور تقریباً دس منٹ تک بات کرتی رہی۔ اس کے اور ہمارے درمیان آٹھ دس فٹ کا فاصلہ تھا لیکن وہ ماؤتھ پیس سے منہ لگائے اس قدر مدھم لہجے میں بات کر رہی تھی کہ اس کی آواز ہم تک نہیں پہنچ رہی تھی۔ صرف ہونٹ ہلتے ہوئے دکھائی دے رہے تھے۔ بالآخر اس نے ریسیور رکھ دیا اور دوبارہ اپنی جگہ پر آ گئی۔ میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔ لیکن حریری فون کال کے بارے میں کچھ بتانے کے بجائے خاموشی سے کھانا کھانے لگی۔ میں سمجھ گیا ٹیڈی کی موجودگی میں کچھ کہنا نہیں چاہتی تھی اس لیے میں نے بھی زبان بند ہی رکھی۔

”اور یہ دو“ بارہ بجے کے قریب ٹیڈی چلا گیا۔ تابندہ بھی اپنے کمرے میں کسی کام میں مصروف تھی۔ حریری مجھے اشارہ کیا اور اوپر چلی گئی۔ میں اپنی جگہ پر بیٹھا رہا اور پھر چند منٹ بعد میں بھی اوپر چلا گیا۔

تھے۔“ حریری کے کمرے کا دروازہ بھڑا ہوا تھا۔ میں دستک دیے بغیر بے دھڑک دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ اور پھر دوسرے ہی لمحے مجھے پلٹ کر واپس آنا پڑا۔ حریری لباس تبدیل کر رہی تھی۔ میں دروازے سے ہٹ کر دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا اور گہرے گہرے سانس لینے لگا۔

نہیں تقریباً پانچ منٹ بعد حریری کی آواز سنائی دی۔ میں اندر داخل ہوا تو اس وقت میرے دل کی دھڑکن خطرناک حد تک تیز تھی۔ حریری کے ہونٹوں پر بہت خفیف سی مسکراہٹ تھی۔ اس نے شب خوابی کا لباس پہن رکھا تھا اور یہ بھی مقام شکر تھا کہ یہ لباس ذرا ڈھنگ کا تھا۔

میں حسب معمول بیڈ کے سامنے اس کرسی پر بیٹھ گیا جہاں ہمیشہ بیٹھا کرتا تھا۔ حریری بیڈ پر ٹیک

لگا کر نیم دراز ہو گئی۔ اور اس طرح معمول کے مطابق ہماری گفتگو کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ وہ اس ٹیلی فون کال کے بارے میں بتا رہی تھی جو کھانے کے دوران ہوئی تھی۔

”وہ میرے ایک آدمی خورشید کی کال تھی۔“ وہ کہہ رہی تھی۔ ”وہ معلومات حاصل کرتا ہوا آج شام سدرشن تک پہنچ گیا تھا۔ سدرشن نے اسے پہچان لیا۔“

”کیا وہ پہلے بھی ایک دوسرے کو جانتے ہیں؟“ میں نے ٹوک دیا۔

”میرے دونوں آدمی خورشید اور کمال بہت عرصے سے یہاں ہیں۔“ حریری نے جواب دیا۔ ”مجھ سے کاروباری تعلق ہونے سے پہلے بھی وہ کئی برسوں سے یہی کام کر رہے ہیں۔ سدرشن بھی اس بزنس میں ملوث ہے۔ ظاہر ہے پہلے بھی کبھی ان کی ملاقات ہوئی ہوگی۔“

”تو...... میرا مطلب ہے ان دونوں کی اس تازہ ترین ملاقات کا نتیجہ کیا نکلا؟“ میں نے پوچھا۔

”سدرشن مجھ سے ملنا چاہتا ہے۔“ حریری نے کہا۔ ”کل رات کھانے پر ملاقات طے ہوئی ہے۔ پی سی میں۔“

”پی سی میں کیوں...... اپنے ہوٹل میں کیوں نہیں۔“ میں نے کہا۔

”کیا فرق پڑتا ہے۔“ حریری نے کندھے اچکائے۔ ”کل رات نو بجے۔“

”ٹھیک ہے۔ دیکھ لیں گے۔“ میں نے بھی کندھے اچکا دیے۔

اور پھر اگلے روز رات نو بجے ہم گھر سے نکلے تھے۔ تابندہ بھی ہمارے ساتھ تھی۔ ملاقات کا وقت اگرچہ نو بجے تھا لیکن ہم جان بوجھ کر نو بجے گھر سے نکلے تھے۔ آدھا گھنٹہ راستے میں لگ گیا۔

خورشید ہمیں مرکزی دروازے پر ہی مل گیا۔ وہ ہمیں پول سائیڈ پر لے آیا جہاں الگ تھلگ میز پر سدرشن بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے ساتھ ایک خوبصورت اور جوان لڑکی بھی تھی۔ سدرشن ادھیڑ عمر کا ایک صحت مند آدمی تھا۔ کلین شیو اور گوری چٹی رنگت۔ اس کے دونوں ہاتھوں میں سونے کی انگوٹھیاں تھیں۔

تابندہ، خورشید اور سدرشن کی دوست دوسری میز پر بیٹھ گئیں۔ حریری اور میں سدرشن والی میز پر بیٹھے تھے۔ سدرشن الجھی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔

”یہ میرا بزنس پارٹنر ریاض ہے۔“ حریری نے میرا تعارف کراتے ہوئے کہا۔ ”جو بھی بات ہوگی اس کی موجودگی میں ہوگی۔“

”او کے۔“ سدرشن نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔ اس نے ویٹر کو بلا کر دونوں میزوں پر کھانا سرو کرنے کا آرڈر دے دیا اور پھر باری باری ہم دونوں کی طرف دیکھ کر باتیں کرنے لگا۔ وہ زیادہ تر حریری کی طرف متوجہ تھا اور باتیں بھی اس کے بارے میں ہو رہی تھیں۔ اسے بھی اس بات پر حیرت ہو رہی تھی کہ حریری جیسی حسین لڑکی اس بزنس میں کیسے آ گئی تھی۔

”دنیا کا کوئی بھی بزنس حسین لڑکیوں کی شرکت کے بغیر کامیاب نہیں ہوتا۔“ میں نے کہا۔ ”اور اس قسم کے کاروبار تو ان کے بغیر چل ہی نہیں سکتے۔ جو کام میں اور آپ نہیں کر سکتے، وہ کام یہ حسین لڑکیاں بڑی آسانی سے کر لیتی ہیں۔“

”ہاں۔“ حریری نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ ”کام نکلوانے کے لیے عورت کو جن مراحل

www.pdfbooksfree.pk

سے گزرنا پڑتا ہے اس کا شاید تم لوگوں کو احساس نہیں ہے۔"

"میرا خیال ہے ہم موضوع سے ہٹ رہے ہیں۔" سدرشن کرسی پر پہلو بدلتے ہوئے بولا۔

اور پھر ہماری گفتگو کا رخ بدل گیا اور ہم جلد ہی اصل موضوع پر آ گئے۔ سدرشن کہہ رہا تھا۔

"میں نے تمہارا نام تو سنا تھا۔ کل اتفاق سے خورشید سے ملاقات ہوگئی۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بولا۔ "مجھے کئی ہفتے پہلے پتا چل گیا تھا کہ تم اس ممی کے سلسلے میں بندرعباس سے آئی ہو لیکن پھر تمہارا نام رنگا جیسے تھرڈ ریٹ غنڈے اور منشیات فروش کے نام کے ساتھ سنا جانے لگا تو میں نے تمہارا خیال ذہن سے نکال دیا۔ کل خورشید سے پتا چلا کہ تم کسی خاص وجہ سے رنگا کے ساتھ رہ رہی تھیں اور اب رنگا اور تم الگ ہو چکے ہو۔ اس لیے کل خورشید سے ملاقات ہوئی تو میں نے تم سے ملنے کا فیصلہ کرلیا۔"

"اور تمہیں یہ جان کر حیرت ہوگی کہ وہ ممی میں نے ہی کھدائی میں دریافت کی تھی۔" حریری نے کہا۔ "میرے کیمپ کے دو آدمی وہ تابوت چوری کر کے لے گئے تھے۔ کچھ عرصہ تک اس کے بارے میں کوئی بات نہیں سنی گئی پھر پتا چلا کہ وہ ممی کراچی میں موجود ہے لیکن یہاں آ کر میں رنگا کے معاملات میں الجھ گئی۔ اب میں فارغ ہوئی ہوں تو میں نے اصل منصوبے پر کام شروع کیا ہے۔"

"اگر تم مناسب سمجھو تو ہم مل کر یہ کام کر سکتے ہیں۔ میں تمہیں بتا سکتا ہوں کہ ممی کہاں ہے۔ اسے وہاں سے نکالنا تمہارا کام ہے۔" سدرشن نے کہا۔

"اگر ہمیں پہلے ہی سے معلوم ہو کہ وہ ممی کہاں ہے تو....."

"ایسی صورت میں، میں تمہیں ایک اچھی آفر دے سکتا ہوں۔" سدرشن نے حریری کی بات کاٹ دی۔ "میرے پاس ایک اچھا گاہک موجود ہے۔"

"گاہک تو میرے پاس بھی بہت ہیں لیکن اگر تمہارے توسط سے سودا ہوتا ہے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔" حریری نے جواب دیا۔

اس دوران ویٹر ہماری میز پر کھانا سرو کرنے لگا۔ چکن تکا، روغنی نان اور کچھ اور چیزیں بھی تھیں۔

"محمد بخش کے بارے میں کبھی سنا ہے؟" ویٹر کے جانے کے بعد سدرشن نے حریری کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"وہ ایک سال سے غائب ہے۔ حاجی مستان کو اسی نے گولی مار کر ہلاک کیا تھا۔ اس وقت تک ممی حاجی مستان کے قبضے میں تھی۔ اس کی ہلاکت کے بعد ممی بھی غائب ہوگئی اور محمد بخش بھی۔" حریری نے کہا۔

سدرشن کے چہرے کے تاثرات بدل گئے۔ وہ چند لمحے خاموشی سے اس کی طرف دیکھتا رہا پھر بولا۔

"میں تمہیں بتا سکتا ہوں محمد بخش کہاں ہے۔"

"مجھے معلوم ہے۔" حریری نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"حسین ہونے کے ساتھ ذہین بھی ہو۔" سدرشن مسکرا دیا۔ "میں جانتا ہوں کہ تم محمد بخش کے نام

aazzamm@yahoo.com

وہ اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتیں۔ محض مجھے ٹرخانے کے لیے ایسی باتیں کر رہی ہو۔ بہرحال، یہ آئندہ کے لیے مفید ثابت ہوگی۔ ہمارا بزنس ایک ہی ہے۔ ایک دوسرے سے رابطہ رہے گا۔"

"ضرور۔" حریری نے جواب دیا۔

اور پھر کھانے کے دوران ہماری گفتگو کا موضوع بھی بدل گیا۔ میں نے ایک دو مرتبہ سدرشن کی طرف دیکھا تھا۔ نہ جانے کیا بات تھی کہ اس کے بارے میں سوچتے ہوئے میں کچھ بے چینی سی محسوس کر رہا تھا۔ ہندوؤں کے ساتھ تعلقات میں مجھے بڑے سنگین تجربات ہو چکے تھے۔ میرے چند مہینے ہندوستان میں رہے تھے اور اس دوران قدم قدم پر مجھے ان کی فریب کاریوں کا سامنا کرنا پڑا تھا اور اب سدرشن میرے سامنے تھا۔ اس کی باتوں میں اگرچہ چاشنی تھی لیکن میں مطمئن نہیں تھا۔

تقریباً ڈیڑھ گھنٹے بعد ہم سدرشن سے رخصت ہو گئے۔ واپسی پر خورشید بھی ہمارے ساتھ تھا۔ کار ڈرائیو کرتے ہوئے خورشید کو سدرشن سے ہونے والی گفتگو سے آگاہ کر رہی تھی۔

"یہ شخص محمد بخش کا نام ضرور جانتا ہے لیکن اسے اور کچھ بھی معلوم نہیں ہے۔" خورشید نے کہا۔ "میرا خیال ہے ہمیں اس کی طرف سے محتاط ہی رہنا چاہیے۔ یہ ہماری آڑ میں محمد بخش تک پہنچنا چاہتا ہے۔"

"میں اس کی باتوں سے شروع ہی میں سمجھ گئی تھی اسی لیے تو میں نے گفتگو کا رخ ہی بدل دیا بہرحال۔"

حریری ایک لمحہ کو خاموش ہوئی پھر بولی۔ "ہم خانم تابندہ کو کوٹھی پر چھوڑ کر لی مارکیٹ جا رہے ہیں کیا تمہیں اپنی معلومات پر پورا بھروسہ ہے؟"

"بالکل!" خورشید نے جواب دیا۔ "میرے مخبر کی فراہم کردہ اطلاع غلط نہیں ہو سکتی۔"

"تو ٹھیک ہے۔" حریری بولی۔ "اور کیا تمہارے خیال میں وہاں کسی ہنگامے کا امکان تو نہیں؟"

"ہے بھی اور نہیں بھی۔" خورشید نے جواب دیا۔ "آپ کو تو ایسے کاموں کا طویل تجربہ ہے۔ بعض اوقات کام اس طرح ہو جاتا ہے کہ کسی تیسرے شخص کو کانوں کان خبر نہیں ہو پاتی اور بعض اوقات مزاحمت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔"

"ہاں۔ ٹھیک کہتے ہو۔" حریری نے گہرا سانس لیا۔ "وہ گاڑی کہاں ہے؟"

"وہیں۔ لی مارکیٹ کے علاقے میں کھڑی ہے۔" خورشید نے جواب دیا۔ حریری کار کو مختلف سڑکوں پر دوڑاتی رہی اور آخرکار تقریباً آدھے گھنٹے بعد ہم گلشن اقبال کے علاقے میں داخل ہو گئے۔ مزید چند منٹ بعد کار تابندہ کی کوٹھی کے سامنے رک چکی تھی۔

تابندہ کو اتار کر حریری نے کار آگے بڑھا دی۔ اس مرتبہ ہم لوکل ریلوے لائن کی کراسنگ کی طرف سے حسن اسکوائر پر نکلے تھے۔ مین روڈ پر آتے ہی حریری نے کار کی رفتار بڑھا دی۔

کار تیز رفتاری سے دوڑ رہی تھی اور میں پچھلی سیٹ پر بیٹھا آنے والے وقت کے بارے میں سوچ رہا تھا..... ہم ایک لاش چوری کرنے جا رہے تھے۔ ایک ایسی شہزادی کی لاش جو ڈھائی ہزار سال پہلے فوت ہوئی تھی!

☆.....☆.....☆

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

رات کے ساڑھے بارہ بجے لی مارکیٹ کے مرکزی چوک کے علاقے کو دیکھ کر لگتا تھا جیسے ابھی شام اتری ہو۔ بڑی رونق اور گہما گہمی تھی۔ تمام چھوٹے بڑے ریسٹورنٹ کھلے ہوئے تھے۔ فٹ پاتھ پر بھی دکانیں سجی ہوئی تھیں۔ کسی طرف سے بھاری توے پر کلیجی، گردے، فرائی کرنے والوں کی کھٹا کٹ آوازیں بھی سنائی دے رہی تھیں اور کسی طرف شربت بیچنے والے ٹھیلے کے پاس گھنگھروؤں کی جھنکار سنائی دے رہی تھی۔ مقوی اور غذائیت بخش شربت بنانے کے لئے اس میں پستہ، بادام، چہار مغز اور خشخاش گھوٹ کر ملائی جاتی تھی اور بڑی سی کونڈی میں جس ڈنڈے سے یہ مقوی میوہ جات گھوٹے جا رہے تھے اس کے اوپر والے سرے پر گھنگھرو بندھے ہوئے تھے اور گھنگھروؤں کی یہ جھنکار ہی راہگیروں کو اس طرف متوجہ کر رہی تھی۔ ایک فٹ پاتھ پر سلاجیت بیچنے والا ایک عطائی مجمع لگائے ہوئے تھا۔ اس کے پاس مردانہ کمزوری کی ہر دوا موجود تھی۔ پیچھے دیوار کے ساتھ ایک بہت بڑا بینر آویزاں تھا جس پر جنگلوں اور پہاڑوں کے مناظر بنے ہوئے تھے۔ کہیں کوئی بندر کسی درخت سے لٹکا ہوا تھا، کہیں شیر گھات لگائے بیٹھا تھا اور ایک خاں صاحب سر پر کلاہ سجائے بندوق سے کسی عجیب الخلقت جانور کو نشانہ بنا رہے تھے۔

مجمع لگانے والا عطائی بھی ایک پٹھان ہی تھا جو اپنے مخصوص لہجے اور انداز میں بینر پر دکھائے گئے مناظر کے حوالے سے ایک دلچسپ اور سنسنی خیز کہانی سنا رہا تھا۔

اس مجمع سے ذرا آگے بلوچ ریسٹورنٹ تھا۔ ریسٹورنٹ کے اندر بھی رش تھا اور سامنے فٹ پاتھ پر بھی لوگ کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔

اس چوک پر ٹرک بھی کھڑے تھے اور بسوں کا اڈہ بھی تھا، حب لسبیلہ، تربت، گوادر اور بلوچستان کے دوسرے علاقوں سے آنے والی بسیں یہیں ٹھہرتی تھیں اور صبح یہیں سے روانہ ہوتی تھیں۔

اس علاقے میں کئی رہائشی ہوٹل بھی تھے۔ بیرونی شہروں سے آنے والے لوگ زیادہ تر انہی ہوٹلوں میں ٹھہرتے تھے۔ یہ علاقہ اگرچہ لیاری اور بغدادی سے زیادہ مختلف نہیں تھا لیکن یہاں بسوں کے اڈے کی وجہ سے زیادہ رونق تھی۔

اس علاقے میں داخل ہوتے ہی حریری نے کار کی رفتار بہرحال کم کر دی تھی۔ میں متجسس نظروں سے چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ لاہور کے بھاٹی چوک پر بھی آدھی رات کے بعد کچھ ایسی ہی رونق ہوا کرتی ہے۔

''وہ سامنے بابا ہوٹل ہے۔'' خورشید نے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''گاڑی اس کے ساتھ والی سڑک پر موڑ لیں۔''

حریری نے رفتار کچھ اور کم کر دی۔ آس پاس سے گزرتے ہوئے لوگ کھا جانے والی نظروں سے حریری کو دیکھ رہے تھے۔ یہ بلوچوں کی آبادی تھی یہاں دن کے وقت بھی عورتیں کم ہی نظر آتی تھیں اور ان کے لباس بھی ایسے ہوتے تھے کہ چہرے اور ہاتھوں کے علاوہ جسم کا کوئی حصہ نظر نہیں آتا تھا۔ بیشتر عورتوں نے تو سروں پر دوپٹے اس طرح لپیٹ رکھے ہوتے تھے کہ چہرے بھی چھپ جاتے تھے اور صرف آنکھ برہنہ دکھائی دیتی تھی اور رات کے وقت تو عورتوں کے گھروں سے باہر نظر آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں تھا کہ اس علاقے کی آبادی پردہ نشینوں پر مشتمل تھی اور سب ہی قدیم روایات کو سینے سے لگائے ہوئے تھے۔ اسی پسماندہ علاقے میں ایسے ماڈرن لوگوں کی رہائش بھی تھی جنہیں دیکھ کر یورپ کی خواتین بھی شرماتی ہوں گی۔

حریری نے گاڑی کی رفتار مزید کم کر کے اسے بابا ہوٹل کے ساتھ والی سڑک پر موڑ لیا۔ یہ رہائشی ہوٹل تھا اوپر رہائشی کمرے تھے اور گراؤنڈ فلور پر ریسٹورنٹ تھا۔ جہاں محنت کش طبقے کے لوگ بھرے ہوئے تھے۔ ہوٹل کے سامنے پان، سگریٹ کے کیبن تھے۔ بہت سے لوگ ادھر ادھر کھڑے سگریٹ کا کش لگاتے ہوئے اپنے تفکرات کو دھوئیں میں اڑانے کی کوشش کر رہے تھے۔

بابا ہوٹل کے ساتھ والی سڑک زیادہ کشادہ نہیں تھی۔ دونوں طرف ہاتھ سے کھینچنے والے ریڑھی داری کے لاتعداد ٹھیلے کھڑے تھے جن کی وجہ سے راستہ کچھ اور بھی تنگ ہو گیا تھا۔ تقریباً پچاس گز آگے یہ سڑک ایک اور سڑک سے جا ملتی تھی۔ اس کی چوڑائی اس سے بھی کم تھی اور یہاں بھی دونوں طرف ٹھیلے کھڑے تھے۔

یہاں پرانی طرز کی عمارتیں تھیں۔ کوئی سنگل اسٹوری، کوئی دو منزلہ اور کوئی تین منزلہ۔ ان میں ہر عمارت کم از کم سو سال پرانی ضرور تھی اور ان میں کہیں کہیں کوئی جدید عمارت بھی پھنسی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ گلی میں سناٹا تھا۔ آگے ایک اور موڑ تھا جہاں سیاہ رنگ کی ایک سٹیشن ویگن بھی کھڑی تھی۔ اس کے قریب ہی ٹھیلے پر ایک آدمی سو رہا تھا۔

خورشید کے اشارے پر حریری نے کار سٹیشن ویگن کے قریب روک لی۔ ہیڈ لیمپس کی روشنی چہرے پر پڑتے ہی ٹھیلے پر سویا ہوا وہ شخص اٹھ گیا۔ اس نے پتلون اور ٹی شرٹ پہن رکھی تھی۔ غالباً یہ لباس کئی روز سے اس کے جسم سے الگ نہیں ہوا تھا۔ پتلون بھی میلی اور مسلی ہوئی تھی اور ٹی شرٹ بھی۔ اس شخص کے بال بھی بکھرے ہوئے تھے اور شیو بھی بڑھا ہوا تھا اس حلیے سے وہ کوئی مزدور پیشہ ہی لگتا تھا۔

کار رکتے ہی وہ شخص اٹھ کر قریب آ گیا۔ اس نے ڈرائیونگ سائیڈ والی کھڑکی پر جھک کر حریری کو سلام کیا۔ وہ کوئی اس علاقے کا مزدور نہیں، خورشید کا دوسرا ساتھی کمال تھا۔

''کیا صورت حال ہے کمال؟'' حریری نے پوچھا۔

''وہ تقریباً ایک گھنٹہ پہلے اپنے گھر گیا ہے اس کے ساتھ.....'' وہ کہتے کہتے خاموش ہو گیا اور کن انکھیوں سے میری طرف دیکھنے لگا۔

''خاموش کیوں ہو گئے۔ اس کے ساتھ اور کون ہے؟'' حریری نے پوچھا۔

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

''ایک عورت...... جسے وہ ایک ہوٹل سے پکڑ لایا تھا۔'' کمال نے جھجکتے ہوئے جواب دیا۔

''اس میں تمہارے لئے شرمانے کی کیا بات ہے؟'' حریری نے مسکراتے ہوئے کہا۔'' ہے تم یہیں انتظار کرو۔'' اس نے خاموش ہو کر خورشید کی طرف دیکھا اور خورشید نے ایک طرف ا کر دیا۔

حریری نے گاڑی آگے بڑھا کر بائیں طرف موڑ لی۔ یہ بھی ایک کشادہ گلی تھی اور یہاں ک دکا ٹھیلے کھڑے تھے۔ تقریباً پچاس گز آگے یہ گلی بند ہوگئی۔ آگے جست کی گولے دار چادر والا بہت پھاٹک تھا جس کا ذیلی دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اس ذیلی دروازے سے سائیکل، موٹر سائیکل یا پیدل افر گزر سکتے تھے۔

حریری نے گاڑی روک کر انجن بند کر دیا اور اپنی طرف کا شیشہ چڑھانے لگی۔ میں نے شیشہ چڑھا کر اندر سے لاک ناب دبا دیا۔

کار سے اتر کر ہم پھاٹک کے ذیلی دروازے سے اندر داخل ہو گئے۔ خورشید آگے تھا اور ہم کے پیچھے۔

پھاٹک کے اندر تنگ اور پر پیچ گلیوں کا جال سا بچھا ہوا تھا۔ میرا خیال تھا یہ کراچی کا قدیم علاقہ تھا۔ پرانے طرز کی عمارتیں ایک دوسرے میں پھنسی ہوئی تھیں۔ ایسے علاقوں پر سرکاری محکمے بھی توجہ نہیں دیتے اور زندگی کے تمام مسائل انہی علاقوں میں جنم لیتے ہیں۔ علاقے میں اگرچہ بجلی موجود تھی گلیاں تاریک تھیں۔ بعض گلیوں میں تو اس قدر تاریکی تھی کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا تھا۔ خورشید ہم تین چار گز آگے تھا اور وہ بار بار مڑ کر محتاط رہنے کی ہدایت کر رہا تھا۔

ایک موقع پر حریری کسی پتھر سے ٹھوکر کھا کر لڑکھڑائی تو اس نے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ اور پھر میں اس کا ہاتھ نہیں چھوڑا۔ نرم و گداز ہاتھ میرے اندر عجیب سی سنسنی پیدا کر رہا تھا۔

تین چار گلیاں گھومنے کے بعد خورشید ایک جگہ رک گیا اور بائیں طرف کی ایک گلی میں ا کرتے ہوئے سرگوشیانہ لہجے میں بولا۔

''وہ سامنے والی کھڑکی اس کے مکان کی ہے۔ دروازہ دائیں طرف گلی میں ہے۔''

وہ کھڑکی زمین کی سطح سے تقریباً چار فٹ اونچی تھی۔ قریب پہنچ کر پہلے ہم اندر سے سن گن لی کوشش کرتے رہے لیکن کوئی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔

حریری نے خورشید کو وہیں رکنے کا اشارہ کیا اور میرا ہاتھ پکڑ کر کھینچتی ہوئی گلی میں مڑ گئی۔ یہ تنگ سی گلی تھی۔ ناہموار زمین پر پانی پھیلا ہوا تھا۔ حریری کا پیر پانی میں پڑا تو شڑاپ کی آواز ابھری لڑکھڑا ئی تھی لیکن میں نے اسے سنبھال لیا۔

وہ دروازہ تقریباً تیس فٹ آگے تھا۔ ساتھ ساتھ ملے ہوئے دو تین مکان ابھرے تھے کے سامنے والے مکان بھی سنگل سٹوری تھے۔

دروازے والی دیوار تقریباً آٹھ فٹ بلند تھی۔ میں نے پہلے دروازے پر ہاتھ رکھ کر دیکھا اندر سے بند تھا میں دروازے کے آس پاس دیوار کو ٹٹول کر دیکھتا رہا پھر ٹوٹی ہوئی اینٹوں پر پیر جما کر

چڑھ گیا۔

دوسری طرف کودنے میں، میں نے بڑی احتیاط سے کام لیا تھا۔ چند لمحے دیوار کے ساتھ چپکا سن گن لیتا رہا پھر بڑی آہستگی سے دروازے کا کنڈا کھول دیا اور حریری کے اندر آنے کے بعد دروازہ بھیڑ دیا۔

یہ مکان باہر سے بظاہر چھوٹا سا لگتا تھا لیکن اندر سے کافی بڑا تھا۔ صحن بہت کشادہ تھا۔ اس کے آگے مکان کی اصل عمارت تھی۔ ہم دونوں کچھ دیر تک بے حس و حرکت کھڑے تاریکی میں گھورتے رہے۔ میری نظریں تاریکی سے کچھ مانوس ہوئیں تو پتا چلا کہ یہ مکان کافی بڑا تھا لیکن ابتلائے زمانہ سے اس کے کچھ حصے گر کر کھنڈر میں تبدیل ہو چکے تھے تاہم کچھ حصے رہائش کے قابل تھے۔

میں دروازے کے بائیں طرف بڑھ گیا۔ اس طرف ایک کمرہ تھا جس کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ یہ وہی کمرہ تھا جس کی کھڑکی گلی کی طرف تھی۔ یہ کمرہ خالی تھا۔ میں نے احتیاط سے آگے بڑھ کر وہ کھڑکی کھول دی اور باہر گلی میں کھڑے ہوئے خورشید کو اندر بلا لیا۔

خورشید کو اس کمرے کے دروازے پر چھوڑ کر میں حریری کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔ مکان کے ٹوٹے ہوئے حصے میں راہداری کی طرح ایک کشادہ راستہ تھا جو آگے جا کر بائیں طرف مڑ گیا تھا۔

اس کھنڈر کو دیکھ کر بھی اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ جب یہ مکان بنا تھا تو بہت شاندار ہوگا۔

دوسری طرف مڑتے ہی میں حریری کا ہاتھ پکڑ کر رک گیا۔ آگے دائیں طرف ایک کمرے سے روشنی جھلک رہی تھی اور کسی عورت کے ہنسنے کی ہلکی سی آواز سنائی دی تھی۔

دروازہ نیم وا تھا۔ میں دبے قدموں آگے بڑھتا رہا۔ حریری بھی میرے ساتھ ہی تھی۔ میں نے دروازے سے جھانک کر اندر دیکھنے کی کوشش کی لیکن کچھ نظر نہیں آیا۔ وہ دروازے کی آڑ میں تھے۔

میں نے جیب سے پستول نکال لیا۔ اس سے پہلے کہ میں کوئی اور قدم اٹھاتا، حریری نے آگے بڑھ کر دروازے پر زوردار ٹھوکر ماردی۔ میں فوراً ہی اس کے ساتھ اچھل کر سامنے آ گیا۔ اس کے ساتھ ہی ہلکی سی نسوانی چیخ کی آواز بھی سنائی دی تھی۔

کمرے کا منظر بڑا سنسنی خیز تھا۔ بیڈ دروازے کی آڑ میں تھا۔

ایک ادھیڑ عمر عورت اور ایک مرد ایک دوسرے میں الجھے ہوئے تھے۔ دونوں کے جسموں پر لباس نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ پلنگ کے قریب ہی ایک چھوٹی میز پر دیسی شراب کی ایک بوتل اور دو گلاس بھی رکھے ہوئے تھے۔ دونوں گلاسوں میں تھوڑی تھوڑی شراب بھی موجود تھی۔

وہ عورت چیختی ہوئی اچھل کر پلنگ کے دوسری طرف کود گئی اور پلنگ پر پڑا ہوا ایک کپڑا اٹھا کر اپنی برہنگی چھپانے کی کوشش کرنے لگی۔ اس کا چہرہ دھواں ہو گیا اور وہ خوف سے تھر تھر کانپ رہی تھی۔ جبکہ اس کا ساتھی مرد بھی خوفزدہ ہو گیا تھا۔ اس نے پلنگ کی چادر کھینچ کر اپنے اوپر ڈال لی تھی۔ میرا خیال تھا کہ یہ شرمناک منظر دیکھ کر حریری رخ پھیر لے گی لیکن وہ تن کر سامنے کھڑی رہی۔

میں پستول کا رخ سامنے کی طرف کر کے ان دونوں کا جائزہ لے رہا تھا۔ اس عورت کی عمر چالیس اور پینتالیس کے درمیان رہی ہوگی۔ کسی قدر کھلتی ہوئی رنگت اور ڈھلکا ہوا بدن اور [illegible]

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

ہوئے تھے۔اس نے اپنے آپ کو حسین اور جاذب نظر بنانے میں چہرے پر گہرا میک اپ بھی کیا تھا جواب بگڑ چکا تھا۔ وہ ڈھلتی عمر کی سستی قسم کی طوائف تھی جس کی خدمات سے مزدور طبقہ کے آوارہ مزاج مرد ہی فائدہ اٹھا سکتے تھے۔

اس مرد کی عمر کوئی پچاس کے لگ بھگ رہی ہوگی۔ درمیانہ قد اور کسی قدر بھاری بھرکم جسم۔ دو تین دن کا بڑھا ہوا شیو اور سر کے بال چھوٹے تھے۔ اس کے دائیں کان میں چاندی کی ایک بالی بھی چمک رہی تھی۔

''کپڑے پہنو اور وہیں ایک کونے میں بیٹھ جاؤ۔'' حریری نے اس عورت کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔''اگر تم نے اپنی جگہ سے ہلنے کی کوشش کی یا تمہارے منہ سے کوئی آواز نکلی تو زندہ نہیں بچو گی۔''

اس عورت نے جھک کر اپنے کپڑے اٹھائے اور رخ پھیر کر جلدی جلدی پہننے لگی۔ اس نے قمیص الٹی پہن لی تھی لیکن اسے درست کرنے کی کوشش نہیں کی۔ وہ پلنگ کے دوسری طرف دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔

''اور تم بھی جامے میں آ جاؤ۔'' میں نے پستول سے مرد کو اشارہ کیا وہ مجھ سے چند فٹ کے فاصلے پر کھڑا تھا۔ وہ پتلون اٹھا کر چادر کی آڑ میں پہننے لگا اور پھر اس نے چادر اتار کر ایک طرف پھینک دی۔ میں اب بھی اسے پستول کی زد میں لئے کھڑا تھا۔ اس نے چادر ایک طرف اچھالتے ہی بالکل اچانک اپنی جگہ سے اچھل کر میرے پستول والے ہاتھ پر ٹھوکر ماردی۔ پستول میرے ہاتھ سے نکل کر چمگادڑ کی طرح اڑتا ہوا سٹیل کی ایک پرانی سی الماری کے اوپر جا گرا۔ اس سے پہلے کہ میں سنبھل پاتا اس شخص نے بڑی تیزی سے آگے بڑھ کر ارنا بھینسے کی طرح میرے سینے پر سر سے ٹکر ماردی۔

میں کراہتا ہوا لڑکھڑا گیا۔ مجھے یوں لگا تھا جیسے وزنی ہتھوڑے سے زوردار ضرب لگائی گئی ہو۔ میرا خیال تھا وہ دوبارہ حملہ کرے گا لیکن دوسرے ہی لمحے اس نے دروازے کی طرف چھلانگ لگادی لیکن اسے باہر نکلنا نصیب نہیں ہوا۔ حریری نے بڑی پھرتی سے اپنی ایک ٹانگ آگے کردی اور وہ کراہتا ہوا منہ کے بل دروازے کے قریب گرا۔ اسے سنبھلنے کا موقع دینے سے پہلے ہی میں نے اسے چھاپ لیا۔

اس نے ایک بار پھر وہی حربہ استعمال کیا۔ میری گرفت میں ہونے کے باوجود اس نے میرے چہرے پر سر سے ٹکر مارنے کی کوشش کی تھی۔ ٹکر میری ٹھوڑی پر لگی اور میرا نیچے کا جبڑا ہل کر رہ گیا۔ میں نے سیدھا ہاتھ اٹھا کر اس کی کھوپڑی پر کہنی سے ضرب لگائی لیکن شاید اس پر زیادہ اثر نہیں ہوا تھا۔ میں نے ایک اور ضرب لگائی۔

میرے حریف نے مجھے پیچھے دھکیلنے کی کوشش کی۔ میں نے بھی اس کی دونوں بغلوں میں ہاتھ ڈال دیئے۔ اس طرح میں خود تو پیچھے جھکتا چلا گیا اور اسے اوپر اٹھاتا رہا۔ اس کے ساتھ ہی میں نے ٹانگیں دوہری کر کے دونوں پیر بھی اس کے پیٹ پر جما دیئے تھے اور پھر پوری قوت سے اسے اپنے اوپر سے اچھال دیا۔

وہ بھد سے پشت کے بل پلنگ پر گرا اور لڑھک کر دوسری طرف زمین پر بیٹھی ہوئی عورت کے اوپر گر گیا۔ عورت کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی۔

میرے حریف نے اٹھنے میں دیر نہیں لگائی تھی لیکن اس کے ہاتھ میں کلہاڑی دیکھ کر میرے دماغ میں سنسناہٹ سی ہونے لگی۔ یہ کلہاڑی پلنگ کے نیچے پڑی ہوئی تھی جو اس کے ہاتھ میں آ گئی تھی۔

کلہاڑی کا دستہ تقریباً چار فٹ لمبا تھا۔ اس کا پھل پتلا اور چوڑا تھا۔ یہ کلہاڑی لکڑیاں کاٹنے کے لئے نہیں تھی۔ کئی مہینے پہلے جب میں اندرون سندھ گیا تھا تو بہت سے مقامی لوگوں کے پاس بھی ایسی کلہاڑیاں دیکھی تھیں جنہیں وہ اپنی حفاظت کے لئے اپنے پاس رکھتے تھے اور اب وہ شخص مجھ پر یہ خطرناک ہتھیار تانے کھڑا تھا۔

اس کے چہرے پر بے پناہ درندگی ابھر آئی تھی۔ اس نے کلہاڑی کے دستے کو دونوں ہاتھوں میں پکڑ کر ایک دو مرتبہ حملہ کرنے والے انداز میں لہرایا اور پھر پوری قوت سے حملہ کر دیا۔

میں تیزی سے ایک طرف جھکا۔ کلہاڑی پلنگ کے گدے پر لگی اور اسے کاٹتے ہوئے بلیڈ اندر تک گھس گیا۔ گدے میں ناریل کا چھلکا پڑا ہوا تھا۔ کلہاڑی کا بلیڈ اس میں پھنس گیا۔ میں نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ایک ہاتھ کلہاڑی کے دستے پر ڈال دیا اور دوسرے ہاتھ سے اس کے جبڑے پر گھونسہ رسید کر دیا۔

میرے حریف نے کلہاڑی کا دستہ چھوڑ دیا اور میرے اوپر چھلانگ لگادی۔ میں اس مرتبہ دھوکا کھا گیا۔ وہ مجھے ساتھ لیتا ہوا نیچے گرا۔ میں اس کے نیچے دب گیا۔ اس نے میرے جبڑوں پر دونوں طرف دو چار کرارے قسم کے گھونسے لگائے اور پھر دروازے کی طرف چھلانگ لگادی لیکن دوسرے ہی لمحہ چیختا ہوا الٹے قدموں لڑکھڑا کر پھر میرے اوپر گرا۔ میں نے اسے ایک طرف اچھال دیا اور تیزی سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس لمحے خورشید بھی سیدھے ہاتھ کو سہلاتا ہوا اندر داخل ہوا۔ اس نے جب دروازے کے باہر چھلانگ لگائی تھی تو باہر سے خورشید ہی نے اسے گھونسہ مار کر دوبارہ اندر دھکیل دیا تھا۔

حریری نے ابھی تک کوئی مداخلت نہیں کی تھی۔ وہ ایک طرف کھڑی بڑی خاموشی سے اس شخص کو پٹتے ہوئے دیکھتی رہی۔ وہ ہم دونوں کے درمیان فٹ بال بن گیا تھا۔ کمرے میں زیادہ جگہ نہیں تھی اس لئے ہمارا یہ کھیل بھی زیادہ دیر تک جاری نہیں رہ سکا تھا اور اس شخص میں بھی شاید اب زیادہ دیر تک مار کھانے کی سکت نہیں رہی تھی۔ اس نے دونوں ہاتھ اٹھا دیئے۔

''تم لوگ کون ہو؟'' اور اس طرح میرے گھر میں کیوں گھس آئے ہو؟'' وہ ایک ہاتھ کی پشت سے ہونٹوں سے رسنے والا خون پونچھتے ہوئے بولا۔

''یہ سوال تم پہلے پوچھ لیتے تو بات اتنی آگے نہ بڑھتی۔'' میں نے جواب دیا۔

''تم لوگ کون ہو؟'' اس نے اپنا سوال دہرایا۔''کسی کے گھر میں اس طرح گھسنا جرم ہے۔ اخلاقی بھی اور قانونی بھی۔ میں.....''

''تم صرف اس بات کا جواب دو گے جو ہم پوچھیں گے۔'' میں نے اس کی بات کاٹ دی۔''یہ عورت تمہاری.....''

''میری بیوی ہے یہ۔'' اس نے میری بات کاٹ دی۔

میں نے کچھ کہنے سے پہلے اس کے منہ پر زوردار تھپڑ رسید کر دیا۔''جھوٹ بولنے کی کوشش کی تو

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

کھال ادھیڑ دوں گا۔'' میں نے کہا۔ ''تم اسے نور ہوٹل سے لے کر آئے تھے۔ شرم آنی چاہئے تمہیں۔''

''مم..... میں سچ کہتا ہوں، یہ میری بیوی.....''

''جھوٹ بولتا ہے یہ۔'' وہ عورت اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔ ''یہ مجھے ہوٹل سے لے کر آیا تھا۔ خدا کے لئے مجھے چھوڑ دو۔''

''تمہیں تو ہم پولیس کے حوالے کریں گے۔ فی الحال خاموشی سے بیٹھی رہو۔'' حریری نے اسے ڈپٹ کر دوبارہ بٹھا دیا۔

''تم لوگ کون ہوں؟ آخر کیا چاہتے ہو؟'' وہ شخص بولا۔

''ہمارا خیال تھا پہلے کہ تم سے یہیں پر بات کریں گے لیکن اب کچھ ایسی صورتحال پیدا ہوگئی ہے کہ ہم زیادہ دیر یہاں نہیں رک سکتے۔ تمہیں ہمارے ساتھ چلنا ہوگا۔'' حریری نے کہا۔

''کہاں.....؟'' وہ شخص خوفزدہ سی نظروں سے باری باری ہماری طرف دیکھنے لگا۔

''اگر تم ہمارے ساتھ تعاون کرو گے تو تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا اور ہم تمہیں یہیں چھوڑ جائیں گے۔ اگر تم نے ہمیں کوئی چکر دینے کی کوشش کی تو پھر اس مکان اور اس کی ہر چیز کو آخری مرتبہ دیکھ لو پھر شاید تمہیں یہاں آنا نصیب نہ ہو۔'' حریری نے کہا۔ اس نے خاموش ہو کر خورشید کو اشارہ کیا۔

خورشید کمرے میں ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ پلنگ کے نیچے اسے ایک رسی مل گئی۔ اس شخص کے ہاتھ پشت پر باندھ دیئے گئے۔ میں نے ایک کرسی پر کھڑے ہو کر الماری کے اوپر سے اپنا پستول اٹھا لیا۔

حریری کے اشارے پر وہ عورت بھی اٹھ گئی۔ وہ اب بھی خوف سے تھر تھر کانپ رہی تھی اور واسطے دے دے کر اپنی جان بخشی کی بھیک مانگ رہی تھی۔

کمرے سے باہر نکلتے ہوئے میں نے بتی بجھا کر دروازہ بند کر دیا تھا۔ مکان سے باہر آ کر بھی میں نے بیرونی دروازہ بھیڑ کر اوپر کی زنجیر لگا دی اور ہم پرپیچ گلیوں میں چلنے لگے۔

کار کے قریب پہنچ کر ہم رک گئے۔

''خورشید!'' حریری اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

''تم اسے لے کر میرے ٹھکانے پر پہنچو۔ اگر یہ راستے میں کوئی گڑبڑ کرنے کی کوشش کرے تو اسے مار کر لاش کسی سڑک پر پھینک دینا۔ اور ہاں.....'' وہ اس عورت کی طرف گھوم گئی۔ ''تم ہمارے ساتھ اس گاڑی میں بیٹھو۔''

عورت ایک بار پھر گڑگڑانے لگی۔ حریری نے اس کے منہ پر زوردار تھپڑ مار کر اسے خاموش کرا دیا۔ خورشید اس شخص کو دھکیلتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ حریری نے کار کے دروازے کھول دیئے۔ میں اس عورت کے ساتھ پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا اور حریری نے اسٹیئرنگ سنبھال لیا۔

تنگ سی گلی میں گاڑی ریورس میں لے جانا خاصا مشکل کام تھا لیکن حریری بڑی مہارت سے گاڑی پیچھے لے جاتی رہی اور پھر ایک موڑ پر پہنچ کر اس نے کار کو دوسری گلی میں موڑ دیا۔ خورشید اس شخص کو دھکیلتا ہوا اس گلی میں مڑ گیا تھا جہاں سیاہ رنگ کی سٹیشن ویگن کھڑی تھی۔

حریری جس طرح کار کو گلیوں میں گھما رہی تھی اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ راستوں سے بھی

بخوبی واقف تھی۔ تقریباً پندرہ منٹ بعد ہم لی مارکیٹ کے مرکزی چوک پر نکل آئے۔ چوک کی رونق میں اب بھی کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ کراچی کے بعض علاقے تو ایسے تھے جہاں رات ہوتی ہی نہیں تھی اور لی مارکیٹ کا یہ مرکزی چوک بھی ان میں سے ایک تھا۔

پچھلی سیٹ پر بیٹھی ہوئی وہ عورت پہلے تو منت سماجت کرتی رہی پھر اس نے باقاعدہ رونا شروع کر دیا۔

ہم اندرونی سڑکوں پر گھومتے ہوئے نشتر روڈ پر آ گئے۔ یہاں بھی ابھی تک بعض مقامات پر خاصی رونق تھی۔ بازار حسن بھی اس علاقے میں واقع تھا۔ حریری نے ایک موڑ پر گاڑی روک لی۔ اس جگہ دو ریسٹورنٹ بھی تھے اور پان سگریٹ کے تین چار کیبن بھی۔ خاصی رونق تھی وہاں۔

''ناجی! اس عورت کو یہاں اتار دو۔'' حریری نے سامنے لگے ہوئے آئینے میں میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''یہاں نہیں۔ خدا کے لئے مجھے یہاں مت اتارو۔ یہ لوگ مجھے بھیڑیوں کی طرح چیر ڈالیں گے۔'' وہ عورت گھگھیائی۔ اس کے چہرے پر خوف کے سائے گہرے ہو گئے تھے۔

''یہی تمہارا اصل ٹھکانہ ہے۔'' حریری نے پیچھے مڑ کر دیکھتے ہوئے کہا۔ ''خاموشی سے اتر جاؤ ورنہ میں کسی کو بلا کر تمہیں اس کے حوالے کر دوں گی۔''

یہ دھمکی کارگر ثابت ہوئی۔ میں نے جھک کر دوسری طرف کا دروازہ کھول دیا۔ وہ عورت خوفزدہ سی نظروں سے باہر دیکھ رہی تھی۔ ایک پان کے کھوکھے کے قریب کھڑے ہوئے کچھ لوگ بھی ادھر دیکھ رہے تھے اور پھر ایک آدمی سگریٹ کا کش لگاتا ہوا کار کی طرف آنے لگا۔ میں نے اس عورت کو دھکا دے کر نیچے اتار دیا اور دروازہ بند کر لیا۔ اس لمحے حریری نے گاڑی آگے بڑھا دی۔

ہم نشتر روڈ، لسبیلہ چوک، تین ہٹی اور لیاقت آباد سے ہوتے ہوئے عائشہ منزل کی طرف نکل آئے میں اگلی سیٹ پر آ گیا تھا۔ راستے میں پولیس نے دو مرتبہ ہماری گاڑی کو روکا تھا لیکن حریری کی وجہ سے ہمیں پریشان نہیں کیا گیا۔

عائشہ منزل سے حریری نے گاڑی دستگیر سوسائٹی کی طرف موڑ لی۔ یہی سڑک یاسین آباد سے ہوتی ہوئی گلشن اقبال تک چلی گئی تھی۔

خورشید وغیرہ ابھی تک نہیں پہنچے تھے۔

کہیں پولیس نے انہیں نہ روک لیا ہو۔'' میں نے خدشے کا اظہار کیا۔

''وہ تجربہ کار لوگ ہیں۔'' حریری نے جواب دیا۔ ''پولیس سے نمٹنا اچھی طرح جانتے ہیں۔ ان کے لئے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔''

حریری نے ٹھیک ہی کہا تھا۔ پانچ منٹ بعد وہ لوگ بھی پہنچ گئے۔ اس وقت پہلی مرتبہ انکشاف ہوا کہ اس کوٹھی کے نیچے تہہ خانہ بھی تھا۔ قیدی کو فوراً ہی تہہ خانے میں پہنچا دیا گیا تھا۔ میں آپ کو یہ بتاتا چلوں کہ ہمارا یہ قیدی محمد بخش تھا جس کا فون نمبر دستگیر والے مکان کے ٹیلی فون کی پشت پر لکھا ہوا ملا تھا۔

تابندہ تہہ خانے میں نہیں آئی تھی۔ میں اور حریری، خورشید اور کمال کے ساتھ تہہ خانے میں

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

موجود تھے۔ محمد بخش گرد آلود فرش پر پڑا تھا۔ اس کے ہاتھ اب بھی پشت پر بندھے ہوئے تھے۔

"ہاں تو محمد بخش۔" حریری اس کے سامنے کھڑی ہوگئی۔ "تم نے مجھے دیکھتے ہی پہچان تو لیا تھا لیکن خاموش رہے جیسے میں بھی تمہیں پہچان جانے کے باوجود خاموش رہی تھی۔ لیکن اب....."

"میں تمہیں نہیں جانتا۔ اس سے پہلے میں نے تمہیں کبھی نہیں دیکھا۔" محمد بخش نے جواب دیا۔

حریری نے اس کے سینے پر زوردار لات رسید کردی۔ وہ چیختا ہوا پشت کے بل لڑھک گیا۔

"میں جو چہرہ ایک بار دیکھ لیتی ہوں اسے کبھی نہیں بھولتی۔" حریری نے کہا۔ "تم ان مزدوروں میں سے ایک ہو جنہیں شہر سوختہ میں کھدائی کے لئے ملازم رکھا گیا تھا۔ تمہارا نام محمد بخش نہیں، پرویز ہے۔ میں نے تمہیں کیمپ میں صرف ایک مرتبہ....."

"تم غلط سمجھ رہی ہو۔" محمد بخش یا پرویز نامی اس شخص نے حریری کی بات کاٹ دی۔ "میرا نام....."

"تمہارا نام کچھ بھی ہو مجھے اس سے کوئی غرض نہیں۔" حریری نے اس کی بات کاٹ دی۔ "لیکن تم وہی ہو جو اپنے دوست کے ساتھ ہمارے کیمپ سے ممی لے کر فرار ہوئے تھے۔ تم لوگوں کی وجہ سے نہ صرف مجھے پولیس کو بھی ایک بڑی رقم دینی پڑی بلکہ اور بھی بہت سا نقصان اٹھانا پڑا۔ میں اس وقت سے تم لوگوں کی تلاش میں ہوں۔ تمہارا دوست شاید کوئٹہ میں مارا گیا تھا لیکن تم ممی والا تابوت لے کر غائب ہوگئے۔ میں نے تمہاری تلاش میں اپنا بہت کچھ گنوایا ہے۔ لیکن اگر تم وہ ممی میرے حوالے کردو تو میں سب کچھ بھول جانے کو تیار ہوں اور تمہیں ایک نہایت معقول رقم بھی دی جائے گی جس سے تم اپنی باقی زندگی اطمینان وسکون سے گزار سکو گے۔ دوسری صورت میں، میں تمہارے جسم کے ٹکڑے کردوں گی اور تمہیں اس وقت تک مرنے بھی نہیں دوں گی جب تک ممی کے بارے میں نہیں بتاؤ گے۔"

"میں کسی ممی کے بارے میں نہیں جانتا۔ تمہیں یقیناً کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔" پرویز نے جواب دیا۔

"میں تو چاہتی تھی کہ یہ معاملہ خوش اسلوبی سے طے ہو جائے۔ لیکن تم ایسا نہیں چاہتے۔" حریری نے کہتے ہوئے خورشید اور کمال کو اشارہ کیا۔

کمال نے آگے بڑھ کر پرویز کے ہاتھ کھول دیئے اور اسے پتلون کے بیلٹ سے پکڑ کر اوپر اٹھادیا۔ چند لمحے اس کے چہرے کو دیکھتا رہا پھر اچانک ہی اس کے پیٹ میں گھونسا رسید کردیا۔

پرویز کراہ کر دوہرا ہوگیا۔ کمال نے پوری قوت سے اپنا گھٹنا اوپر اٹھادیا زوردار ضرب پرویز کی ٹھوڑی پر لگی۔ وہ چیختا ہوا سیدھا ہوگیا اور پھر کمال نے اسے گھونسوں اور ٹھوکروں پر رکھ لیا۔ خورشید بھی اس کارخیر میں شامل ہوگیا۔ میں خاموش کھڑا تماشا دیکھتا رہا اور جب مڑ کر دیکھا تو حریری تہہ خانے میں نہیں تھی۔

پرویز ان دونوں کے درمیان فٹ بال بنا رہا۔ چند منٹ بعد حریری تہہ خانے میں داخل ہوئی۔ اس کے ہاتھ میں گوشت کاٹنے والا چاپر تھا جس کی دھار خاصی تیز تھی۔

"اس نے زبان کھولی یا نہیں؟" اس نے قریب آکر پوچھا۔ اس کے چہرے کے تاثرات سے

بھی مجھے اس کے ارادے نیک نہیں لگ رہے تھے۔

"ابھی تو کچھ نہیں بکا میڈم۔ لیکن آپ پریشان مت ہوں۔ یہ پانچ منٹ میں زبان کھول دے گا۔" خورشید نے کہا۔

"تم لوگ رات بھر اس پر تشدد کرتے رہو گے تو بھی یہ کچھ نہیں بتائے گا۔" حریری نے کہا۔ "اس کا ہاتھ پکڑ کر زمین پر رکھو۔ میں ایک منٹ میں اس کی زبان کھلواتی ہوں۔"

کمال نے پرویز کو زمین پر گرا کر جکڑ لیا جبکہ خورشید نے اس کا ایک ہاتھ فرش پر رکھ کر بڑی سختی سے گرفت میں لے لیا۔

حریری قریب آ گئی۔ اس نے چاپر اوپر اٹھایا۔ پرویز کی آنکھوں میں خوف ابھر آیا تھا۔ میں نے حریری کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر بے پناہ سفاکی تھی۔ اس کا چاپر والا ہاتھ بڑی تیزی سے نیچے آیا۔ میں نے آنکھیں بند کرلیں۔

پرویز کی بھیانک چیخ تہہ خانے میں گونج اٹھی اور جب میں نے آنکھیں کھولیں تو اس کے ہاتھ کی دو انگلیاں کٹ چکی تھیں۔ وہ دوسرے ہاتھ سے اپنے مجروح ہاتھ کو پکڑے گرد آلود فرش پر لوٹ رہا تھا۔ کٹی ہوئی انگلیوں سے خون کی دھاریں بہہ رہی تھیں۔ میری نظریں غیر ارادی طور پر حریری کی طرف اٹھ گئیں۔ مجھے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آرہا تھا۔ اس کے چہرے پر درندوں جیسی سفاکی تھی اور آنکھوں سے چنگاریاں سی پھوٹتی ہوئی محسوس ہورہی تھیں۔ میرے دماغ میں دھماکے سے ہورہے تھے۔ کتنی معصوم تھی وہ لیکن ایک دم درندہ بن گئی تھی۔ میرے لئے یہ سب کچھ ناقابل یقین سا لگ رہا تھا۔ لیکن حقیقت میرے سامنے تھی جسے جھٹلانا ممکن نہیں تھا اور پھر یہ بات بھی تھی کہ حریری خود بھی ویسی صورت حال کا شکار رہی تھی۔ پہلے ایک مورتی کے لئے اس کے باپ کو قتل کیا تھا۔ وہ اپنی ماں کے ساتھ جان بچانے کے لئے بھاگتی رہی تھی۔ پھر اس کی ماں کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیا گیا اور اس کی عزت کو بھی ہوس کی سولی پر چڑھا دیا گیا۔ وہ قدم قدم پر دھوکے اور فریب کا شکار ہوتی رہی۔ اس کے پیچھے ہوس زر تھی اور کچھ نہیں۔ یہ شخص اس کے کیمپ سے ایک بہت قیمتی ممی چرا کر لے آیا تھا اور وہ عرصے سے اس کی تلاش میں تھی۔ اب جبکہ وہ مل گیا تھا تو وہ اسے کس طرح معاف کرسکتی تھی۔ اسے دولت کے لئے لوٹا گیا تھا۔ قدم قدم پر دھوکے دیئے گئے تھے۔ اس کے ماں باپ کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا تھا اور وہ خود دوسروں کے ساتھ رحم کا برتاؤ کیسے کرسکتی تھی۔ اس نے تو ابھی صرف دو انگلیاں کاٹی تھیں لیکن اس کے چہرے کو دیکھ کر اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ مورتی کے بارے میں معلوم کرنے کے لئے وہ پرویز کا قیمہ بھی بنا سکتی تھی۔

"اس کا ہاتھ دوبارہ فرش پر رکھو۔" حریری غرائی۔

"اب میں اس کے ساتھ کوئی رعایت نہیں کروں گی۔ اس کا پورا ہاتھ کلائی سے کاٹ دوں گی۔ پھر دوسرے ہاتھ کی باری آئے گی۔"

خورشید اور کمال نے پھر پرویز کو گرفت میں لے لیا۔ خورشید نے اس کا ہاتھ پکڑ کر فرش پر رکھ دیا۔ حریری نے چاپر والا ہاتھ اوپر اٹھایا تو پرویز چیخ اٹھا۔

"بب..... بتاتا ہوں۔ رک جاؤ۔"

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

حریری نے ہاتھ نیچے کرلیا۔ ”بتاؤ جلدی بولو۔“ وہ غرائی۔

”مم..... ممی کا تابوت اس مکان میں پلنگ کے نیچے زمین میں دفن ہے۔“ پرویز نے جواب دیا۔ ”زمین کچی ہے۔ تابوت بھی زیادہ گہرائی میں نہیں ہے۔“

حریری ایک جھٹکے سے سیدھی ہوگئی۔

”کمال۔ تم یہیں رکو گے۔ میں تابندہ کو بھیجتی ہوں۔ وہ اس کے زخموں کی ڈریسنگ کردے گی۔ اگر یہ کوئی گڑبڑ کرنے کی کوشش کرے تو گولی مار دینا۔ اور تم دونوں میرے ساتھ آؤ۔“ اس نے مجھے اور خورشید کو اشارہ کیا۔

ہم تینوں اوپر آ گئے۔ حریری نے چار پر کچن میں پھینک دیا اور تابندہ کو کچھ ہدایات دیتی ہوئی باہر نکل گئی۔ میں اور خورشید بھی اس کے پیچھے ہی تھے۔ تابندہ بھی گیٹ بند کرنے کے لئے ہمارے ساتھ آئی تھی۔

ویگن کی ڈرائیونگ سیٹ خود حریری نے سنبھال لی۔ میں اور خورشید پچھلی سیٹ پر اکٹھے ہی بیٹھ گئے۔

گلیوں سے نکل کر مین روڈ پر آتے ہی حریری نے وین کو طوفانی رفتار سے دوڑا دیا۔

اس وقت تین بج رہے تھے۔ سڑکیں سنسان تھیں۔ حریری وین کی رفتار بڑھاتی چلی گئی۔

گرومندر کے قریب پولیس نے رکنے کا اشارہ کیا تو حریری نے رفتار کم کرلی۔

”ناجی۔“ وہ پیچھے مڑ کر دیکھے بغیر بولی۔ ”خورشید کو دل کا دورہ پڑا ہے۔ ہم اسپتال جارہے ہیں۔ میری بات سمجھ گئے؟“

”بالکل سمجھ گئے۔“ میں نے جواب دیا اور اپنی سیٹ سے اٹھ کر خورشید والی سیٹ پر آ گیا۔ خورشید سیٹ پر لیٹ گیا۔ میں نے اس کا سر اپنی گود میں رکھ لیا۔

وین رک گئی۔ تین چار پولیس والے رائفلیں سنبھالے الرٹ کھڑے تھے۔ ایک اے ایس آئی ڈرائیونگ سائیڈ پر آ گیا۔

”آپ لوگ کون ہیں اور اس وقت.....؟“

”آفیسر۔“ حریری نے اس کی بات کاٹ دی۔ ”میرے بھائی پر دل کا دورہ پڑا ہے۔ اس کی حالت بہت نازک ہے۔ تاخیر اس کے لئے جان لیوا ثابت ہوگی۔ بہتر ہوگا کہ اپنا ایک آدمی گاڑی میں بٹھا دو۔ وہ راستے میں ہم سے سوال جواب کرتا رہے گا۔“

نوجوان اے ایس آئی نے پچھلے دروازہ کھول کر اندر جھانکا۔ حریری نے اندر کی بتی جلادی۔ خورشید کی حالت ایسی تھی جیسے واقعی اس پر دل کا دورہ پڑا ہو۔

”پلیز! جایئے آپ لوگ۔“ آفیسر نے دروازہ بند کردیا۔

حریری نے اس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے وین کو زوردار جھٹکے سے آگے بڑھا دیا۔ تقریباً پچاس گز آگے نکلتے ہی خورشید اٹھ کر بیٹھ گیا۔

”تمہیں تو کسی تھیٹر میں ہونا چاہئے۔“ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”چند منٹ پہلے تمہیں دیکھ

کر لگتا تھا کہ جیسے واقعی دل کا بہت شدید دورہ پڑا ہو۔“

”یہ دنیا ایک بہت بڑا اسٹیج ہے میرے دوست۔“ خورشید نے بھی مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ ”یہاں اداکاری کرنی ہی پڑتی ہے۔ ویسے اس وقت تو میڈم حریری کی ذہانت کی داد دینی پڑے گی جس کی وقت سوچ نے ہمیں بچالیا۔“

”ہاں..... اس کی ذہانت کا تو میں شروع ہی سے قائل ہوں۔“ میں نے جواب دیا۔

حریری ہماری گفتگو سے بے نیاز تیز رفتاری سے وین دوڑاتی رہی۔ اس کے بعد راستے میں کوئی قابل غیر معمولی بات نہیں ہوئی۔

لی مارکیٹ والے چوک کی رونق اجڑ چکی تھی۔ ایک آدھ ریسٹورنٹ ہی کھلا تھا۔ گاہک بھی اکا دکا تھے۔ حریری نے وین بابا ہوٹل کے ساتھ والی گلی میں موڑ لی اور دو تین گلیاں گھوم کر اس جگہ روک لی جہاں پہلے کمال ہمارا منتظر تھا۔

ہم وین اسی جگہ چھوڑ کر تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے پھاٹک والی گلی میں داخل ہوگئے اور جب تنگ گلیوں میں گھومتے ہوئے پرویز والے مکان کے سامنے پہنچے تو ٹھٹک کر رہ گئے۔ میں نے یہاں سے جاتے ہوئے باہر سے کنڈا لگایا تھا لیکن اب باہر سے تو کنڈا کھلا ہوا تھا تاہم اندر سے دروازہ بند تھا۔

میں نے سرگوشیوں میں ان دونوں کو صورتحال سے آگاہ کیا اور خورشید کے کندھے پر چڑھ کر دیوار پر چڑھ گیا اور بڑی آہستگی سے اندر کود کر دروازہ کھول دیا۔ حریری اور خورشید بھی اندر آ گئے۔ خورشید کے ہاتھ میں پستول تھا اور حریری نے بھی اپنے لباس میں چھپا ہوا پستول نکال لیا تھا۔

ہم ایک دوسرے سے ہٹ کر دبے قدموں آگے بڑھنے لگے۔ پہلے میں اس راہداری نما راستے میں داخل ہوا لیکن دو تین قدم اٹھانے کے بعد رک گیا۔ ایسی آواز سنائی دی تھی جیسے کوئی وزنی چیز گھسیٹی جارہی ہو۔

میں دو قدم اور آگے بڑھا لیکن اسی وقت سامنے سے ایک آواز سنائی دی۔

”اے کون ہے؟“

اس کے ساتھ ہی ایک شعلہ میری طرف لپکا اور وہ مکان فائر کی آواز سے گونج اٹھا۔ میں نے یہ آواز سنتے ہی ایک طرف چھلانگ لگادی تھی۔ نیچے گرتے ہوئے میں نے بھی گولی چلادی۔ وہ آدمی گالی دیتا میری طرف دوڑا تھا۔ میری چلائی ہوئی گولی کے ساتھ اس شخص کی چیخ بھی گونج اٹھی۔

اور پھر مکان میں ہلچل سی مچ گئی۔ حریری اور خورشید بھی دوڑتے ہوئے آ گئے۔ یہ کھنڈر نما مکان میدان جنگ بن گیا۔ خورشید دوڑتا ہوا اس دروازے کے سامنے سے گزر کر دوسری طرف چلا گیا تھا۔ دروازے سے آگے ایک کھڑکی تھی۔ اس نے کھڑکی کا شیشہ توڑ کر اندر پے در پے فائرنگ شروع کردی۔ کمرے سے ایک اور چیخ سنائی دی اور چند سیکنڈ بعد ایک اور چیختی ہوئی آواز سنائی دی۔

”فائرنگ بند کردو، میں باہر آرہا ہوں۔“

”ٹھیک ہے۔ باہر آجاؤ۔“ خورشید نے بھی چیخ کر جواب دیا۔ ”لیکن یہ خیال رکھنا کہ تم ہمارے نرغے میں ہو۔ کوئی غلط حرکت کی تو چھلنی کردیئے جاؤ گے۔“

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

ایک آدمی کمرے سے باہر نکلا۔ اس نے دونوں ہاتھ گردن پر رکھے ہوئے تھے۔ اسے دیکھ کر میں چونکے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ وہ سدرشن تھا۔ ہندوؤں کی فطرت کے بارے میں، میں نے جن خیالات کا اظہار پہلے کیا تھا وہ ایک بار پھر بالکل درست ثابت ہوئے تھے۔ مجھے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ سدرشن نے پرل کانٹی نینٹل ہوٹل ہی سے ہمارا تعاقب کر کے محمد بخش عرف پرویز کے اس ٹھکانے کا سراغ لگالیا تھا۔ ہم تو پرویز کو لے کر یہاں سے چلے گئے تھے لیکن اسے شاید شبہ ہوگا کہ ممی والا تابوت اسی مکان میں کسی جگہ پوشیدہ ہوگا۔

کمرے کے اندر دو لاشیں ہماری منتظر تھی۔ یہ دونوں خورشید کی گولیوں کا نشانہ بنے تھے۔ تیمرا میری گولی کا شکار ہوا تھا جس کی لاش راہداری میں پڑی تھی۔

کمرے میں پلنگ ایک دیوار کے ساتھ ایستادہ تھا اور پلنگ کے نیچے کا فرش کھدا ہوا تھا۔ آبنوسی رنگ کی لکڑی کا ایک تابوت آدھا اس گڑھے کے اندر تھا اور آدھا باہر۔ تابوت مٹی سے اٹا ہوا تھا۔

اس مکان میں فائرنگ کا تبادلہ ہوا تھا۔ یہ رات کا آخری پہر تھا اور یہ وہ وقت ہوتا ہے جب لوگ بڑی گہری نیند میں ہوتے ہیں لیکن فائرنگ کی آواز تو بعض اوقات مردوں کو بھی جگا دیتی ہے۔ آس پاس کے مکانوں میں کچھ لوگ فائرنگ کی آواز سن کر جاگ گئے ہوں گے۔ ہوسکتا ہے کوئی صورتحال معلوم کرنے کے لئے مکان سے باہر بھی آجائے اس لئے ہمارا جلد سے جلد یہاں سے نکل جانا بہت ضروری تھا۔

میں نے حریری کو اشارہ کیا۔ اس نے سدرشن پر پستول تان لیا۔ وہ میرا مطلب سمجھ گئی تھی۔ اور پھر دوسرے ہی لمحے سدرشن جھک کر ہمارے ساتھ تابوت کو گڑھے سے باہر کھینچنے لگا۔

تابوت بہت وزنی تھا ہم تینوں اسے کندھوں پر اٹھا کر مکان سے باہر آگئے۔ حریری ہمارے آگے آگے چل رہی تھی۔

رات اپنے آخری پہر سے گزر چکی تھی۔ تاریکی دم توڑ رہی تھی۔ تھوڑی ہی دیر بعد فجر کی اذان ہونے والی تھی۔ نماز پڑھنے والے عام طور پر منہ اندھیرے ہی اٹھ جایا کرتے ہیں۔ اندیشہ تھا کہ کسی گلی میں کسی ایسے آدمی سے سامنا نہ ہو جائے لیکن خیریت گزری۔ ہم پھاٹک والی گلی سے نکل کر تیز تیز چلتے ہوئے اپنی وین کے قریب آگئے۔

تابوت زمین پر رکھ دیا گیا اور خورشید وین کا پچھلا دروازہ کھول کر آمنے سامنے کی سیٹوں کو فولڈ کرنے لگا۔ تابوت خاصا وزنی تھا میرا کندھا بری طرح دکھ گیا تھا۔ میں نے آج تک کسی جنازے کو کندھا نہیں دیا تھا اور یہ شہزادی خوش قسمت تھی کہ میں نے اس کے جنازے کو نہ سہی، تابوت کو تو کندھے پر اٹھایا تھا۔

سیٹیں فولڈ کر دینے سے وین میں اچھی خاصی جگہ بن گئی تھی۔ ہم تینوں نے تابوت کو اٹھا کر وین کے اندر رکھ دیا۔

''تم جیت گئیں حریری۔'' سدرشن ہاتھ جھاڑتے ہوئے اس طرح بولا جیسے رخصت ہونے کی اجازت طلب کر رہا ہو۔

''گاڑی میں بیٹھو۔'' حریری نے اسے پستول سے اشارہ کیا۔ ''ابھی تو تمہارا حساب کرنا ہے۔''

''میرا خیال ہے اب کوئی حساب نہیں رہ گیا۔'' سدرشن بولا۔ ''میں نے اپنی شکست تسلیم کر لی ہے۔ اس شہزادی کو تم نے دریافت کیا تھا۔ چوری ہونے کے بعد یہ دوبارہ تمہارے پاس پہنچ چکی ہے۔ اس پر اب صرف اور صرف تمہارا حق ہے تم اس کا سودا کرنے میں آزاد ہو۔''

''لیکن میں نے فیصلہ کیا ہے کہ تمہیں بھی کچھ حصہ دیا جائے۔ گاڑی میں بیٹھو۔ ہم اندر بیٹھ کر اطمینان سے بات کریں گے۔'' حریری نے کہا اور مجھے اور خورشید کو بھی گاڑی میں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

خورشید نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔ حریری پسنجرز سیٹ پر بیٹھ گئی۔ میں اور سدرشن تابوت کے قریب ٹک گئے۔ وین اسٹارٹ ہو کر حرکت میں آگئی اور چند منٹ بعد ہی گلیوں سے نکل کر مین روڈ پر دوڑنے لگی۔

دن کا بہت مدھم سا اجالا پھیلنے لگا تھا۔ سڑک پر اکا دکا گاڑیاں بھی نظر آنے لگی تھیں۔ حریری اپنی سیٹ پر پیچھے کی طرف مڑ کر بیٹھ گئی۔

''تمہارے خیال میں تمہیں کتنا حصہ ملنا چاہئے سدرشن؟'' وہ سدرشن کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

''تم مذاق کر رہی ہو۔'' سدرشن بولا۔ ''بہتر ہوگا کہ مجھے یہاں اتار دو۔ میں سمجھتا ہوں کہ آئندہ بھی ہمارے درمیان خوشگوار تعلقات قائم رہنے چاہئیں۔''

''ضرور۔'' حریری نے کہتے ہوئے پستول کا رخ اس کی کھوپڑی کی طرف کر دیا۔ ''تم ٹھیک کہتے ہو۔ لیکن میرا خیال تم سے مختلف ہے۔ میں ایسے شخص کو زندہ ہی نہیں رکھنا چاہتی جس سے مجھے کوئی خطرہ ہو۔''

سدرشن کا چہرہ دھواں ہوگیا۔ اس نے کچھ کہنے کے لئے منہ کھولا لیکن حریری کے پستول سے نکلی ہوئی گولی نے اسے ہمیشہ کے لئے خاموش کر دیا۔ گولی سدرشن کی پیشانی میں لگی تھی اور وہ منہ سے آواز نکالے بغیر ڈھیر ہوگیا۔ اس کی پیشانی سے نکلنے والا خون تابوت کو بھی تر کرنے لگا۔

''خورشید! اس موڑ پر گاڑی روکو اور ناجی تم اس حرامی کی لاش کو نیچے پھینک دو۔'' حریری نے بیک وقت ہم دونوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ اس کا لہجہ حیرت انگیز طور پر پرسکون تھا۔

موڑ پر پہنچتے پہنچتے خورشید نے وین کی رفتار کم کر دی۔ اس دوران میں سدرشن کی لاش گھسیٹ کر دروازے کے قریب لا چکا تھا۔ وین جیسے ہی موڑ پر پہنچی میں نے دروازہ کھول کر لاش کو نیچے دھکیل دیا۔ خورشید نے وین کی رفتار ایک دم بڑھا دی۔

سدرشن کی موت پر مجھے نہ تو حیرت ہوئی تھی، نہ ہی افسوس۔ پی سی میں اس سے پہلی ہی ملاقات میں، میں نے اس سے کوئی اچھا تاثر نہیں لیا تھا۔ میری توقع کے عین مطابق اس نے حریری کو لفٹ کرانے کی کوشش کی تھی۔ اگر ہمیں دوبارہ پرویز کے مکان پر پہنچنے میں آدھے گھنٹے کی بھی تاخیر ہو جاتی تو وہ ممی کو لے جاچکا ہوتا یا مقابلے میں ہم اس کے قابو آجاتے تو وہ بھی ہمارا یہی حشر کرتا۔ بازی جب بہت اونچی ہو تو حریف کی زندگی کوئی معنی نہیں رکھتی۔ انسانی زندگی تو ایسے کسی کھیل میں ویسے بھی کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔

دن کا اجالا پھیل رہا تھا۔ سڑکوں پر آمدورفت شروع ہو چکی تھی۔ اس وقت ہماری وین نشتر روڈ پر

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

لسبیلہ چوک کے قریب پہنچ چکی تھی۔

''کس طرف جانا ہے میڈم؟'' خورشید نے حریری کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''چار نمبر۔'' حریری نے مختصر سا جواب دیا۔

اس چار نمبر کی وضاحت کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ خورشید نے لسبیلہ چوک سے وین کا رخ بائیں طرف موڑ دیا۔ وین تیز رفتاری سے گولیمار، ناظم آباد چورنگی سے سیدھی نکل گئی۔ غالب لائبریری والے چوک سے آگے ایک سڑک عباسی شہید اسپتال کی طرف مڑ گئی تھی جبکہ ایک اور سڑک دائیں طرف ناظم آباد نمبر چار کی طرف مڑ جاتی تھی۔ خورشید نے وین اس طرف موڑ لی۔

ناظم آباد نمبر چار رہائشی علاقہ تھا۔ دوسو چالیس اور چار سو گز کے بنگلے تھے۔ مختلف گلیوں میں گھومتے ہوئے خورشید نے وین ایک بنگلے کے سامنے روک لی۔ انجن چلتا چھوڑ کر نیچے اترا اور جیب سے چابیوں کا گچھا نکال کر بنگلے کا گیٹ کھولنے لگا۔ اس دوران حریری اپنی جگہ سے ہٹ کر ڈرائیونگ سیٹ پر آچکی تھی۔ گیٹ کھلتے ہی اس نے وین آگے بڑھادی۔

خورشید نے برآمدے والا دروازہ بھی کھول دیا اور پھر ہم تینوں بڑی مشکل سے اس تابوت کو وین سے اتار کر اندر لے آئے۔ کچھ دیر دم لینے کے بعد خورشید نے ایک کمرے میں تہہ خانے کا راستہ کھول دیا اور ہم تینوں نے مل کر تابوت کو اس تہہ خانے میں پہنچا دیا۔

خورشید نے ایک کپڑا لے کر تابوت صاف کر دیا۔ آبنوسی رنگت کی بہت مضبوط لکڑی کا اور بہت خوبصورت تابوت تھا۔ اس پر وہ نقش و نگار بنے ہوئے تھے جو میں ویڈیو فلم میں دیکھ چکا تھا۔ تابوت کے ڈھکنے پر شیشہ لگا ہوا تھا جس سے تابوت میں شہزادی کی ممی نظر آرہی تھی۔ میں اس ممی کو دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ وہ شہزادی ڈھائی ہزار سال پہلے اپنی زندگی میں یقیناً بہت حسین رہی ہوگی۔

میں حریری کے قریب کھڑا تھا اور خورشید تابوت کے دوسری طرف ایستادہ تھا۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔

''مبارک ہو میڈم۔'' اس نے حریری کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ اس کے ساتھ ہی اس کا ہاتھ پتلون کی جیب میں رینگ گیا تھا۔ میرے خیال میں اس سے یہ حرکت غیر ارادی طور پر سرزد ہوگئی تھی۔

لیکن حریری مجھ سے زیادہ ذہین ثابت ہوئی۔ اس نے خورشید کو ہاتھ جیب سے نکالتے ہوئے دیکھ لیا۔ میری نظریں اچانک ہی اس طرف اٹھ گئیں اور اس سے پہلے کہ میں کچھ سوچ سکتا، حریری نے بڑی پھرتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے پستول نکال کر فائر کر دیا۔

گولی خورشید کے سینے پر ٹھیک دل کے مقام پر لگی۔ وہ چیخ کر گرا، وہ اپنی جیب سے پستول نکال چکا تھا لیکن گولی کھا کر گرا تو پستول اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔

میں پھٹی پھٹی سی نظروں سے کبھی خورشید کی لاش اور کبھی حریری کو دیکھ رہا تھا۔ حریری اب بھی پرسکون تھی۔ میری طرف دیکھتے ہوئے اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آگئی۔

''اگر میں اسے نہ مارتی تو ہمیں مار دیتا۔'' وہ بولی۔

''یہ بہت گندا کھیل ہے۔ اپنے آپ کو زندہ رکھنے کے لئے چاق و چوبند رہنا پڑتا ہے۔ معمولی سی

غفلت زندگی کو موت کے کنویں میں دھکیل دیتی ہے۔ آج ہی رات میں کئی مثالیں تمہارے سامنے آچکی ہیں۔ سدرشن کا داؤ چل جاتا تو وہ ہمارا وجود ختم کر دیتا اور خورشید کو چند لمحوں کی مہلت مل جاتی تو وہ ہماری لاشیں یہاں گرا دیتا۔''

''لیکن تم دونوں تو پرانے ساتھی تھے؟'' میں نے کہا۔

''ساتھ نیا ہو یا پرانا لیکن جب ایسی کوئی دیوار بیچ میں آجائے تو سارے رشتے ختم ہو جاتے ہیں۔'' حریری نے تابوت کی طرف اشارہ کیا۔

''یہ تابوت تو بہت قیمتی ہے۔ کئی ملین ڈالرز..... یہاں تو چند روپوں کے لئے گلا کاٹ دیا جاتا ہے۔ بہرحال، چلو اب چلیں۔ میں بہت تھک چکی ہوں۔ بستر پر لیٹنے سے پہلے مجھے ایک اور کام بھی کرنا ہے۔''

''اور یہ لاش؟'' میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

''یہیں پڑی رہے گی۔ کسی کو پتا بھی نہیں چلے گا۔'' حریری نے جواب دیا۔

ہم تہہ خانے سے باہر آگئے۔ حریری نے تہہ خانے کا راستہ بند کر دیا۔ برآمدے والے دروازے کو تالا لگا کر چابیوں کا گچھا جیب میں ڈال لیا اور وین کی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گئی۔ میں نے آگے بڑھ کر باہر والا گیٹ کھول دیا۔ گاڑی باہر نکلنے کے بعد میں نے گیٹ بند کر دیا۔ آٹومیٹک لاک خود بخود بند ہو گیا تھا۔

اس وقت سورج طلوع ہو چکا تھا، نرم دھوپ پھیل رہی تھی۔ گلیوں میں لوگوں کی آمد و رفت شروع ہو چکی تھی۔ میرا خیال تھا کہ حریری واپسی کے لئے بھی وہی راستہ اختیار کرے گی جس طرف سے ہم آئے تھے لیکن اس نے وین دوسری طرف موڑ دی تھی۔

لوکل ریلوے لائن کے ساتھ کچی آبادی کے بیچ سے گزرتے ہوئے ہم ضیاء الدین اسپتال کی طرف نکل گئے۔ وہاں سے کریم آباد کی طرف اور کریم آباد کے چوک سے وین عائشہ منزل کی طرف مڑ گئی۔

حریری کو گاڑی چلاتے دیکھ کر اندازہ ہوتا تھا کہ وہ شہر کی سڑکوں سے خوب اچھی طرح واقف ہے۔ میں نے اس بنگلے کے بارے میں دریافت کیا تو اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آگئی۔

''یہ بنگلہ میں نے تابندہ کے توسط سے ایک سال پہلے اس وقت کرائے پر لیا تھا جب میں خود بندرعباس میں تھی۔'' اس نے جواب دیا۔ ''خورشید اور کمال یہاں رہ رہے تھے۔ کراچی آنے کے بعد میں رنگا سے چوری کئی مرتبہ یہاں آچکی ہوں۔''

''ٹیڈی کو بھی معلوم ہوگا؟'' میں نے دریافت کیا۔

''نہیں۔'' حریری نے نفی میں سر ہلا دیا۔ ''میرے ایک دو ٹھکانے ایسے ہیں جن کے بارے میں تابندہ کے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا بلکہ ایک ٹھکانہ تو ایسا ہے جو تابندہ کو بھی معلوم نہیں۔''

''کیا تمہیں تابندہ پر بھی اعتماد نہیں؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔

''بات اعتماد کی نہیں۔'' حریری نے جواب دیا۔ ''اس بزنس میں راز داری بہت اہمیت رکھتی ہے اور پھر میں اس اصول پر کاربند ہوں کہ انڈے کبھی بھی ایک ٹوکری میں نہ رکھے جائیں اور پھر یہ معاملہ تو تم

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

اندازہ لگا چکے ہو کہ کتنا اہم ہے۔"

میں جواب دینے کے بجائے سامنے سڑک پر دیکھتا رہا۔ وین عائشہ منزل کے چوراہے سے دستگیر کی طرف مڑ گئی تھی۔

کوٹھی کا گیٹ تابندہ ہی نے کھولا تھا۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ وہ رات بھر نہیں سوئی تھی۔ کمال، پرویز کے ساتھ اس وقت بھی تہہ خانے میں تھا۔ حریری رکے بغیر تہہ خانے میں آ گئی۔ میں بھی اس کے ساتھ ہی تھا۔

پرویز فرش پر پڑا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے تھے۔ زخمی ہاتھ خون آلود پٹی میں لپٹا ہوا تھا۔ اس کی آنکھیں بھی سرخ ہو رہی تھیں۔ وہ ہمیں دیکھتے ہی اٹھ گیا۔

"کیا رہا میڈم؟" اس نے سوالیہ نگاہوں سے حریری کی طرف دیکھا۔

"میری خوش قسمتی ہے کہ وہ گمشدہ شہزادی طویل عرصے بعد مجھے دوبارہ مل گئی۔" حریری نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "تم نے میرے ساتھ جو تعاون کیا ہے اس کے لئے میں بے حد شکر گزار ہوں۔ اب مجھے تمہاری خدمات کی مزید ضرورت نہیں رہی اس لئے یہاں سے ہمارے راستے الگ ہو جاتے ہیں۔ خورشید کو میں نے رخصت کر دیا ہے اور اب تمہیں بھی خدا حافظ کہنا چاہتی ہوں۔"

"میں سمجھا نہیں میڈم!" کمال کی آنکھوں میں الجھن سی تیر گئی۔

"میں سمجھاتی ہوں۔" حریری نے کہتے ہوئے اپنا سیدھا ہاتھ سامنے کر دیا۔

حریری کے ہاتھ میں پستول دیکھ کر کمال کی جو حالت ہوئی سو ہوئی، میرا دماغ بھی چکرا گیا۔ کمال کی آنکھوں میں وحشت سی ابھر آئی۔ دوسرے ہی لمحہ تہہ خانہ فائر کی آواز سے گونج اٹھا۔ گولی کمال کی آنکھوں کے عین وسط میں پیشانی میں پیوست ہوگئی اور وہ منہ سے آواز نکالے بغیر ڈھیر ہو گیا۔

دوسری گولی فرش پر پڑے ہوئے پرویز کی پیشانی پر لگی تھی۔ وہ بھی گرد آلود فرش پر لوٹنے لگا۔

میں پھٹی پھٹی سی نظروں سے حریری کی طرف دیکھ رہا تھا۔ مجھے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ کتنی پرسکون تھی وہ۔ اس نے میری طرف دیکھا تو اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آ گئی۔

"اب میں مطمئن ہوں۔" وہ بولی۔ "میری گمشدہ شہزادی مجھے واپس مل گئی ہے۔ مجھے بھی سکون مل گیا۔ آؤ اب اوپر چلیں۔ میں تھک گئی ہوں۔ آرام کرنا چاہتی ہوں۔ بہت عرصے بعد گہری نیند سوؤں گی۔"

میں سحر زدہ سے انداز میں اس کے ساتھ چلتا ہوا اوپر آ گیا۔ میں نے جو کچھ بھی دیکھا تھا اس پر مجھے یقین نہیں آ رہا تھا۔ آج رات میں نصف درجن افراد ہلاک ہوئے تھے اور ان میں سے چار تو ایسے تھے جنہیں حریری نے اپنے ہاتھوں سے گولی مار کر موت کے گھاٹ اتارا تھا۔ اور وہ کس قدر پرسکون تھی۔ اس طرح مطمئن نظر آ رہی تھی جیسے اس کے سر سے بہت بڑا بوجھ اتر گیا ہو۔ کتنی معصوم تھی وہ اور کتنی سنگدل اور بے رحم تھی۔ چار آدمیوں کو موت کے گھاٹ اتارنے کے بعد بھی اس کی معصومیت میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔

اوپر آ کر اس نے تابندہ کو ناشتہ تیار کرنے کو کہا اور اوپر اپنے کمرے میں چلی گئی۔ میں بھی اپنے کمرے میں آ گیا اور دروازہ بند کر کے کپڑے اتارے اور باتھ روم میں گھس کر شاور کھول دیا۔

میرا دماغ سلگ رہا تھا۔ اعصاب میں شدید تناؤ تھا۔ میں تقریباً آدھے گھنٹے تک ٹھنڈے پانی کے شاور کے نیچے کھڑا رہا۔

لباس تبدیل کر کے کمرے سے نکلا تو ٹھیک اسی وقت حریری بھی زینے سے اتر رہی تھی۔ اس نے شب خوابی کا ڈھیلا ڈھالا سا لباس پہن رکھا تھا۔ اس کا چہرہ بالکل پرسکون تھا۔ اسے دیکھ کر کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ پچھلے چند گھنٹوں کے دوران چار آدمیوں کو موت کے گھاٹ اتار چکی ہے۔

تابندہ کی ملازمہ کچن میں تھی۔ اسے پتا ہی نہیں چل سکا تھا کہ رات بھر میں اس کوٹھی میں کیا ہو چکا تھا۔ تابندہ کچن سے چیزیں اٹھا اٹھا کر میز پر رکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں کی سرخی کچھ اور بڑھ گئی تھی۔

ناشتہ کرتے ہوئے میں بار بار حریری کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔ اب وہ پہلے جیسی حریری لگ رہی تھی۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ اس مشن کے دوران اس کے سکون و اطمینان میں ایک لمحہ کو بھی فرق نہیں آیا تھا۔

ناشتے کے دوران ایسی کوئی بات نہیں ہوئی تھی جس سے یہ تاثر ملتا کہ وہ پریشان یا خوفزدہ ہے۔ اس کے برعکس وہ بڑے مطمئن لہجے میں تابندہ کو شہزادی کی ممی کے بارے میں بتا رہی تھی۔ تابندہ بھی ہوں ہاں میں جواب دیتی اور کبھی محض سر ہلا کر رہ جاتی۔

اس وقت میں نے تابندہ میں ایک خاص بات نوٹ کی تھی۔ پہلے وہ خوب چہکا کرتی تھی لیکن اب خاموش تھی۔ اس کی آنکھوں میں سوچ کی پرچھائیاں بھی صاف نظر آ رہی تھیں۔ ناشتہ کرنے کے بعد حریری فوراً ہی اٹھ گئی۔

"بھئی میں تو سونے جا رہی ہوں۔ مجھے شام تک کوئی نہ جگائے۔ بہت تھک گئی ہوں۔ آج کا دن خوب آرام کرنا چاہتی ہوں۔"

حریری اوپر اپنے کمرے میں چلی گئی۔ میں کچھ دیر ڈائننگ ٹیبل پر تابندہ کے پاس بیٹھا رہا اور پھر اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گیا۔ بستر پر لیٹتے ہی میری آنکھیں بند ہونے لگیں۔ لیکن اچانک ہی ایک خیال بجلی کے کوندے کی طرح میرے ذہن میں لپکا۔

کمال اور خورشید، حریری کے پرانے ساتھی تھے لیکن وہ ممی قبضے میں آتے ہی حریری نے انہیں بے دردی سے موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ حریری کے الفاظ میرے ذہن میں گونج رہے تھے۔ "یہ بہت گندا کھیل ہے۔ انسان کو چاق و چوبند رہنا پڑتا ہے۔ موقع ملتے ہی اپنے حریف کو ختم کر دو ورنہ وہ تمہیں مار ڈالے گا۔" لیکن کمال اور خورشید تو اس کے حریف نہیں تھے لیکن حریری نے انہیں بھی ختم کر دیا تھا اور اس کے اس فعل کے پیچھے وہ دولت تھی جو شہزادی کی ممی کی فروخت سے ملنے والی تھی۔

میں حریری کا حریف نہیں تھا۔ اس سے تعلقات بھی زیادہ پرانے نہیں تھے۔ ممی والے مشن کے سلسلے میں اس نے خود ہی مجھے پندرہ فیصد پر پارٹنرشپ کی پیشکش کی تھی۔ میرا کمیشن بھی کروڑوں ڈالر بنتا تھا۔ کیا حریری اپنے وعدے پر قائم رہے گی اور ممی کی فروخت سے رقم ملنے کے بعد مجھے بھی اپنے ساتھ ایران لے جائے گی یا کمال اور خورشید کی طرح مجھے بھی گولی کا نشانہ بنا دے گی؟

یہ بھیانک خیال آتے ہی میں نے اٹھ کر دروازہ اندر سے لاک کر دیا اور بستر پر گرتے ہی نیند

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

کی آغوش میں پہنچ گیا۔

بیدار ہوا تو شام ڈھل چکی تھی۔ میں کچھ دیر تک بیڈ پر ہی پڑا اینٹھتا رہا پھر اٹھ کر باتھ روم میں گھس گیا۔ ٹھنڈے پانی سے نہا کر کسلمندی بڑی حد تک دور ہوگئی لیکن دماغ میں ابھی تک ہلکی سی سنسناہٹ موجود تھی۔

میں کمرے سے باہر آیا تو تابندہ صوفے پر نیم دراز اخبار پڑھ رہی تھی۔ مجھے دیکھ کر وہ سیدھی ہوگئی۔ اس کے قریب ہی ملازمہ قالین پر پھسکڑا مارے بیٹھی سبزی کاٹ رہی تھی۔ تابندہ نے اسے چائے بنانے کے لئے کہا اور اخبار میری طرف بڑھا دیا۔

ملازمہ اپنا تام جھام سمیٹ کر کچن میں چلی گئی اور میں اخبار لے کر تابندہ کے سامنے دوسرے صوفے پر بیٹھ گیا۔

یہ اردو کا ایوننگ پیپر تھا جو سنسنی پھیلانے میں خاصی شہرت رکھتا تھا۔ معمولی سی خبر کو بھی اس طرح بڑھا چڑھا کر پیش کیا جاتا کہ پڑھنے والا کانپ کر رہ جاتا لیکن آج کی خبریں تو واقعی سنسنی خیز تھیں اور لگتا تھا کہ قتل و غارت کی ان خبروں کے علاوہ اس اخبار کو کوئی اور خبر ملی ہی نہیں تھی۔

ہیڈ لائن لی مارکیٹ میں محمد بخش عرف پرویز کے گھر میں ملنے والی تین لاشوں کے حوالے سے تھی۔ اس خبر میں کمرے میں کھدے ہوئے گڑھے کا بھی حوالہ تھا۔ اس کے ساتھ تین کالموں پر مشتمل تصویر اس مکان کے قریب گلی میں پائی جانے والی سدرشن کی لاش کے حوالے سے تھی۔ ایک اور تین کالمی سرخی سدرشن کے حوالے سے تھی جس کی لاش سڑک پر پڑی ہوئی پائی گئی تھی۔

پہلا اور آخری صفحہ انہی خبروں اور تصویروں سے بھرا ہوا تھا۔ رپورٹروں نے ان خبروں کے ذریعے سنسنی پیدا کرنے کے لئے اپنی تمام تر صلاحیتیں استعمال کی تھیں۔ کچھ ایسے لوگوں کے بیانات بھی شائع کئے تھے جو ان واقعات کے بارے میں کچھ نہیں جانتے تھے۔ ان بیانات کو پڑھ کر صاف لگتا تھا کہ یہ رپورٹروں کے اپنے ذہن کی اختراع تھی۔ کیونکہ میں اچھی طرح جانتا تھا کہ کسی شخص نے ہمیں آتے جاتے یا لاشیں گراتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔

ایک رپورٹر البتہ بڑی دور کی کوڑی لایا تھا۔ اس کے ذاتی تجزیے کے مطابق سدرشن، خورشید اور محمد بخش نوادرات کے ناجائز کاروبار سے وابستہ تھے اور ان کے نام پہلے ہی سے مشتبہ افراد کی لسٹ پر موجود تھے۔ اس رپورٹر نے اپنے تجزیے میں ڈھائی ہزار سال پرانی شہزادی کی اس ممی کا بھی حوالہ دیا تھا جس کا چرچہ تقریباً ایک سال پہلے سنا گیا تھا۔ محمد بخش کے مکان کے ایک کمرے میں اس گڑھے کو بنیاد بناتے ہوئے رپورٹر نے اس شبہے کا اظہار کیا تھا کہ ممی کا تابوت وہاں دفن تھا جسے نکال کر کہیں اور منتقل کر دیا گیا تھا۔ رپورٹر نے یہ شبہ بھی ظاہر کیا تھا کہ اس قتل و غارت کے پیچھے محمد بخش کا ہاتھ ہوسکتا ہے جو ممی والا تابوت لے کر غائب ہوگیا تھا۔

اس رپورٹر کا تجزیہ بڑی حد تک درست تھا۔ اس کی سوچ صحیح رخ پر تھی لیکن محمد بخش کے حوالے سے وہ ذرا بھٹک گیا تھا۔ لیکن ظاہر ہے اس کے سامنے جو صورت حال تھی وہ اس سے یہی نتیجہ اخذ کرسکتا تھا۔

ایک خبر میں جمیلہ نامی اس طوائف کا بھی تذکرہ تھا۔ اس خبر میں بعض لوگوں کے بیانات کے

حوالے سے بتایا گیا تھا کہ گزشتہ رات محمد بخش کو آخری بار جمیلہ نامی اس طوائف کے ساتھ دیکھا گیا تھا جسے وہ آدھی رات کے وقت نور ہوٹل سے اپنے ساتھ لے کر گیا تھا۔ پولیس کو جمیلہ کی بھی تلاش تھی لیکن اس کا کوئی سراغ نہیں مل رہا تھا۔

اخبار نے بڑی عجلت میں نوادرات کی اسمگلنگ کے حوالے سے ایک مختصر اداریہ بھی لکھ ڈالا تھا۔ اس اداریے کے مطابق قیمتی نوادرات طویل عرصہ سے پاکستان سے باہر اسمگل کئے جارہے تھے۔ پاکستان کا یہ ثقافتی ورثہ جس طرح لوٹا جارہا تھا اس کی دنیا میں مثال نہیں ملتی تھی۔ نوادرات کی اسمگلنگ میں متعلقہ محکموں کے بعض اعلیٰ حکام کو ملوث کرتے ہوئے اخبار نے مطالبہ کیا تھا کہ اعلیٰ سطح پر اس واقعے کی تحقیقات کرائی جائے اور شہزادی کی ڈھائی ہزار سال پرانی اس ممی کا سراغ لگایا جائے جو پاکستان کے ثقافتی ورثے میں نہ صرف اہم اضافہ ثابت ہوسکتی ہے بلکہ یہ ڈھائی ہزار سال قدیم تاریخ کا کھوج لگانے میں بھی مددگار ثابت ہوگی۔

ملازمہ چائے لے کر آ گئی۔ میں نے اخبار ایک طرف رکھ دیا اور تابندہ کی طرف دیکھنے لگا۔

''مجھے معلوم نہیں تھا کہ ایک لاش کے لئے اتنی قتل و غارت ہوسکتی ہے۔'' تابندہ نے اپنا کپ اٹھا کر میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''میں تو حریری کو دیکھ کر حیران ہو رہی ہوں۔ اس میں شبہ نہیں کہ ماضی میں اس کے ساتھ بڑی زیادتیاں ہوئی ہیں لیکن یہ نازک اندام اور معصوم سی لڑکی اس قدر سفاک اور بے رحم ثابت ہوگی۔ میں نے تو کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔''

تابندہ کی اس بات نے مجھے بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا۔ مجھے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ وہ حریری کی ان سرگرمیوں سے خوش نہیں تھی۔

''کیا تم پہلے سے یہ سب کچھ نہیں جانتی تھیں؟'' میں نے پوچھا۔

''میں اتنا جانتی تھی کہ وہ نوادرات کی اسمگلنگ میں ملوث ہے۔ لیکن یہ قتل و غارت! میں نے تو کبھی سوچا بھی تھا۔ انسان دولت کے لئے اس قدر خونخوار درندہ بن سکتا ہے مجھے تو تمہاری دوست نرگس کی موت پر ہی بہت دکھ ہوا تھا۔ میں تو تمہیں بھی سمجھانا چاہتی تھی کہ منشیات کے دھندے سے الگ ہو جاؤ۔ رنگا اور تحریکی والا ٹنٹا ختم ہو جانے پر میں بہت خوش ہوئی تھی کہ اب یہ قصہ ختم ہوگیا۔ میں تم سے اس سلسلے میں بات کرنا چاہتی تھی لیکن موقع نہیں مل رہا تھا اور اب یہ سب کچھ دیکھ کر میرے تو حواس مختل ہوئے جارہے ہیں۔ دولت کی ہوس نے اس معصوم اور بھولی بھالی لڑکی کو بھی درندہ بنا دیا ہے۔''

''میرا خیال ہے یہ سب کچھ دولت کے لئے نہیں ہے۔'' میں نے تابندہ کے چہرے پر نظریں جمائے ہوئے کہا۔ ''حریری کے باپ اور پھر اس کی ماں کو بھی ایک معمولی سی مورتی کے لئے موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ اور پھر خود حریری کے ساتھ بھی ایسے واقعات پیش آتے رہے۔ انتقام اس کے لاشعور میں بس گیا تھا اور اس نے جو کچھ بھی کیا.....''

''شاید تم ٹھیک کہتے ہو۔'' تابندہ نے میری بات کاٹ دی۔

''لیکن کیا تم.....'' وہ کہتے کہتے خاموش ہو کر میرے پیچھے زینے کی طرف دیکھنے لگی۔

میں نے بھی گھوم کر دیکھا اور مجھے سینے میں سانس رکتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ حریری زینے سے

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

اتر رہی تھی۔ اس نے سیاہ رنگ کی پینٹ پہن رکھی تھی جس کے پائنچے پنڈلیوں تک تھے اور پنڈلیوں سے چپکے ہوئے تھے۔ جسم کے بالائی حصے پر اس نے نہایت مختصر سا بلاؤز پہن رکھا تھا جس کے اوپر اوپن شرٹ تھی۔ شرٹ پر کوئی بٹن وغیرہ نہیں تھا۔ درمیان بھی سامنے سے کھلا ہوا تھا جس کے دونوں کناروں پر ایک انچ چوڑی اور چار چار انچ لمبی پٹیاں لگی ہوئی تھیں جنہیں بوٹائی کی طرح گرہ لگادی گئی تھی۔ شرٹ سامنے سے پوری طرح کھلی ہوئی تھی اور اس کے اندر قیامت کا جو منظر تھا وہ ہوش اڑا دینے کے لئے کافی تھا۔

وہ سیڑھیاں اتر کر خراماں خراماں چلتی ہوئی ہمارے قریب رک گئی۔ اس کے ہونٹوں پر بڑی دلفریب مسکراہٹ تھی۔ وہ بڑی بے تکلفی سے میرے ساتھ صوفے پر بیٹھ گئی۔

''آج میں بہت خوش ہوں۔'' وہ میرے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولی۔ ''اس خوشی میں تم دونوں کو میری طرف سے دعوت ہوگی۔ تم لوگ تیار ہو جاؤ۔ ہم لوگ نو بجے یہاں سے نکلیں گے۔''

''تہہ خانے میں پڑی ہوئی لاشوں کا کیا کرنا ہے؟'' میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''اگر انہوں نے بو چھوڑ دی تو.....''

''ان لاشوں کو بھی آج رات ٹھکانے لگادیا جائے گا۔'' حریری نے جواب دیا۔ اس کے لہجے سے اندازہ لگایا جاسکتا تھا جیسے اسے زیادہ پریشانی نہ ہو۔

تابندہ نے ملازمہ سے چائے کے لئے کہہ دیا۔ حریری نے میز پر پڑا ہوا اخبار اٹھالیا۔ وہ اردو بول تو بہت اچھی سکتی تھی لیکن پڑھ نہیں سکتی تھی۔ مگر تصویریں دیکھ کر اس کی آنکھوں میں عجیب سی چمک ابھر آئی تھی۔

یہ..... یہ کیا لکھا ہے۔ مجھے پڑھ کر سناؤ۔'' اس نے اخبار میرے سامنے کردیا۔

''میں پڑھ چکا ہوں۔ تمہیں زبانی بتا دیتا ہوں۔'' میں نے کہا اور اسے اخبار کی خبروں کے بارے میں بتانے لگا۔

''ہوں۔'' اس نے ہنکارا بھرا۔ ''ابھی انہیں محمد بخش پر شبہ ہے لیکن جب محمد بخش کی لاش ملے گی تو کہانی کا رخ بدل جائے گا۔''

''اب تو کئی کہانیاں جنم لیں گی۔'' میں نے کہا۔ ''ان خبروں میں شہزادی کی ممی کا ذکر بھی آیا ہے اور میرا خیال ہے اب پولیس بہت سرگرم ہو جائے گی اور.....''

''اس کی تم فکر مت کرو۔'' حریری نے میری بات کاٹ دی۔ ''اب تک ہم پولیس کو چکمہ دیتے آئے ہیں۔ اب بھی پولیس ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکے گی۔ مشکل وقت گزر چکا ہے۔ اب تو راوی ہماری قسمت میں عیش ہی عیش لکھتا ہے۔''

ملازمہ اس کے لئے چائے لے کر آ گئی اور اس کے ساتھ ہی ہماری گفتگو کا موضوع بھی بدل گیا۔

ہم لوگ نو بجے گھر سے نکلے تھے۔ آدھے گھنٹے میں شاہراہ فیصل پر واقع لال قلعہ ریسٹورنٹ پہنچ گئے۔ اس ریسٹورنٹ کی ڈشیں خاصی شہرت رکھتی تھیں۔ سروس بھی عمدہ تھی۔

گیارہ بجے ہم ریسٹورنٹ سے باہر نکلے۔ حریری تفریح کے موڈ میں تھی۔ وہ کار کو شہر کی مختلف

سڑکوں پر گھماتی رہی اور جب گھر پہنچے تو رات کا ایک بج چکا تھا۔

ملازمہ ہمارے انتظار میں جاگ رہی تھی۔ تابندہ نے اسے چھٹی دے کر سرونٹ کوارٹر میں بھیج دیا اور ہم بوریاں لے کر تہہ خانے میں اتر گئے۔ لاشیں اگرچہ صبح سے یہاں پڑی تھیں لیکن تہہ خانے کی فضا میں کسی قدر خنکی تھی۔ لاشوں پر کوئی برا اثر نہیں پڑا تھا۔

دونوں لاشوں کو بوریوں میں ٹھونسنے اور انہیں تہہ خانے سے نکال کر کمپاؤنڈ میں کھڑی ہوئی وین میں منتقل کرنے میں خاصی دشواری پیش آئی تھی۔

حریری نے حسب معمول اسٹیئرنگ سنبھال لیا۔ اس کے ساتھ والی سیٹ پر تابندہ بیٹھ گئی اور میں پچھلی سیٹ پر بوریوں کے قریب بیٹھ گیا۔

وین مین روڈ پر آ کر گلشن چورنگی پارکر کے سیدھی دوڑتی رہی۔ اس سڑک کے اختتام پر حریری نے وین ابوالحسن اصفہانی روڈ پر دائیں طرف موڑ لی اور سفاری پارک کے قریب اسے یونیورسٹی روڈ پر بائیں طرف موڑ دیا۔

گلستان جوہر ان دنوں انڈر ڈویلپمنٹ تھا۔ ایک دور افتادہ سڑک پر مڑ کر دونوں بوریاں نیچے گرادی گئیں اور ایک طویل چکر کاٹنے کے بعد وین راشد منہاس روڈ پر نکل آئی۔

نیپا چورنگی سے ذرا پہلے ریلوے کراسنگ کے قریب پولیس کی ایک پارٹی نے ہمارا راستہ روک لیا۔ پولیس پارٹی کا انچارج سب انسپکٹر حریری سے سوال جواب کرتا رہا۔ حریری نے بتایا کہ ہم شادی کی ایک تقریب سے لوٹ رہے ہیں۔ پولیس آفیسر وین کی تلاشی لینے پر بضد تھا۔ حریری نے انجن بند کردیا اور بڑبڑاتی ہوئی نیچے اتر گئی۔ تابندہ اور میں بھی نیچے آ گئے۔ ایک کانسٹیبل وین میں گھس گیا۔ اس نے سیٹوں کے نیچے تک کی تلاشی لی اور پھر باہر آ گیا۔ اپنا اطمینان ہو جانے کے بعد آفیسر نے ہمیں جانے کی اجازت دے دی۔

وین حرکت میں آ گئی اور میں سوچ رہا تھا کہ اگر گلستان جوہر کی طرف جاتے ہوئے پولیس کی کوئی پارٹی ہمیں روک لیتی اور تلاشی لی جاتی تو ہمیں بچاؤ کا کوئی راستہ نہ ملتا۔

کوٹھی پر واپس پہنچے تو تین بج چکے تھے۔ اب میں کسی قدر مطمئن تھا۔ لاشوں سے نجات مل چکی تھی۔ کوئی خطرہ نہیں رہا تھا۔ پولیس کی سرگرمیاں اگرچہ عروج پر تھیں لیکن ہمارے لئے فوری طور پر کوئی خطرہ نہیں تھا۔

گھر آنے کے تھوڑی ہی دیر بعد حریری اوپر اپنے کمرے میں چلی گئی اور میں اپنے کمرے میں آ گیا۔ دروازہ اندر سے لاک کر کے میں نے جوتے اتار کر پھینک دیئے اور لباس تبدیل کئے بغیر بستر پر ڈھیر ہو گیا۔

میرے دماغ پر غنودگی سی طاری ہو رہی تھی۔ میں سونے کی کوشش کر رہا تھا کہ دروازے پر بہت ہلکی دستک سن کر میں چونک گیا۔ میں نے اٹھ کر دروازہ کھولا۔ تابندہ سامنے کھڑی تھی۔ وہ کچھ کہے بغیر مجھے ایک طرف ہٹا کر اندر آ گئی اور دروازہ بڑی آہستگی سے بھیڑ دیا۔ اس پر کچھ گھبراہٹ سی طاری تھی۔

''نیند نہیں آ رہی تھی۔ سوچا تم سے گپ شپ میں کچھ وقت گزارا جائے۔ میں نے تمہیں ڈسٹرب

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

تو نہیں کیا۔'' وہ میری طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

''بالکل نہیں۔'' میں نے خوش اخلاقی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ ''مجھے بھی نیند نہیں آ رہی تھی۔ بیٹھ جاؤ۔'' میں نے اس کے لئے کرسی سیدھی کر دی۔

تابندہ شب خوابی کے لباس میں تھی۔ اس نے اگرچہ منہ ہاتھ دھو لیا تھا لیکن چہرے پر میک اپ کے اثرات ابھی تک باقی تھے۔ تابندہ کی عمر چالیس کے لگ بھگ تھی۔ اس کا جسم بے حد پرکشش اور چہرہ بڑا جاذب نظر تھا۔ میک اپ کے بغیر بھی وہ بڑی حسین لگتی تھی اور اس وقت وہ واقعی بہت اچھی لگ رہی تھی۔ وہ کرسی پر ٹک گئی اور میں اس کے سامنے پلنگ پر پیر لٹکا کر بیٹھ گیا۔

''میں دراصل کئی روز سے تم سے کچھ باتیں کرنا چاہتی تھی لیکن موقع ہی نہیں مل رہا تھا۔'' وہ میری طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ ''میری کوئی بات اگر بری لگے تو اسے نظر انداز کر دینا۔ ویسے میں جو کچھ بھی کہنا چاہتی ہوں وہ تمہاری بھلائی کے لئے ہی کہوں گی۔''

''میں تمہاری کسی بات کا برا نہیں مانوں گا۔'' میں نے مسکراتے ہئے جواب دیا۔ ویسے آج شام اس کی باتوں سے میں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ حریری سے کچھ بددل ہو گئی ہے۔

''خود تمہاری باتوں سے تمہارے بارے میں جو کچھ جان سکی ہوں اس سے میں نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ تمہیں زبردستی جرائم کے راستے پر دھکیلا گیا ہے۔'' وہ میرے چہرے پر نظریں جمائے ہوئی بولی۔

''ظاہر ہے خوشی سے کوئی بھی شخص اس راستے پر نہیں آتا۔'' میں نے جواب دیا۔ ''میں یہ بھی ماننے کو تیار ہوں کہ کسی کو کوئی مجبوری اس طرف لے آتی ہے تاہم کبھی کبھار انسان حالات کا شکار ہو جاتا ہے۔ میرا شمار بھی ایسے ہی لوگوں میں.....''

''میں سمجھ رہی ہوں۔'' اس نے میری بات کاٹ دی۔ ''لیکن اب تمہارے حالات بھی تو پہلے جیسے نہیں رہے۔ بقول تمہارے تحریمی تمہارا سب سے بڑا دشمن تھا لیکن اب اس سے بھی تمہاری مفاہمت ہو چکی ہے۔ تم اگر چاہو تو اپنا راستہ بدل کر سکون اور اطمینان کی زندگی گزار سکتے ہو۔''

''کیا ایسا ممکن ہے؟'' میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔ ''جو شخص گردن تک جرائم کی دلدل میں دھنسا ہوا ہو وہ.....''

''میں اس دلدل سے نکلنے میں تمہاری مدد کروں گی۔'' اس نے ایک بار پھر میری بات کاٹ دی اور میں چونکے بغیر نہیں رہ سکا۔

اور پھر رات کا باقی حصہ ایسی ہی باتوں میں گزرا۔ میں کئی روز سے اس کوٹھی میں تابندہ کے ساتھ رہ رہا تھا حریری کے آنے سے پہلے میں اس کے ساتھ اکیلا ہی رہتا تھا، ہم رات گئے آمنے سامنے بیٹھے باتیں کرتے رہتے تھے۔ نہ کبھی میرے دل میں اس کے بارے میں ایسی کوئی بات آئی تھی اور نہ ہی کبھی اس نے ایسی کوئی حرکت کی تھی جس سے مجھے کسی غلط فہمی یا خوش فہمی میں مبتلا ہونے کا موقع ملتا۔ پہلے بھی وہ ڈھکے چھپے الفاظ میں ایسی باتیں کرتی رہی تھی اور آج تو اس نے کھل کر اپنے دل کی بات کہہ دی تھی جس سے مجھے یہ اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ وہ میرے بارے میں کیا سوچ رہی تھی۔ لیکن میں نے کوئی بات واضح طور پر نہیں کہی۔

میرے دل و دماغ پر تو حریری چھائی ہوئی تھی۔ عجیب بات تھی کہ دل میں شدید خواہش ہونے کے باوجود میں نے کبھی اس کی طرف پیش رفت کی کوشش نہیں کی تھی۔ میں حریری کے حوالے سے صورتحال کو جوں کا توں رکھنا چاہتا تھا تاکہ میرے دل میں تجسس برقرار رہے۔

اس رات تابندہ کی باتوں سے میں نے یہ بھی اندازہ لگا لیا کہ وہ مجھے حریری سے دور رکھنا چاہتی ہے۔

اس سے اگلے روز رات کو حریری پھر باہر جانے کو تیار ہو گئی۔ میں انکار نہیں کر سکا۔ تاہم تابندہ بڑی مشکل سے ہمارے ساتھ جانے پر آمادہ ہوئی تھی۔

ہم رات ایک بجے تک ہوٹل شیرٹن کی رونق میں گم رہے۔ گھر آتے ہی تابندہ اپنے کمرے میں چلی گئی اور میں دیر تک حریری کے کمرے میں بیٹھا باتیں کرتا رہا۔

حریری نے ٹھیک کہا تھا۔ راوی ہمارے لئے عیش ہی عیش لکھتا تھا۔ ہم دن بھر کوٹھی میں پڑے یا تو سوتے رہتے یا تاش یا کیرم بورڈ کھیلتے۔ تابندہ دن میں دو تین گھنٹوں کے لئے اپنے دفتر بھی چلی جاتی۔ دن میں حریری باہر نہیں نکلتی تھی۔ تاہم میں نے کئی مرتبہ اسے فون پر مختلف لوگوں سے باتیں کرتے سنا تھا۔ وہ بعض غیر ملکی پارٹیوں سے شہزادی کی ممی کا سودا کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

وہ چوتھا روز تھا، میں اور حریری شیرٹن دربار ہال میں بیٹھے کافی کی چسکیاں لے رہے تھے کہ ایک مرد اور ایک عورت کو اپنی طرف آتے دیکھ کر میں چونک گیا۔ عورت جوان تھی۔ اس نے سلیولیس بلاؤز اور ساڑھی پہن رکھی تھی۔ اس کا ساتھی اگرچہ ادھیڑ عمر تھا لیکن اس کی صحت قابل رشک تھی۔ سرخ و سفید رنگت پر عربی لباس بہت اچھا لگ رہا تھا۔ سر پر سرخ چمکدار اسکارف تھا جس پر سیاہ رنگ کی مخصوص ڈوری بھی لپٹی ہوئی تھی۔ شکل و صورت اور لباس سے وہ کوئی عرب شیخ لگتا تھا لیکن وہ کوئی عرب شیخ نہیں، تحریمی تھا۔

تحریمی کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ تھی۔ وہ دونوں ہماری میز کے قریب آ کر رک گئے۔ ان کے استقبال کے لئے ہمیں اٹھنا پڑا۔ میں کسی ہنگامے کی بو سونگھ رہا تھا لیکن توقع کے برعکس تحریمی نے بڑی گرمجوشی سے مجھ سے ہاتھ ملایا۔ میں نے انہیں بیٹھنے کی پیشکش کی تو وہ دونوں بلاتکلف ہماری سامنے والی کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ حریری نے ویٹر کو طلب کر کے ان کے لئے بھی کافی منگوا لی۔

''ہماری یہ ملاقات محض اتفاق ہے۔'' تحریمی نے کہا۔

''لیکن اگر بزنس کی بات ہو جائے تو کیا حرج ہے؟''

''بزنس کی کوئی بات نہیں ہوگی تحریمی۔'' میں نے جواب دیا۔ ''ہماری یہ ملاقات اتفاق ہے، اسے اتفاق ہی رہنے دو۔ میرے بارے میں اگر تمہارے دل میں کوئی بات ہو تو کھل کر اس کا اظہار کر دو۔''

''تمہارے لئے میرے دل میں صرف ایک ہی بات ہے۔ یعنی وہ پیشکش اب بھی برقرار ہے۔'' تحریمی نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

''سوری تحریمی۔ میں تمہاری یہ پیشکش قبول نہیں کر سکتا۔ میں واقعی اس بزنس سے نکلنے کی کوشش کر رہا ہوں۔'' میں نے جواب دیا۔

''ویسے میرا تجربہ ہے کہ جرائم کی دنیا میں آنے کے بعد کسی کو نکلتے ہوئے نہیں دیکھا۔'' تحریمی

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

نے کہا۔ ''یہاں آنے کے راستے تو بہت ہیں، نکلنے کا کوئی راستہ نہیں۔ جب کوئی نکلنے کی کوشش کرتا ہے تو اس کے سامنے بہت اونچی دیواریں کھڑی کر دی جاتی ہیں اور جانتے ہو یہ دیواریں کھڑی کرنے والے کون ہوتے ہیں؟''

''کون؟'' میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

''قانون کے محافظ۔'' تحریمی نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ ''جرائم پیشہ لوگ اندھیروں سے نکل کر آرام سے اپنے گھروں میں بیٹھ جائیں تو قانون کے محافظوں کا کیا کام باقی رہ جاتا ہے اور پھر ان کی آمدنی کا بڑا ذریعہ تو ہم جیسے لوگ ہی ہیں۔ ہم اگر سارے دھندے چھوڑ کر شرافت کی زندگی اپنالیں تو یہ سب چارے تو بھوکے مر جائیں گے۔ اس لئے قانون کے یہ محافظ بھی نہیں چاہیں گے کہ ہم لوگ اس دھندے سے نکل سکیں۔''

''میں نکلنے کی کوشش کروں گا۔'' میں نے کہا اور پھر گفتگو کا رخ بدلتے ہوئے بولا۔ ''اس رات کیا ہوا تھا۔ اگلے روز مجھے پتا چلا تھا کہ رنگا نے تم پر حملہ کر دیا تھا؟''

سوال کرتے ہوئے میرے دل کی دھڑکن خود بخود تیز ہو گئی تھی۔

''ہونا کیا تھا۔'' تحریمی مسکرا دیا۔ ''میرا مال پکڑا گیا تھا۔ دو آدمی مارے گئے تھے، مجھے بھی گولی لگی تھی اور رضیہ بھی زخمی ہوئی تھی۔'' وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ ''رینجرز کی مداخلت کی وجہ سے کچھ گڑبڑ ضرور ہوئی تھی اور یہ پریشانی بھی صرف تین دن رہی تھی۔ چوتھے روز مال بھی میری کوٹھی پر پہنچ گیا تھا اور ہمارا پیچھا بھی چھوڑ دیا گیا۔''

میں نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا کہ تحریمی کو ہم پر کوئی شبہ نہیں ہوا تھا اور سارا الزام رنگا پر گرا تھا۔

''رضیہ نے میرے خلاف بہت سخت بیان دیا تھا۔ میں نے اخبار میں پڑھا تھا۔'' میں نے کہا۔

''وہ بے وقوف عورت تمہیں اب بھی بہت چاہتی ہے۔'' تحریمی نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ ''وہ اب بھی یہی چاہتی ہے کہ تم اس کے ساتھ رہو۔''

''لیکن یہ اب ممکن نہیں ہے۔'' میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ ''ویسے اب وہ کیسی ہے میرا مطلب ہے اسے بھی گولی لگی تھی۔''

''وہ دو دن پہلے لاہور جا چکی ہے۔'' تحریمی نے جواب دیا اور پھر حریری کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ ''تم نے اپنے دشمنوں کا جس طرح صفایا کیا ہے اس پر تم مبارک باد کے مستحق ہو۔ اگر تمہیں ابھی تک اپنے مال کا گاہک نہیں مل سکا یا کوئی دشواری پیش آ رہی ہو تو میں تمہیں ایک آدمی کا پتا بتا سکتا ہوں۔'' اس نے اپنے لباس کی اندرونی جیب سے پھولا ہوا ویلٹ نکالا۔ اس میں کرنسی نوٹوں کے علاوہ کچھ کاغذات اور وزیٹنگ کارڈز بھی تھے۔ اس نے ایک کارڈ نکال کر دیکھا اور حریری کی طرف بڑھا دیا۔ ''منصور دبئی میں بزنس کرتا ہے۔ پچھلے دنوں وہ کراچی بھی آیا ہوا تھا لیکن مایوس ہو کر واپس چلا گیا۔ تم اگر مناسب سمجھو تو روز اس سے رابطہ کر لینا۔ وہ تمہیں اچھی قیمت دلا دے گا۔''

اس کی باتوں سے اندازہ ہوا کہ وہ بہت باخبر آدمی تھا۔ اسے یہ بھی معلوم ہو چکا تھا کہ وہ ممی اب

حریری کے قبضے میں ہے اور حریری اس کی معلومات کو چیلنج نہیں کر سکتی تھی۔ اس طرح ایک لمبی بحث چل نکلتی۔ اس نے خاموشی سے کارڈ لے کر دیکھے بغیر اپنے پرس میں رکھ لیا۔

تحریمی تقریباً ایک گھنٹے تک ہمارے ساتھ بیٹھا رہا۔ ہماری یہ ملاقات بڑی خوشگوار رہی تھی۔ اس ایک گھنٹے کی ملاقات کے دوران اس نے نہ تو اپنی ساتھی عورت کا تعارف کرایا تھا اور نہ ہی اس نے ہماری باتوں میں کسی قسم کی مداخلت کی تھی۔

شیرٹن سے نکل کر کوٹھی کی طرف آتے ہوئے ہم نے اپنے تعاقب کا خیال رکھا تھا۔ اس کے لئے ہمیں شہر کے بعض علاقوں کے طویل چکر بھی کاٹنے پڑے تھے۔ بالآخر مطمئن ہونے کے بعد حریری نے اپنی کار کا رخ گلشن اقبال کی طرف موڑ دیا۔

اس رات ہم ایک بجے کے قریب گھر پہنچے تھے۔ خلاف معمول تابندہ اپنے کمرے میں سو چکی تھی ملازمہ ہمارے انتظار میں جاگ رہی تھی۔ تابندہ کے معمول کی اس تبدیلی پر مجھے حیرت ہوئی تھی۔ حریری نے بھی معنی خیز نگاہوں سے میری طرف دیکھا تھا۔

''میں اپنے کمرے میں جا رہی ہوں، گپ شپ کا موڈ ہو تو اوپر آ جانا۔'' حریری کہتے ہوئے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

میں اپنے کمرے میں آ گیا۔ لباس تبدیل کرتے ہوئے میں تحریمی کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ رات دس کلو ہیروئن کا بیگ اس کے حوالے کرنے کے بعد ہم نے جو ڈرامہ کیا تھا اور رینجرز بھی بیچ میں آ پڑی تھی تو مجھے یقین تھا کہ تحریمی کو کچھ عرصے کے لئے اس ملک سے فرار ہونا پڑے گا لیکن آج یہ جان کر مجھے حیرت ہوئی تھی کہ چوتھے ہی روز قانون کے محافظوں سے اس کا مک مکا ہو گیا تھا۔ اس نے ٹھیک کہا تھا دولت میں بڑی طاقت ہوتی ہے۔ اس کا اندازہ تو مجھے بھی تھا کئی بار اس قسم کے تجربات سے گزر چکا تھا۔ یہاں بھی اور ہندوستان میں بھی۔ تحریمی کے پاس تو دولت بھی تھی اور حسین لڑکیاں بھی۔ ہمارے سرکاری آفیسروں کو یہی دو چیزیں سب سے زیادہ مرغوب ہیں۔ دولت اور حسین لڑکیاں پیش کر کے تو ان سرکاری آفیسروں سے کوئی بھی کام نکلوایا جا سکتا ہے۔

تقریباً آدھے گھنٹے بعد میں اپنے کمرے سے نکلا۔ تابندہ والے کمرے کا دروازہ چند انچ کے قریب کھلا ہوا تھا۔ اندر نیلے رنگ کا نائٹ بلب جل رہا تھا۔ میں نے احتیاط سے جھانک کر دیکھا۔ تابندہ سو رہی تھی۔ نیلگوں روشنی میں اس کے چہرے پر بے پناہ معصومیت تھی۔ میں آہستگی سے پیچھے ہٹ گیا اور دبے پاؤں سیڑھیاں چڑھتا ہوا اوپر جانے لگا۔

حریری شب خوابی کا لباس پہنے بیڈ پر نیم دراز تھی۔ مجھے دیکھ کر وہ سیدھی ہو گئی اور میں معمول کے مطابق بیڈ کے سامنے کوچ پر بیٹھ گیا۔ میری توقع کے عین مطابق ہماری گفتگو کا موضوع تحریمی ہی تھا۔ ہم کافی دیر تک اس کے بارے میں باتیں کرتے رہے اور پھر ہمارا موضوع بدل گیا۔

گفتگو کے دوران ہمارے موضوع بدلتے رہے۔ کبھی رنگا، کبھی ٹیڈی اور کبھی وہ ولادت خانم کی بیٹی چھیڑ دیتی۔

تین بج رہے تھے۔ میں نے کوچ پر ایک دو مرتبہ پہلو بدلا تو حریری اپنی ٹانگیں سمیٹتے ہوئے

www.pdfbooksfree.pk

بولی۔

"تم وہاں بے آرام بیٹھے ہو۔ بیڈ پر آ جاؤ۔ آرام سے ٹیک لگا کر بیٹھو۔"

بیڈ کے پیروں کی طرف بھی چند انچ اونچا تختہ لگا ہوا تھا جسے ٹیک کے طور پر استعمال کیا جا سکتا تھا۔ میں معمولی سی جھجک کے بعد بیڈ پر آ گیا اور اس طرح ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ میں نے بھی اگرچہ ٹانگیں سمیٹ رکھی تھیں لیکن کچھ دیر بعد ہی میرے پیر پھیلنے لگے۔

باتوں کا سلسلہ چلتا رہا۔ حریری کے پیر بھی پھیلنے لگے تھے۔ گفتگو کے دوران میری نظریں بار بار اس طرف اٹھ رہی تھیں۔ بار بار پہلو بدلتے ہوئے اس کا شب خوابی کا لباس بھی بے ترتیب ہو رہا تھا۔ میں اپنی نظریں ہٹانے کی کوشش کرتا مگر یہ کم بخت نظریں کسی طرح میرے قابو میں نہیں آ رہی تھیں اور جب حریری کے پیر میرے پیروں سے ٹکرائے تو میرے جسم میں سنسنی کی لہری دوڑتی چلی گئی۔

حریری نے اپنے پیر کچھ اور دراز کر لئے۔ اب میرے پیر کی انگلیاں اس کی گداز اور سڈول پنڈلی کو چھو رہی تھیں۔ میں نے حریری کے چہرے کی طرف دیکھا۔ اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ ابھر آئی اور اس نے ایک ہاتھ میری طرف بڑھا دیا۔

میں نے بھی غیر ارادی طور پر اپنا ہاتھ آگے بڑھا دیا۔ حریری کی نازک سی مخروطی انگلیوں نے میری انگلیوں کو گرفت میں لے لیا۔ کچے دھاگے کی طرح یہ رابطہ بڑا مضبوط ثابت ہوا اور میں اپنی جگہ سے اٹھ کر حریری کی طرف جا گرا۔

کئی مہینے پہلے حریری کو رنگا کے اڈے پر دیکھ کر میرے دل میں جو شدید ترین خواہش ابھری تھی آج وہ تکمیل کی طرف بڑھ رہی تھی۔ میرے دل کی دھڑکن خطرناک حد تک تیز ہو گئی تھی۔ دماغ میں سنسناہٹ اور پورے بدن میں چیونٹیاں سی رینگتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔

آج وہ حجاب اٹھ گیا تھا جو میں نے اپنے اور حریری کے درمیان تان رکھا تھا۔ وہ تجسس اپنی انتہا کو پہنچ رہا تھا جس نے مجھے عرصے سے ایک عجیب قسم کے اضطراب میں مبتلا کر رکھا تھا۔ میرے اعصاب میں شدید تناؤ پیدا ہو رہا تھا۔ جذبات اور ہیجان کا ایک شدید سیلاب تھا جو مجھے ایک معمولی تنکے کی طرح اپنے ساتھ بہائے لے جا رہا تھا۔

مجھے نہیں معلوم حریری نے کس وقت بیڈ سوئچ دبا کر لائٹ بجھا دی تھی لیکن میں تو اندھیرے میں بھی اسے دیکھ رہا تھا۔

میرے اعصاب کا تناؤ کم ہونے لگا۔ اس کے ساتھ ہی میں بتدریج پرسکون ہوتا چلا گیا۔ میں گہرے گہرے سانس لینے لگا۔ حریری کی گرم سانسوں کا لمس بھی میں اپنے چہرے پر محسوس کرنے لگا۔

اور پھر دفعتاً میں چونک گیا۔ مجھے یوں لگا تھا جیسے کوئی دبے قدموں دروازے کے سامنے سے گزرا ہو۔ میں نے اپنی جگہ سے حرکت کرنے کی کوشش کی تو حریری نے مجھے دبوچ لیا۔

میں حریری کے کمرے سے نکلا تو صبح کے پانچ بج رہے تھے۔ اپنے کمرے میں جانے سے پہلے میں نے تابندہ کے کمرے میں جھانک کر دیکھا تو میرے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ بیڈ خالی تھا۔ میں بڑی آہستگی سے دروازہ تھوڑا سا مزید کھول دیا۔ دائیں طرف باتھ روم کی بتی جل رہی تھی اور دروازہ بھی

aazzamm@yahoo.com

انچ کے قریب کھلا ہوا تھا اور اندر سے پانی گرنے کی آواز آ رہی تھی۔

میں اپنے کمرے میں آ گیا اور بستر پر گر کر آنکھیں بند کر لیں۔ میں اس وقت اپنے آپ کو ہوا میں اڑتا ہوا محسوس کر رہا تھا۔ ایک عجیب سا سرور تھا جس نے مجھے اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔ جو کچھ بھی ہوا تھا وہ میرے لئے کوئی نئی بات نہیں تھی۔ میں کئی بار ان لذت آفرین اور سنسنی خیز تجربوں سے گزر چکا تھا لیکن آج نجانے کیوں مجھے ایسا لگ رہا تھا کہ یہ میری زندگی کا پہلا تجربہ ہو۔ مجھ پر بالکل وہی کیفیت طاری تھی جو پہلی مرتبہ رضیہ کے ساتھ ملاپ سے ہوئی تھی۔

ہلکی سی آہٹ سن کر میں چونک گیا۔ دل و دماغ پر طاری سنسنی اور سحر کی لپیٹ سے باہر آنے کو دل نہیں چاہتا تھا اس لئے میں نے آنکھیں کھول کر یہ دیکھنے کی کوشش نہیں کی کہ وہ آہٹ کیسی تھی۔

اور پھر آنکھیں بند ہونے کے باوجود مجھے یوں لگا جیسے کوئی ہیولہ میرے قریب آ کر رکا ہو۔ دوسرے ہی لمحے اپنی پیشانی پر تپتے ہوئے ہونٹوں کا لمس محسوس کر کے میرے پورے بدن میں سنسنی کی لہریں سی دوڑتی چلی گئیں۔

وہ ہیولہ میرے اوپر سے ہٹ گیا۔ میں نے آنکھیں کھول دیں۔ ایک ہیولہ دروازے سے نکلتا ہوا نظر آیا۔ وہ حریری تو ہرگز نہیں ہو سکتی تھی۔ میں نے آنکھیں بند کر لیں اور چند منٹ بعد ہی نیند کی آغوش میں پہنچ گیا۔

میں حالانکہ صبح پانچ بجے کے بعد سویا تھا لیکن دس بجے میری آنکھ کھل گئی۔ ٹھنڈے پانی کے غسل سے ساری کسلمندی دور ہو گئی۔ میں کمرے سے نکلا تو تابندہ لاؤنج میں صوفے پر بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے خشمگیں نظروں سے میری طرف دیکھا اور ملازمہ کو آواز دے کر میرے لئے ناشتہ تیار کرنے کو کہا۔

"رات کو تم جلدی سو گئی تھیں۔" میں نے میز پر سے اخبار اٹھاتے ہوئے کہا۔

"طبیعت کچھ ٹھیک نہیں تھی۔ سر میں درد تھا، گولی کھا کر سو گئی تھی۔" تابندہ نے جواب دیا۔

گفتگو کے دوران تابندہ کی باتوں سے اندازہ ہو گیا کہ وہ مجھ سے ناراض ہے۔ اس کی ناراضگی کی وجہ میری سمجھ میں نہیں آ رہی تھی لیکن دفعتاً ایک خیال میرے ذہن میں ابھرا۔ رات کو جب میں حریری کے ساتھ کمرے میں تھا تو میں نے دروازے کے سامنے کوئی آہٹ سنی تھی اور پھر صبح تابندہ کو اپنے کمرے میں نہ دیکھا تھا۔ وہ میری پیشانی پر بوسہ دے کر واپس چلی گئی تھی۔ تو کیا وہ بھی تابندہ تھی جو اوپر حریری کے کمرے کے سامنے سے گزری تھی؟ اور شاید وہ اس لئے ناراض بھی تھی۔

ملازمہ نے میز پر ناشتہ لگا دیا۔ اس وقت پتا چلا کہ تابندہ نے بھی ابھی تک ناشتہ نہیں کیا تھا۔ وہ میرے ساتھ بیٹھ گئی۔ اس دوران فون کی گھنٹی بجی تو تابندہ نے اٹھ کر ریسیور اٹھا لیا۔ وہ دو تین منٹ تک فون پر بات کرتی رہی، پھر دوبارہ میرے سامنے آ کر بیٹھ گئی۔

"میرے آفس سے فون آیا تھا۔" وہ میری طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "اگر تمہارا موڈ ہو تو چلو تم بھی۔ حریری تو شام سے پہلے اپنے کمرے سے نہیں نکلے گی۔ تم اکیلے کیا کرو گے۔"

"ٹھیک ہے۔ میں بھی چلوں گا۔" میں نے جواب دیا۔ حریری کی بات کرتے ہوئے میں نے کے لہجے میں ہلکا سا طنز محسوس کیا تھا۔

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

ایک گھنٹے بعد میں تابندہ کے ساتھ اس کی کار میں کوٹھی سے نکل رہا تھا۔

تابندہ کا دفتر محمد علی سوسائٹی میں ٹیپو سلطان روڈ پر واقع ایک دو منزلہ کوٹھی میں تھا۔ ہزار مربع گز پر مشتمل یہ کوٹھی بہت شاندار تھی۔ وسیع کمپاؤنڈ تھا۔ گیٹ کے اندر کی طرف ڈرائیو وے میں تین چار گاڑیاں کھڑی تھیں۔ بائیں طرف نیلے رنگ کے چند ڈرم، لکڑی کی پیٹیاں اور اس قسم کی دوسری چیزیں پڑی تھیں۔

تابندہ کا کمرہ دوسری منزل پر تھا۔ دفتر بہت شاندار تھا اور کمپنی کا اسٹاف بھی کئی افراد پر مشتمل تھا۔

کمپنی کے جنرل منیجر اشرف نے ٹھنڈے مشروبات سے ہماری تواضع کی پھر تابندہ اور اشرف تو فائلیں کھول کر بیٹھ گئے اور میں گھوم پھر کر دفتر کا جائزہ لینے لگا۔ دفتر کے کئی لوگوں سے گپ شپ بھی ہوئی ان کی باتوں سے اندازہ ہوا کہ کمپنی کا بزنس خاصا منافع بخش تھا۔

ڈیڑھ بجے کے قریب ہم دفتر سے نکل آئے۔ واپس آتے ہوئے تابندہ نے گاڑی حسن اسکوائر سے ذرا آگے عثمانیہ ریسٹورنٹ کے سامنے روک لی اور ہم اتر کر ریسٹورنٹ میں آ گئے۔

یہاں کا کھانا بھی بہت عمدہ اور لذیذ تھا۔ یوں تو کراچی میں ہر قسم کے بزنس کی کامیابی کے بہترین مواقع موجود تھے لیکن کھانے پینے کی اشیاء کا بزنس سب سے زیادہ منافع بخش تھا۔ آئے دن شہر کے کسی نہ کسی علاقے میں کسی بڑے اور معیاری ریسٹورنٹ کا افتتاح ہوتا تھا۔ کے ایف سی اور میکڈونلڈ جیسی بین الاقوامی کمپنیوں نے بھی یہاں قدم جما لئے تھے۔

پاکستان ایک غریب ملک ہے۔ اس سرزمین کا چپہ چپہ بین الاقوامی مالیاتی اداروں اور بڑی طاقتوں کے پاس گروی رکھا ہوا ہے۔ یہاں پیدا ہونے والا ہر بچہ ہزاروں ڈالر کا مقروض ہوتا ہے لیکن کراچی کی عالیشان عمارتوں، غیر ملکی کمپنیوں کے دفاتر، بین الاقوامی بینکوں اور سڑکوں پر چمچماتی قیمتی کاروں کی بھرمار دیکھ کر یہی تاثر ملتا ہے کہ یہ دنیا کا امیر ترین ملک ہے۔ اس ملک کی آبادی تین طبقوں میں بٹی ہوئی ہے۔ عوام، سرکار اور بزنس مین۔

پاکستانی عوام بلاشبہ اس ملک کا ہی نہیں، دنیا کا غریب ترین اور مظلوم ترین طبقہ ہے۔ مہنگائی کا سارا بوجھ اس طبقے پر ہے۔ فاقہ کشی کے باوجود اس طبقے سے تعلق رکھنے والے ہر شخص کی کمر اور کندھے بہت مضبوط ہیں۔ مہنگائی کا پہاڑ جیسا بوجھ اٹھانے کے باوجود انہوں نے کبھی احتجاج نہیں کیا۔

بزنس مین طبقہ خوشحال ہے لیکن سرکار سے تعلق رکھنے والا طبقہ خوشحال ترین۔ سب سے زیادہ دولت انہی کے پاس ہے۔ گریڈ اٹھارہ اور اس سے اوپر ہر سرکاری عہدیدار عیش و آرام کی زندگی گزار رہا ہے۔ لاکھوں روپے ماہانہ تنخواہ بے حساب سرکاری مراعات کے علاوہ رشوت ان کی اضافی آمدنی کا اہم ترین ذریعہ ہے جسے یہ خدا کا فضل کہتے ہیں۔

میں شاید بہک گیا ہوں۔ مجھے ایسی باتیں نہیں سوچنی چاہئیں۔ کسی کو بھی ایسی باتیں سوچنے کا حق حاصل نہیں ہے بہرحال، اس ریسٹورنٹ کا کھانا بھی بڑا لذیذ تھا۔ تابندہ نے دو آدمیوں کے کھانے کا جو بل ادا کیا اتنی رقم میں ایک غریب گھر کا ایک ہفتے کا خرچ بڑی آسانی سے چل سکتا تھا۔

ہم جب کوٹھی پر پہنچے تو ساڑھے تین بج چکے تھے۔ حریری ابھی تک اپنے کمرے میں سو رہی تھی۔

میں اپنے کمرے میں آ کر بستر پر لیٹا تو غنودگی نے لپیٹ میں لے لیا۔

ہماری وہ شام میریٹ میں گزری۔ تابندہ بھی ہمارے ساتھ تھی۔ حریری مجھ سے چپکی ہوئی تھی جبکہ تابندہ مجھ سے قدرے کھنچی کھنچی سی رہی۔

راوی واقعی میرے لئے عیش لکھ رہا تھا۔ میرے شب و روز حریری جیسی حسین ترین لڑکی کے پہلو میں گزر رہے تھے۔ لوگ اسے دیکھ کر ٹھنڈے سانس بھرتے، ہر شخص اس کے قرب کا خواہشمند نظر آتا لیکن وہ خوش قسمت صرف میں تھا جس کا ایک ایک پل اس حسینہ کے پہلو میں گزر رہا تھا۔

ایک ہفتہ اور گزر گیا۔ اس دوران پولیس کی سرگرمیاں ماند پڑ چکی تھیں۔ ایک ہی رات میں لی مارکیٹ کے علاقے میں کئی آدمیوں کے قتل کی واردات قصہ پارینہ بن چکی تھی۔ اس دوران حریری بھی دو تین مرتبہ دن کے وقت میرے بغیر کہیں گئی تھی۔ وہ اکثر فون پر بھی بعض لوگوں سے گفتگو کرتی رہتی تھی۔

اس رات میں حریری کے ساتھ شیرٹن کے دربار ہال میں تھا۔ وہاں کوئی پارٹی بھی تھی۔ ہال کا ایک حصہ پارٹی کے لئے مخصوص تھا۔ بہت سے لوگ موجود تھے۔ خوبصورت ساڑھیوں میں ملبوس حسین عورتیں، حسین تتلیوں کی طرح ادھر ادھر منڈلا رہی تھیں۔ ان کے دبے دبے نقرئی قہقہے فضا میں بکھر رہے تھے۔

میں اور حریری پارٹی والے حصے سے دور ہال کے کونے میں ایک میز پر بیٹھے کافی پی رہے تھے۔ دوسرے لوگوں کی طرح میری نظریں بھی بار بار اس طرف اٹھ رہی تھیں۔

ایک عورت کو دیکھ کر میں چونک گیا۔ اس نے فیروزی رنگ کی بہت قیمتی اور خوبصورت ساڑھی پہن رکھی تھی۔ سیلولیس بلاؤز ویسے بھی بہت مختصر تھا۔ پشت پر بلاؤز کا کپڑا نہیں باریک ڈوریاں تھیں۔ اس طرح اس کی پشت بالکل برہنہ تھی۔

پارٹی میں شریک لوگ مشروبات سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ اس عورت کے ہاتھ میں بھی مشروب کا گلاس تھا۔ وہ کسی ادھیڑ عمر آدمی سے باتیں کرتے ہوئے ذرا سی گھومی تو میں اس کا چہرہ دیکھ کر چونکا۔ پہلے تو میں اسے اپنا وہم سمجھا لیکن وہ وہم نہیں حقیقت تھا۔ بیلا کو تو میں لاکھوں کے مجمع میں بھی پہچان سکتا تھا۔

بیلا نے بھی مجھے دیکھ لیا۔ ایک لمحہ کو اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات ابھر آئے تھے۔ لیکن اس نے فوراً ہی اپنی کیفیت پر قابو پا لیا۔ اس دوران ایک آدمی اور دو عورتیں اس کے سامنے آ کر کھڑی ہو گئیں۔

میں اپنا کپ میز پر رکھ کر اٹھ گیا۔

”کیا ہوا؟“ حریری نے سوالیہ نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔

”تم یہیں بیٹھی رہو۔ میں ابھی آتا ہوں۔“ میں نے جواب دیا۔

”کوئی پسند آ گئی کیا؟“ حریری مسکرائی۔

میں مزید کچھ کہے بغیر نپے تلے قدم اٹھاتا ہوا اس طرف آ گیا جہاں بیلا کو دیکھا تھا لیکن وہ وہاں نہیں تھی۔

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

میں ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ ہجوم میں بیلا کہیں بھی دکھائی نہیں دی اور پھر سائیڈ ڈور کے قریب فیروزی ساڑھی کے آنچل کی جھلک دیکھ کر میں تیزی سے اس طرف لپکا۔

وہ عورت کاریڈور میں چند گز آگے نکل چکی تھی۔ میں تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا اس کے قریب پہنچ گیا لیکن وہ بیلا نہیں تھی۔ میں کاریڈور سے نکل کر کھلی فضا میں آ گیا۔ باہر کا گیٹ میری نظروں میں تھا لیکن بیلا اس طرف بھی نہیں تھی۔

میں آدھے گھنٹے تک پورے ہوٹل میں گھومتا رہا لیکن بیلا اس طرح غائب ہوگئی تھی جیسے اس کا وجود ہی نہ رہا ہو۔

میں ہال میں واپس آیا تو حریری کے ساتھ ایک اور آدمی کو بیٹھے دیکھ کر ٹھٹک گیا۔ اس آدمی کو میں نے پہلی مرتبہ دیکھا تھا لیکن انداز گفتگو سے مجھے یہ اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ ان میں پہلے سے جان پہچان ہے۔ چند منٹ بعد ہی وہ شخص اٹھ کر چلا گیا۔

''یہ کون تھا؟'' میں نے چبھتی ہوئی نظروں سے حریری کی طرف دیکھا۔

''پرانا جاننے والا تھا۔ اتفاق سے ملاقات ہوگئی۔'' حریری نے جواب دیا۔ ''لیکن تم کہاں غائب ہو گئے تھے؟''

''مجھے بھی پرانی جان پہچان کی ایک خاتون نظر آ گئی تھی۔ لیکن حیرت ہے وہ چھلاوے کی طرح غائب ہوگئی۔ پورا ہوٹل چھان مارا اس کا پتا ہی نہیں چلا۔'' میں نے جواب دیا۔

''اسے تلاش کرنے کا ارادہ ہے یا چلیں؟'' حریری بولی۔

''اب وہ آسانی سے نہیں ملنے کی۔'' میں نے کہا۔ ''چلو اب چلیں۔''

ہوٹل سے نکلتے ہوئے بھی میں تجسس نگاہوں سے چاروں طرف دیکھتا رہا لیکن بیلا نظر نہیں آئی۔ اس نے بھی مجھے دیکھ لیا تھا اور غائب ہوگئی تھی۔

بیلا کی کراچی میں موجودگی خطرے کی گھنٹی تھی۔ وہ یقیناً کسی اہم مشن پر یہاں آئی تھی اور اس کا سراغ لگانا ضروری تھا۔

اس رات بھی ہم ایک بجے کے لگ بھگ ہی گھر پہنچے تھے۔ تابندہ سوگئی تھی۔ میری وہ رات بھی حریری کی خواب گاہ میں گزری۔

صبح گیارہ بجے میں بیدار ہوا تو نہ تابندہ گھر میں موجود تھی اور نہ حریری۔ ملازمہ نے بتایا کہ تابندہ تو اپنے دفتر گئی تھی اور اس کے تھوڑی ہی دیر بعد حریری بھی کچھ بتائے بغیر نکل گئی تھی۔

بارہ بجے کے قریب میں بھی نکل گیا۔ میرے خیال میں بیلا کسی بڑے ہوٹل ہی میں مل سکتی تھی۔ سب سے پہلے میں نے پی سی کا رخ کیا۔ تقریباً ایک گھنٹہ وہاں گزارنے کے بعد میں شیرٹن پہنچ گیا۔ تقریباً تین بجے تک وہاں رہا اور پھر میریٹ پہنچ گیا۔

میں رات گیارہ بجے تک ان فائیو اسٹار ہوٹلوں میں گھومتا رہا لیکن بیلا کا سراغ نہیں ملا۔ میری تلاش کا طریقہ بھی شاید غلط تھا۔ بیلا کوئی ایسی چیز تو نہیں تھی جو کہیں پڑی ہوگی اور میں اسے اٹھالوں گا۔ اس نے کل رات مجھے دیکھ لیا تھا اور پراسرار طور پر ہوٹل سے غائب ہوگئی تھی۔ اب وہ آسانی سے ہاتھ آنے والی

نہیں تھی۔

گھر پہنچا تو حریری موجود نہیں تھی۔ پوچھنے پر انکشاف ہوا کہ وہ صبح سے گئی اب تک نہیں لوٹی تھی۔ تابندہ اس کے لئے خاصی پریشان تھی۔

میرے لئے بھی یہ تشویش کی بات تھی۔ اچانک ہی میرے ذہن میں ایک اور خیال آیا۔ حریری شاید ناظم آباد والے اس بنگلے میں موجود ہو جہاں تہہ خانے میں شہزادی کی ممی والا تابوت چھوڑا تھا۔ میں نے تابندہ سے بات کی تو وہ بولی۔

''وہ وہاں نہیں ہے۔ میں نے فون کیا تھا، کوئی جواب نہیں ملا۔ اس کے ایک دو اور ٹھکانے مجھے معلوم ہیں لیکن وہ کہیں نہیں ہے۔''

ہمیں زیادہ پریشان نہیں ہونا پڑا۔ بارہ بجے کے قریب حریری واپس آ گئی۔ وہ بے حد تھکی ہوئی لگ رہی تھی۔ میرے پوچھنے پر اس نے صرف اتنا بتایا کہ وہ اس ممی کے سلسلے ہی میں مصروف رہی ہے۔ وہ ان دونوں کو باری باری ایک خفیہ ٹھکانے پر لے گئی تھی جہاں ممی والی ویڈیو دکھا کر ان سے بات چیت ہوتی رہی۔ اس نے یہ توقع ظاہر کی تھی کہ چند روز میں ممی کا سودا ہو جائے گا۔

دو تین دن اور گزر گئے۔ تابندہ اور حریری میں کھنچاؤ میں نے واضح طور پر محسوس کرلیا تھا۔ اس شام سات بجے کے قریب حریری اکیلی ہی کہیں گئی تھی اور خلاف معمول اس نے تابندہ کی گاڑی لے جانے کے بجائے ٹیکسی پر جانے کو ترجیح دی تھی اور اس نے کہہ دیا تھا کہ اسے واپسی میں دیر ہو جائے گی۔ ہوسکتا ہے رات کو واپس آنے کا موقع ہی نہ ملے۔

حریری رات کو واپس نہیں آئی، اگلے دن بھی نہیں آئی۔ تابندہ کی سوچ اس کے بارے میں کچھ بھی رہی ہو لیکن میرے سوچنے کا انداز مختلف تھا۔ یہ خیال بار بار میرے دماغ میں کچوکے لگا رہا تھا کہ حریری نے رات کس کے ساتھ بسر کی ہوگی۔ وہ کون ہوگا جس کے پہلو کی زینت وہ بنی ہوگی۔ یہ سب کچھ سوچتے ہوئے میرے سینے میں رقابت کے جذبات سر ابھارنے لگے لیکن میرا رقیب کون تھا؟ کوئی بھی ہوسکتا تھا۔

شام سات بجے کے قریب تابندہ اور میں لان میں بیٹھے چائے پی رہے تھے کہ ملازمہ نے فون کال کی اطلاع دی۔ تابندہ اٹھ کر اندر چلی گئی۔ میں وہیں بیٹھا چائے کی چسکیاں لیتے ہوئے حریری کے بارے میں سوچتا رہا۔ چند منٹ بعد تابندہ نے برآمدے والے دروازے میں نمودار ہوکر مجھے بھی بلالیا۔

''حریری کا فون ہے بات کرلو۔'' تابندہ نے کہا۔ اس کے چہرے پر اس وقت عجیب سے تاثرات تھے۔

میں تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا ٹیلی فون والی میز کے قریب پہنچ گیا۔ تابندہ بھی میرے ساتھ ہی تھی۔ ریسیور الگ رکھا ہوا تھا جسے اٹھا کر میں نے کان سے لگالیا۔

''ہیلو حریری'' میں نے کہا۔ ''تم کہاں غائب ہو۔ تم نے کوئی اطلاع بھی نہیں دی۔ ہم پریشان ہو رہے ہیں۔''

''میں اس وقت گوادر میں ہوں۔'' حریری کی آواز سنائی دی۔

''کیا.....؟'' میں اس طرح اچھلا جیسے میرے سر پر بم پھٹا ہو۔ ''تم شاید مذاق کر رہی ہو۔ گوادر

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

تو یہاں سے......"

"بہت دور ہے۔تم یہی کہنا چاہتے ہونا۔" حریری نے میری بات کاٹ دی۔ "لیکن یہ کوئی مذاق نہیں۔ میں گوادر میں ہوں، میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔ میں آج رات یہاں سے چلی جاؤں گی، بندرعباس کی طرف۔"

"نہیں حریری۔تم اکیلی کیسے جاسکتی ہو؟ میرا مطلب ہے میرے بغیر!" میں نے کہا۔ "اور پھر وہ شہزادی، لیکن تم وہاں کیسے......"

"میں اکیلی نہیں ہوں تاجی۔ وہ شہزادی میرے ساتھ ہے۔ اس کے بغیر تو میں واپسی کا تصور بھی نہیں کرسکتی تھی۔" حریری نے ایک بار پھر میری بات کاٹتے ہوئے کہا۔

میرے دماغ میں دھماکے سے ہورہے تھے۔ مجھے اپنی سماعت پر یقین نہیں آرہا تھا۔حریری کی آواز میرے کانوں سے ٹکرارہی تھی۔ وہ کہہ رہی تھی۔

"میں نے تمہارا شکریہ ادا کرنے کے لئے فون کیا ہے۔ اگر تم میری مدد نہ کرتے تو میں شہزادی کی گمشدہ ممی کو دوبارہ کبھی نہ دیکھ سکتی۔ میں تمہیں ہمیشہ یاد رکھوں گی۔تمہارے ساتھ گزرا ہوا ایک ایک لمحہ مجھے زندگی بھر یاد رہے گا۔ میں آج رات یہاں سے نکل جاؤں گی اور تم میرا پیچھا کرنے کی کوشش مت کرنا۔"

"نہیں حریری تم ایسا نہیں کرسکتیں۔" میں چیخا۔

"مجھے افسوس ہے تاجی۔" حریری کی مدھم سی آواز میری سماعت سے ٹکرائی۔ "مجھے ایسا کرنے سے اب کوئی نہیں روک سکتا۔ میں ایک بار پھر تمہارا شکریہ ادا کرنا چاہتی ہوں۔ مجھے تم سے جدا ہونے کا افسوس رہے گا اور ہاں، ٹیڈی بھی میرے ساتھ ہے۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولی۔ "مجھے تابندہ سے جدا ہونے کا بھی افسوس ہے۔ وہ بہت اچھی خاتون ہے۔ میرا خیال ہے وہ تمہیں پسند کرنے لگی ہے۔ میرا مشورہ ہے کہ بھاگ دوڑ چھوڑ کر تابندہ کا ہاتھ تھام لو......"

"شٹ اپ۔" میں چیخا۔ "میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا حریری......"

"خدا حافظ تاجی......" میں تمہیں کبھی نہیں بھولوں گی۔" دوسری طرف سے کہا گیا اور لائن بے جان ہوگئی۔

میں ہیلو ہیلو کرتے ہوئے پاگلوں کی طرح بار بار کریڈل پر ہاتھ مارنے لگا۔ قریب کھڑی ہوئی تابندہ نے میرے ہاتھ سے ریسیور لے کر کریڈل پر رکھ دیا۔ میں بے حس و حرکت کھڑا پھٹی پھٹی سی نظروں سے اس کی طرف دیکھتا رہ گیا۔

تابندہ مجھے بازو سے پکڑ کر صوفے پر لے آئی۔ وہ بھی میرے ساتھ ہی جڑ کر بیٹھ گئی تھی۔ اس کی آنکھوں میں بھی وحشت سی بھری ہوئی تھی۔ میں چند لمحے اس کی طرف دیکھتا رہا اور پھر میرے حلق سے پھنسی پھنسی سی آواز نکلی۔

"وہ......وہ چلی گئی تابندہ اور......اور شہزادی کو بھی لے گئی۔"

"کیا......؟" تابندہ اچھل پڑی۔ اس سے مجھے اندازہ ہوا کہ مجھ سے پہلے حریری نے تابندہ سے

بات کی تھی تو اسے ممی کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا۔

"کیا کہا اس نے۔ کہاں ہے وہ؟ کہاں چلی گئی؟"

"تت......تمہیں اس نے کچھ نہیں بتایا؟" میں پھٹی پھٹی سی نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"اس نے کہا تھا کہ اب وہ واپس نہیں آئے گی۔" تابندہ نے جواب دیا۔

"اس کی باتوں سے میں یہ سمجھی تھی کہ یہاں رہتے ہوئے وہ مجھے تمہارے اور اپنے درمیان رکاوٹ سمجھتی ہے اور اس نے کہیں اور رہائش کا بندوبست کرایا ہے۔ وہ تم سے بات کرنا چاہتی تھی۔ میں اس وقت بھی یہی سمجھی کہ وہ تمہیں بھی اپنے پاس بلانا چاہتی ہے۔لیکن...... مجھے بتاؤ وہ کہاں ہے اور اس نے کیا کہا تھا؟"

میں گہری نظروں سے تابندہ کے چہرے کا جائزہ لے رہا تھا۔ مجھے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ وہ جھوٹ نہیں بول رہی تھی۔

"وہ اس وقت گوادر میں ہے اور ٹیڈی بھی اس کے ساتھ ہے۔" میں نے کہا اور پھر اسے تفصیل سے حریری سے ہونے والی گفتگو سے آگاہ کرنے لگا۔

"وہ ٹھیک ہی کہتی تھی۔" تابندہ میرے خاموش ہونے پر بولی۔ "یہ بہت گندا کھیل ہے۔ دولت کے لئے انسان اپنوں کا گلا بھی کاٹ دیتا ہے۔"

"لیکن اس نے مجھے زندہ چھوڑ کر زندگی کی سب سے بڑی غلطی کی ہے۔" میں نے کہا۔ "میں دنیا کے آخری سرے تک اس کا پیچھا کروں گا اور اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

"ہوا کے پیچھے بھاگنے کا کوئی فائدہ نہیں۔" تابندہ نے کہا۔ "تمہارے ہاتھ کچھ نہیں آئے گا۔ بہتر ہے کہ اس کا خیال ذہن سے نکال دو۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر مدھم لہجے میں بولی۔ "میری طرف دیکھو، میری آنکھوں میں جھانک کر دیکھو۔ یہاں تمہیں کیا نظر آتا ہے؟" وہ ایک بار پھر خاموش ہوگئی۔ دوبارہ بولنا شروع کیا تو آواز مزید دھیمی ہوگئی۔ الفاظ بھی رک رک کر ہونٹوں سے نکل رہے تھے۔ "میرے پاس تمہارے لئے نہ تو دولت کی کمی ہے نہ پیار کی۔تم زندگی کی چلچلاتی دھوپ میں خطرناک راستوں پر دوڑتے رہے ہو۔ بار بار ٹھوکریں بھی کھائی ہیں۔ اب تمہیں سنبھل جانا چاہئے۔ میں زندگی کے تپتے ہوئے صحرا میں تمہارے لئے وہ نخلستان ثابت ہوں گی جہاں درختوں کی ٹھنڈی چھاؤں میں بیٹھ کر تم آرام کرسکو گے۔ اس راستے پر چار قدم چل کر تو دیکھو......"

تابندہ کی مدھری آواز میرے کانوں میں رس گھولتی رہی۔ میری عجیب سی کیفیت ہورہی تھی۔ میں نے بے اختیار اپنا سر اس کی گود میں رکھ دیا۔ تابندہ میرے بالوں میں انگلیاں پھیرتی رہی اور دھیرے دھیرے بولتی رہی۔

میری زندگی میں بہت سی عورتیں آئی تھیں۔ رضیہ وہ پہلی عورت تھی جس نے مجھے نئے راستوں سے آشنا کرایا تھا لیکن ان راستوں میں ہیجان خیزی تھی۔ ہوس تھی... پریم کی چاشنی نہیں تھی۔ پھر بیلا سے تصادم ہوا۔ اس میں سیکس کی بلاخیزی تھی۔ پھر انکا اگنی ہوتری، رادھا اور کئی حسینائیں آئیں۔ ان سب نے اپنے آپ کو ایک خوش ذائقہ ڈش کی طرح پلیٹ میں سجا کر میرے سامنے پیش کیا۔ لیکن اس سپردگی کے پیچھے

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

بھی ہوس اور غرض تھی۔ پاکستان واس آیا تو نرگس سے ملاقات ہوئی۔ اس نے میری خاطر اپنے شوہر کو چھوڑ دیا۔ اس کے دل میں کچھ خلوص تھا۔ میرے لئے کچھ چاہت تھی۔ وہ مجھے ان خاردار راستوں سے نکال کر امن و آشتی اور پیار کی وادی میں لے جانا چاہتی تھی لیکن وہ زیادہ عرصہ تک میرا ساتھ نہ دے سکی۔ میرے دشمنوں کی ہوس کی بھینٹ چڑھ گئی۔

اور پھر حریری میرے راستے میں آ گئی۔ بہت عرصہ تک میں اسے اپنے لئے شجر ممنوعہ سمجھتا رہا لیکن ایک وقت ایسا آیا کہ وہ پکے ہوئے پھل کی طرح میری جھولی میں گر گئی۔ اس نے مجھے مستقبل کے سہانے سپنے دکھائے۔ میں اس کے حسن میں اس طرح پاگل ہو گیا تھا کہ اس کے اشاروں پر چلتا رہا۔ کئی آدمیوں کے خون سے ہاتھ رنگے اور اس کے لئے ایک مشکل ترین مشن کو پایہ تکمیل تک پہنچایا۔ گمشدہ ممی کے حصول کے لئے اس کی مدد کی۔ اس نے مجھے پندرہ فیصد کمیشن دینے کا وعدہ کیا تھا لیکن وہ خود فریبی کا شکار رہی تھی اس کے دل میں بھی مکر و فریب کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ وہ بے حد مکار و عیار ثابت ہوئی۔ اس نے بڑی خوبصورتی سے مجھے بے وقوف بنایا اور نہایت خاموشی سے ممی کو لے کر غائب ہو گئی۔ مجھے کیا ملا؟ چند راتوں کا وصال اور شاید یہی میرا کمیشن تھا۔ اس نے میرے ساتھ دھوکا تو ضرور کیا تھا لیکن مجھے محروم بھی نہیں رکھا تھا اور اب تابندہ۔

میں کئی ہفتوں سے تابندہ کی کوٹھی میں رہ رہا تھا۔ کئی مرتبہ ایسے مواقع آئے تھے کہ وہ مجھے اپنی طرف مائل کرنے کے لئے جذبات کا اظہار کر سکتی تھی لیکن اس نے کبھی ایسا نہیں کیا۔ مجھے حریری کی خوابگاہ میں گزری ہوئی وہ رات یاد تھی۔ صبح جب میں اپنے کمرے میں سونے کی کوشش کر رہا تھا تو تابندہ ہیولے کی طرح کمرے میں داخل ہوئی تھی اور میری پیشانی پر بوسہ دے کر واپس چلی گئی تھی۔ خاموشی سے! اور اب میں اسی کی گود میں سر رکھے سسک رہا تھا اور وہ میرے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے مجھے ایسا راستہ اختیار کرنے کا مشورہ دے رہی تھی جو مجھے شروع ہی میں اپنا لینا چاہئے تھا۔ اگر ایسا ہوتا تو آج یہ سب کچھ نہ ہوتا۔ میری یہ داستان نہ ہوتی۔

میں تابندہ کی گود میں سر رکھے اونگھ گیا۔ تیز گھنٹی کی آواز سے میری آنکھ کھل گئی۔ میں اٹھ گیا اور ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ مجھے سب کچھ بدلا بدلا سا لگ رہا تھا۔ نیا نیا لگ رہا تھا۔

ٹیلی فون کی گھنٹی بج رہی تھی۔ تابندہ نے قریب جا کر ریسیور اٹھا لیا۔ وہ کچھ دیر کسی سے باتیں کرتی رہی پھر ریسیور رکھ کر میری طرف مڑی تو اس کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی۔

''اشرف کا فون تھا۔'' اس نے میرے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔

''کون اشرف؟'' میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

''میرے دفتر کا جی ایم۔'' تابندہ نے کہا۔ ''کل اس کے گھر کچھ مہمان آنے والے ہیں اور اس نے ہمیں بھی چائے پر بلایا ہے۔''

''کوئی خاص تقریب؟'' میں نے پوچھا۔

''اشرف کے کچھ رشتے دار اس کی بیٹی کے رشتے کی بات کرنے آ رہے ہیں اور اس کے خیال میں اس موقع پر میری موجودگی بھی ضروری ہے۔ خیر! یہ تو آنے والے کل کی بات ہے۔ تم ابھی اٹھ کر تیار ہو

جاؤ۔ رات کا کھانا ہم باہر کھائیں گے۔''

''کہاں.....؟'' میں نے ایک بار پھر سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

''جیم خانہ میں۔ آج وہاں بھی ایک تقریب ہے۔ میرا جانے کا موڈ نہیں ہو رہا تھا لیکن تم ساتھ ہو گے تو.....''

''ٹھیک ہے۔'' میں نے اس کی بات کاٹ دی۔ ''لیکن جیم خانہ ہی کیوں، کسی اور جگہ کیوں نہ چلا جائے؟''

''میں جیم خانہ کی ممبر ہوں، میں باقاعدگی سے تو وہاں نہیں جاتی، کبھی کبھار کسی تقریب میں چلی جاتی ہوں اس طرح کچھ دوستوں سے ملاقات کا موقع بھی مل جاتا ہے۔'' تابندہ نے بتایا۔

''تو ٹھیک ہے۔ ہم جیم خانہ ہی چلیں گے۔'' میں نے کہا۔ ''لیکن کیا میری وجہ سے کسی کو اعتراض تو نہیں ہو گا؟''

''اعتراض کیسا۔'' تابندہ مسکرائی۔ ''ہر ممبر کو ایک مہمان اپنے ساتھ لانے کی اجازت ہے اور پھر تم پر اعتراض کیوں ہو گا۔ تمہیں مل کر تو لوگ خوش ہوں گے۔''

''کیوں، مجھے سرخاب کے پر لگے ہیں کیا؟'' میں نے گھورا۔

''بعض انجان اور اجنبی لوگوں سے مل کر بھی خوشی ہوتی ہے۔ جیسے پہلی مرتبہ تمہیں یہاں دیکھ کر مجھے خوشی ہوئی تھی۔'' اس نے آخری الفاظ کچھ جھجکتے ہوئے کہے تھے۔

میں دل ہی دل میں مسکرائے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ اس نے پہلے ہی دن سے مجھے اپنے دل میں بسا لیا تھا۔ اس کا اندازہ مجھے اس وقت بھی ہو گیا تھا جب میری راتیں حریری کی خوابگاہ میں بسر ہوتی تھیں۔ دو دن پہلے تک تابندہ کا موڈ آف رہا تھا۔ لیکن اب اچانک ہی اس میں یہ تبدیلی آ گئی تھی اور وہ بلبل کی طرح چہکنے لگی تھی۔ اس کی وجہ شاید یہ تھی کہ حریری جا چکی تھی۔ گویا اس کے راستے کا کانٹا نکل گیا تھا۔

''اچھا۔ تم تیار ہو جاؤ۔ میں بھی اپنے کمرے میں جا رہی ہوں۔'' تابندہ کہتے ہوئے صوفے سے اٹھ گئی۔

اپنے کمرے میں آ کر باتھ روم کے آئینے میں اپنا جائزہ لیا۔ حریری کے فراق میں، میں نے دو دن سے شیو نہیں کیا تھا۔ پہلے میں نے شیو بنایا اور پھر شاور کے نیچے کھڑا ہو گیا۔ ٹھنڈے پانی کے غسل سے بے حد سکون ملا تھا۔ تقریباً آدھے گھنٹے بعد میں جسم پر تولیہ لپیٹے غسل خانے سے برآمد ہوا اور الماری کھول کر ہینگروں پر لٹکے ہوئے کپڑوں کا جائزہ لینے لگا۔ پچھلے دنوں حریری کے ساتھ میں نے کئی ریڈی میڈ ملبوسات خریدے تھے۔ ایک سوٹ تابندہ کے ساتھ بھی خریدا تھا بلکہ میرے لئے یہ سفاری سوٹ تابندہ ہی نے پسند کیا تھا۔ پستئی رنگ کا یہ سفاری سوٹ مجھے بھی پسند تھا اور اس وقت میں نے یہی نکال لیا۔

میں تیار ہو کر کمرے سے باہر آ گیا۔ تابندہ کے کمرے کا دروازہ بند تھا۔ میں سامنے ہی ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔ اس کے تقریباً بیس منٹ بعد تابندہ کمرے سے برآمد ہوئی۔ اسے دیکھ کر میں اچھل پڑا۔ چہرے پر میک اپ تو وہ پہلے بھی کرتی تھی لیکن اس وقت نہایت ہلکے میک اپ اور گرے کلر کی ساڑھی نے اس کی ہیت ہی بدل دی تھی۔ کانوں میں ڈائمنڈ کے آویزے، گلے میں خوبصورت نیکلس اور بائیں ہاتھ کی

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

کلائی میں چار عدد طلائی چوڑیاں بھی نظر آ رہی تھیں۔ وہ بے حد حسین لگ رہی تھی۔

''کیسی لگ رہی ہوں؟'' اس نے مسکراتی ہوئی نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔

''بہت خوب، بہت حسین۔'' میں نے جواب دیا۔ ''ماتھے پر کالا ٹیکہ بھی لگالو تاکہ کسی کی نظر نہ لگ جائے۔''

''کوہ قاف کی پری بھی نہیں ہوں جسے نظر لگ جائے گی۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

''اس سے بھی زیادہ حسین ہو تم۔'' میں نے جواب دیا۔ ''کالا ٹیکا لگانے کی ضرورت نہیں۔ میں ہوں نا تمہارے ساتھ۔ جو میلی نظروں سے تمہاری طرف دیکھے گا اس کی آنکھیں نکال لوں گا۔''

''ایک منٹ۔ ذرا میرے ساتھ اندر آؤ۔'' تابندہ نے کہا۔

میں تابندہ کے ساتھ کمرے میں آ گیا۔ وہ مجھے ساتھ لے کر آئینے کے سامنے کھڑی ہو گئی۔ اس وقت اس کے ہونٹوں پر بڑی دلفریب مسکراہٹ تھی۔ میں بھی دل ہی دل میں مسکرا کر رہ گیا۔ تابندہ نے گویا مجھے اپنا ساتھی مان لیا تھا۔ وہ واقعی بہت معصوم تھی۔

وہ ڈریسنگ ٹیبل پر رکھی ایئرنئی کی بوتل اٹھا کر میرے لباس پر اسپرے کرنے لگی۔ بڑی مسحور کن خوشبو تھی اس کی۔

باہر نکلتے ہوئے تابندہ نے ملازمہ سے کہہ دیا کہ رات کو ہماری واپسی دیر سے ہوگی۔

پورچ میں گاڑی کے قریب پہنچ کر تابندہ جیسے ہی ڈرائیونگ سائیڈ والے دروازے کے قریب پہنچی، میں تیزی سے آگے آ گیا۔

''ڈرائیو میں کروں گا۔ تم ادھر بیٹھو۔ پسنجر سیٹ پر۔'' میں نے کہا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر دوسری طرف لے آیا۔ اسے پسنجر سیٹ پر بٹھا کر میں اوپر سے گھوم کر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔

تابندہ راستے میں بھی چہک رہی تھی۔ عجیب بات یہ ہوئی تھی کہ صرف دو گھنٹے پہلے تک حریری کی گمشدگی سے ہم دونوں کے موڈ آف تھے۔ تابندہ کا موڈ تو کئی روز سے اس لئے آف تھا کہ اس کے خیال میں حریری مجھے اس سے دور کر رہی تھی اور میں اس لئے پریشان تھا کہ حریری اطلاع دیے بغیر دو دن سے غائب تھی اور پھر اس کا فون آنے کے بعد میں بری طرح بپھر گیا تھا۔ اگر حریری میرے سامنے ہوتی تو میں اس کا گلا گھونٹ دیتا۔ اس نے جس طرح مجھے دھوکا دیا تھا اس سے شاید میں اپنے حواس کھو بیٹھتا لیکن وہ تابندہ ہی تھی جس نے میرا غصہ ٹھنڈا کیا تھا۔ اس کی باتوں نے بارش کی ہلکی پھوار کی طرح میرے سینے میں بھڑکتی ہوئی جذبات کی آگ ٹھنڈی کر دی تھی اور میں سوچ رہا تھا کہ اگر تابندہ اس وقت میرے پاس نہ ہوتی تو نجانے میں کیا کر بیٹھتا۔ حریری اگرچہ سینکڑوں میل دور تھی لیکن ہو سکتا ہے میں غصے میں پاگل ہو کر اس کی تلاش میں نکل کھڑا ہوتا لیکن تابندہ نے مجھے سنبھال لیا تھا اور صرف دو گھنٹوں بعد ہم دونوں کے موڈ بدل گئے تھے اور مزید حیرت کی بات یہ تھی کہ اس کے بعد ہم میں سے کسی نے اچھے یا برے الفاظ میں حریری کا تذکرہ تک نہیں کیا تھا۔ ہم دونوں شاید اسے بھول گئے تھے۔

ہوٹل میٹروپول کے پہلو میں چیف گیسٹ ہاؤس کے ساتھ وہ سڑک سیدھی پرل کانٹی نینٹل اور شیرٹن ہوٹل والے چوراہے تک چلی گئی تھی۔ جیم خانہ اس خوبصورت سڑک کے دائیں طرف شروع ہی میں

تھا۔ سڑک کے دونوں طرف چمچماتی ہوئی قیمتی گاڑیاں قطاروں میں کھڑی تھیں۔ میں نے بھی جگہ دیکھ کر گاڑی سائیڈ میں لگا دی۔

جیم خانہ میں بڑی رونق تھی۔ شہر کے بڑے بڑے صنعت کار، ساہوکار، بزنس مین اور اعلیٰ سرکاری حکام اپنی بیگمات کے ساتھ یہاں موجود تھے۔ فائیو اسٹار ہوٹلوں کے علاوہ ایسی ہی جگہوں پر بڑی بڑی پراسرار کہانیاں جنم لیتی ہیں۔ بیگمات چپکے چپکے ایسے ایسے کارنامے انجام دے ڈالتی ہیں کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔

تابندہ کا جس طرح استقبال ہوا تھا اس سے مجھے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ اعلیٰ ترین سوسائٹی کے اس حلقے میں اسے بڑی مقبولیت حاصل تھی۔ مجھے اس کے ساتھ دیکھ کر بیشتر لوگوں کو حیرت ہوئی تھی۔ بعض لوگوں نے خوشی کا اظہار کیا تھا اور بعض کی آنکھوں میں حسد و رقابت کی چنگاریاں چمک اٹھی تھیں۔

''تمہارے شوہر کے بعد یہ پہلا شخص ہے جسے تمہارے ساتھ دیکھا ہے۔'' ایک بڑے صنعت کار کی بیوہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''کون ہے یہ؟ کیا ارادہ ہے؟''

''تمہارے بھی تو آج کل اشفاق پانی والا کے ساتھ بڑے چرچے سننے جا رہے ہیں۔ تمہارا کیا ارادہ ہے؟'' تابندہ نے کہا۔ ''میرا تو مشورہ ہے کہ اس کے ساتھ دو بول پڑھوا کر لوگوں کے منہ بند کر دو۔''

''تمہارے اس دوست کو دیکھ کر تو میری نیت ڈانواں ڈول ہونے لگی ہے۔'' صنعت کار کی بیوہ ڈھٹائی سے مسکرا دی۔

''تابندہ۔'' قریب کھڑی ہوئی ایک اور عورت نے کہا۔ ''اپنے دوست کی خیریت چاہتی ہو تو اسے لے کر یہاں سے ہٹ جاؤ۔ جانتی ہو نا پچھلی مرتبہ اس تگڑم نے بیگم کریم کے دوست کا کیا حشر کیا تھا؟''

اور پھر یہ دلچسپ انکشاف ہوا کہ تین بیوہ خواتین کی ایک الگ پارٹی تھی جنہوں نے اس فضا کو دشوار بنا رکھا تھا۔ لوگوں نے انہیں تگڑم کا نام دے رکھا تھا۔ وہ تینوں جوانی میں بیوہ ہو گئی تھیں اور ان میں سے کسی کی عمر بھی پینتیس سال سے زیادہ نہیں تھی۔ وہ تینوں بلاشبہ کروڑ پتی تھیں اور بڑی ذہانت سے اپنے اپنے بزنس سنبھال رکھے تھے۔ ان کے بارے میں آئے دن سکینڈل بنتے رہتے تھے مگر انہوں نے کبھی پروا نہیں کی تھی۔

تقریب جو ہونی تھی وہ ہوئی اور پھر دس بجے ڈنر شروع ہو گیا۔ لوگ اپنی اپنی پلیٹیں لے کر ٹکڑیوں میں بٹ گئے۔ ہمارے ساتھ بیگم نصیر اور عارف صدیقی تھے۔ ان دونوں کا تعلق بزنس سے تھا اور ظاہر ہے ان ہی کی باتیں ہو رہی تھیں۔ میں اپنا کھانا کھاتے ہوئے خاموشی سے ان کی باتیں سن رہا تھا۔

ہم اس وقت لان میں تھے۔ ایک جوڑے کو گیٹ میں داخل ہوتے دیکھ کر میں ٹھٹک گیا۔ اس لڑکی کو تو میں نہیں جانتا تھا لیکن وہ عورت بیلا تھی۔ اس نے آبی رنگ کی ساڑھی پہن رکھی تھی۔ بہت سی نظریں اس کی طرف اٹھ گئی تھیں۔

میں قریب ہی رات کی رانی کے پودوں کی آڑ میں ہو گیا۔ میرا خیال تھا وہ دونوں بھی ان

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

طرف ہی آئیں گے لیکن وہ دوسری طرف مڑ گئے تھے۔ چند منٹ بعد ہی وہ لان میں آ گئے۔ ان دونوں کے ہاتھوں میں بھی کھانے کی پلیٹیں تھیں۔ وہ ایک گروپ میں شامل ہو گئے۔

میں پودوں کے پیچھے کچھ اور پیچھے کی طرف سرک گیا۔ میرے اور بیلا کے درمیان دس بارہ فٹ کا فاصلہ تھا۔ میرے دوسری طرف بھی کچھ لوگ موجود تھے۔

تابندہ نے شاید محسوس کر لیا کہ میں کسی سے چھپنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ وہ میری طرف آ گئی۔

''کیا بات ہے؟'' اس نے الجھی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھا۔ ''مجھے لگتا ہے تم کسی سے چھپنے کی کوشش کر رہے ہو۔''

''تمہارا اندازہ درست ہے۔'' میں نے کہا۔ ''وہ آدمی کون ہے۔ دائیں طرف، وہ جس نے نیلے پولکا ڈاٹس والی ٹائی پہن رکھی ہے۔''

''وہ رمضان سیٹھ کرنسی والا!'' تابندہ بولی۔ ''لوگ اسے بدروح کہتے ہیں۔ ہر جگہ گھسنے کی کوشش کرتا ہے۔ عمر ساٹھ سے کم نہیں ہوگی اور صورت دیکھ رہے ہو اس کی۔ نہ ناک نہ نقشہ، پھٹکار برستی ہے اس کی صورت پر لیکن اس کے ساتھ ہمیشہ جوان اور خوبصورت عورتوں ہی کو دیکھا گیا ہے۔ اس عورت کو میں نے ایک مرتبہ پہلے بھی اس کے ساتھ دیکھا تھا۔ یہ شاید پندرہ دن پہلے کی بات ہے لیکن تم اس کے بارے میں کیوں پوچھ رہے ہو۔''

''مجھے اس بدروح سے نہیں، اس عورت سے دلچسپی ہے۔'' میں نے کہا۔

''کیا.....؟'' تابندہ نے مجھے گھورا۔

''پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔'' میں مسکرایا۔

''اس سے پہلے کہ وہ عورت مجھے دیکھ لے ہمیں یہاں سے نکل جانا چاہئے۔''

''لگتا ہے تم اس کی کوئی قیمتی چیز چھین کر بھاگے ہوئے ہو اور اب پکڑے جانے کے خوف سے بھاگ رہے ہو۔'' تابندہ نے کہا۔

''جو چاہو سمجھ لو۔ فی الوقت تو یہاں سے نکلنا بہت ضروری ہے۔ اگر اس نے مجھے دیکھ لیا تو پھر غائب ہو جائے گی اور اسے تلاش کرنا مشکل ہوگا۔'' میں نے اپنی پلیٹ پودے کے قریب گھاس پر رکھتے ہوئے کہا اور پھر تابندہ کی پلیٹ بھی اس سے لے کر نیچے رکھ دی۔

''بات کچھ سمجھ میں نہیں آ رہی۔'' تابندہ ٹشو پیپر سے ہاتھ پونچھتے ہوئے بولی۔ ''غائب ہونے کی کوشش تو تم کر رہے ہو اور......''

''میں سمجھا دوں گا۔ آؤ میرے ساتھ۔'' میں نے اس کی بات کاٹ دی۔ میں پودوں کی آڑ لیتا ہوا لان سے نکل کر گیٹ کی طرف بڑھ گیا۔ تابندہ ایک جگہ رک کر کسی سے باتیں کرنے لگی تھی پھر وہ بھی تیز قدم اٹھاتی ہوئی گیٹ کی طرف آ گئی۔

اس مرتبہ بھی ڈرائیونگ سیٹ میں نے ہی سنبھالی تھی۔ تابندہ پسنجر سیٹ پر بیٹھ گئی۔

''تم نے کھانا بھی نہیں کھانے دیا۔ مجھے تو بڑے زور کی بھوک لگ رہی ہے۔'' وہ ڈیش بورڈ پر رکھے ہوئے ڈبے میں سے ٹشو پیپر نکالتے ہوئے بولی۔

''بھوک تو مجھے بھی لگ رہی ہے۔ راستے میں کسی اچھے سے ریسٹورنٹ میں کھانا کھالیں گے۔'' میں نے انجن اسٹارٹ کرتے ہوئے جواب دیا۔

کار کو ہوٹل میٹروپول کے اوپر سے گھما کر ہم شاہراہ فیصل پر نکل آئے۔ اس سڑک پر ٹریفک کے اژدھام کی وجہ سے گاڑی کی رفتار زیادہ نہیں رکھی جا سکتی تھی۔

''ہاں۔ اب بتاؤ وہ عورت کون تھی اور تم اس طرح اس سے نظریں کیوں چرا رہے تھے۔'' تابندہ نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''وہ عورت نہیں ناگن ہے۔'' میں نے جواب دیا۔ ''تم اس کے بارے میں سنو گی تو شاید میرا یقین نہیں کرو گی۔''

''میں تمہاری ہر بات کا یقین کر لوں گی۔ تم بتاؤ تو سہی۔'' وہ مسکرا دی۔

میں چند لمحے خاموش رہا اور پھر شروع سے اسے اپنے بارے میں آگاہ کرنے لگا۔ میں نے اپنی داستان اس وقت سے شروع کی تھی جب عمر کوٹ سے مجھے اغوا کیا گیا تھا۔ راجستھان میں بیلا سے بار بار ٹکراؤ، را کے دوسرے ایجنٹوں سے معرکے، دہشت گردوں کو تربیت دینے والے کیمپ کی تباہی، وہاں سے فرار اور پاکستان واپس آ کر رضیہ اور شاہ جی سے ٹکراؤ اور پھر کراچی کے حالات، میں زیادہ تفصیل میں نہیں گیا تھا تاہم اپنی زندگی کے اہم واقعات بتا دیئے تھے۔

''یہ وہی بیلا ہے۔'' میں آخر میں کہہ رہا تھا۔ ''چند روز پہلے یہ شیرٹن میں بھی نظر آئی تھی لیکن وہاں اس نے مجھے دیکھ لیا تھا اور غائب ہو گئی تھی۔ یہاں میں اپنے آپ کو اس کی نظروں سے اس لئے پوشیدہ رکھنا چاہتا تھا کہ وہ مجھے دیکھ کر پھر غائب نہ ہو جائے۔''

''لیکن تم اسے چھوڑ کر چلے کیوں آئے؟'' تابندہ نے میرے خاموش ہونے پر کہا۔ ''اس طرح تو اسے پھر غائب ہونے کا موقع مل جائے گا۔ بہتر طریقہ تو یہ تھا کہ تم اسے پولیس کے حوالے کر دیتے اور یہ بہترین موقع بھی تھا کیونکہ اس وقت جم خانہ میں ایک ایس پی بھی موجود تھا۔''

''میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ بیلا اکیلی نہیں ہوگی۔'' میں نے جواب دیا۔ ''اس کے ساتھ را کے دوسرے ایجنٹ بھی ہوں گے اور ان میں یقیناً دو چار خوبصورت لڑکیاں بھی شامل ہوں گی۔ بیلا تو پکڑی جاتی لیکن اس کے دوسرے ساتھی ہوشیار ہو جاتے۔'' میں چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بولا۔ ''مجھے اس طرح سے اطمینان ہو گیا ہے کہ سیٹھ رمضان کرنسی والا عرف بدروح کی وجہ سے اسے دوبارہ تلاش کرنا زیادہ مشکل نہیں ہوگا۔ میں اس بدروح کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں۔ وہ کون ہے؟ کیا کرتا ہے اور کہاں رہتا ہے؟''

''وہ واقعی بدروح ہے۔'' تابندہ نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔ ''ذات کا رانگڑ ہے اور راجستھان ہی کا رہنے والا ہے۔ اپنے آپ کو کسی مہاراجہ کے خاندان کا بتاتا ہے لیکن یہاں بھی سب لوگ اس کی اصلیت سے واقف ہیں۔ سنا ہے راجستھان میں شتربانی کیا کرتا تھا۔ چند سال پہلے اسمگلروں کی ایک پارٹی کے ساتھ سرحد پار کر کے پاکستان آ گیا۔ کچھ عرصے میرپور خاص میں رہا پھر کراچی آ گیا اور یہاں سبزی منڈی میں آڑھت شروع کر دی لیکن پھر اچانک ہی آڑھت کا کام چھوڑ کر کرنسی کا کاروبار شروع کر دیا۔ اب تو اس کے پاس باقاعدہ لائسنس ہے اور اس کے بزنس کو قانونی تحفظ حاصل ہے حالانکہ

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

عام تاثر یہ ہے کہ لائسنس کی آڑ میں وسیع پیمانے پر کرنسی کا غیر قانونی دھندہ کرتا ہے۔'' وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگی۔

''اس کی عمر ساٹھ سے کچھ اوپر ہی ہے۔ شکل وصورت تم دیکھ چکے ہو۔ کوئی ذی ہوش عورت اس کے قریب آنا بھی پسند نہیں کرے گی۔ لیکن دولت میں بڑی کشش ہوتی ہے۔ حسین اور جوان عورتیں اس کے دفتر میں جمع رہتی ہیں۔ اس کے دفتر کا اسٹاف بھی جوان اور حسین لڑکیوں پر مشتمل ہے۔ اب تک پانچ شادیاں کر چکا ہے لیکن کوئی بھی شادی چند مہینوں سے زیادہ نہیں چلی۔ بیوی کے حوالے سے آج کل فارغ ہی ہے۔ اس کی شام میں گھر سے باہر ہی گزرتی ہیں۔ اس کے ساتھ ہمیشہ کوئی نہ کوئی حسین عورت دیکھی جاتی ہے۔ زیادہ تر فائیو اسٹار ہوٹلوں میں اٹھنا بیٹھنا ہے اور حیرت کی بات یہ ہے کہ یہ شخص غیر ملکیوں کو بھی نہایت آسانی سے پھانس لیتا ہے۔ ان ہوٹلوں میں اس کا زیادہ وقت چٹی چمڑی والی عورتوں کے ساتھ ہی گزرتا ہے۔''

''اس کی رہائش کہاں ہے؟'' میں نے اس کے خاموش ہونے پر پوچھا۔

''ڈیفنس میں بہت شاندار کوٹھی بنوا رکھی ہے جہاں پر چاند کی چودھویں شب کو سوئمنگ پارٹی ہوتی ہے۔'' تابندہ نے بتایا۔

''سوئمنگ پارٹی!'' میں نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

ہاں۔'' تابندہ نے اثبات میں سر ہلایا۔'' کوٹھی کے عقبی لان میں سوئمنگ پول ہے۔ سوئمنگ پارٹی میں زیادہ تر جوان اور حسین عورتوں کو ہی مدعو کیا جاتا ہے۔ دو چار مرد بھی ہوتے ہیں۔''

''حیرت ہے۔'' میں نے کہا۔'' یہاں یہ سب کچھ ہوتا ہے۔''

''یہ پوچھو کہ یہاں کیا کچھ نہیں ہوتا۔'' تابندہ نے جواب دیا۔'' یہ سب دولت کے کھیل ہیں۔ دولت نہ صرف سارے عیب چھپا لیتی ہے بلکہ اونچی سوسائٹی کے لوگ تو قانون کو بھی اپنی مرضی کے مطابق استعمال کرتے ہیں۔ اس طبقے میں جس طرح قانون اور اخلاق کی دھجیاں اڑائی جاتی ہیں اس کی مثال نہیں ملتی۔''

یہ میرے لئے کوئی انکشاف نہیں تھا۔ میں تو خود ان تجربات سے دوچار ہو چکا تھا۔ میں نے تو اس اعلیٰ سوسائٹی میں ایسی چیزیں بھی دیکھی تھیں کہ شیطان بھی شرما اٹھے مگر بندے کو شرم نہیں آتی تھی۔

ہم شاہراہ فیصل پر بہت ہلکی رفتار سے سفر کرتے ہوئے ڈرگ روڈ سٹیشن کے سامنے راشد منہاس روڈ پر مڑ گئے تھے۔ یہ سڑک ڈرائیوان سینما کے سامنے سے ہوتی ہوئی گلشن اقبال کی طرف چلی گئی تھی۔

''لیکن تمہیں اس کے بارے میں اتنی ساری معلومات کیسے حاصل ہوئیں؟'' میں نے اس کی طرف دیکھے بغیر پوچھا۔

''ایک مرتبہ اس نے مجھ پر بھی ڈورے ڈالنے کی کوشش کی تھی۔'' تابندہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔'' یہ تقریباً دو سال پہلے کی بات ہے۔ ہمارا آمنا سامنا ایک تقریب میں ہوا تھا۔ اسے جب پتا چلا کہ میں بیوہ ہوں اور دولت مند بھی ہوں تو پنجے جھاڑ کر میرے پیچھے پڑ گیا تھا اور تمہیں یہ جان کر حیرت ہوگی کہ اس نے جتنی بھی شادیاں کی ہیں دولت مند بیواؤں ہی سے کی ہیں۔ ان سے بھی اس نے اچھی خاصی دولت

اینٹھی تھی۔ یہ ایک مرتبہ مجھے اپنی کوٹھی پر بھی لے گیا تھا۔ اس کی نیت تو یقیناً اچھی نہیں تھی، لیکن یہ اپنے ارادے میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔ اس کے بعد بھی یہ کوشش کرتا رہا لیکن میں نے اسے کبھی منہ نہیں لگایا۔ اس سے ہمیشہ دور ہی رہنے کی کوشش کرتی ہوں۔''

''مردوں سے اس کے تعلقات کیسے ہیں؟ میرا مطلب ہے سرکاری افسران اور حکومت کے اعلیٰ عہدوں پر فائز لوگوں سے اس کے تعلقات کیسے ہیں؟'' میں نے پوچھا۔

''بعض لوگ تو اسے قریب نہیں پھٹکنے دیتے اور بعض لوگوں سے اس کے تعلقات بہت اچھے ہیں اور ان میں دو لوگ شامل ہیں جنہیں یہ چاند کی چودھویں شب کو اپنے ہاں ہونے والی سوئمنگ پارٹیوں میں بلاتا رہتا ہے۔'' تابندہ نے جواب دیا۔

کار نیپا چورنگی پر پہنچ چکی تھی۔ چورنگی سے آگے نکل کر میں نے کار کے ایف سی والی گلی میں موڑ کر روک لی۔

اس وقت اگرچہ رات کے بارہ بج چکے تھے لیکن کے ایف سی کے ہال میں کوئی میز خالی نہیں تھی۔ ایک ویٹر ہماری رہنمائی کرتا ہوا اوپر والے ہال میں لے آیا۔ اس ہال میں بھی صرف دو میزیں خالی تھیں جن میں سے ایک پر ہم نے قبضہ کر لیا۔

ایک بجے ہم باہر نکلے تو اس وقت بھی اس فوڈ پارلر کی رونق میں کوئی کمی نہیں آئی تھی۔

اس رات گھر پہنچ کر بھی ہم دیر تک بیلا اور سیٹھ رمضان کرنسی والا کے بارے میں باتیں کرتے رہے۔ تابندہ کی باتوں سے میں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ کس قسم کا انسان تھا۔ کسی بھی ملک میں غیر ملکی ایجنٹوں کو ایسے ہی لوگوں کی تلاش ہوتی ہے اور سیٹھ رمضان جیسے لوگ تو بڑی آسانی سے ان کے آلہ کار بن جاتے ہیں۔ اس کی عمر ساٹھ سال سے اوپر تھی۔ شکل وصورت بھی ایسی نہیں تھی کہ کوئی عورت اس کی توجہ حاصل کر سکے۔ ایسی صورت حال میں بیلا جیسی حسین عورت خود بخود اس کی طرف کھنچی چلی آئے تو وہ اس کے لئے نعمت غیر مترقبہ ہی ثابت ہوتی۔

غیر ملکی ایجنٹ عام طور پر جوان اور پھرتیلے لوگوں کو پسند کرتے ہیں لیکن سیٹھ رمضان جیسے بوڑھے بھی ان کے لئے بڑے کارآمد ثابت ہوتے ہیں۔ ان کے سماجی رتبے اور تعلقات سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔ سیٹھ رمضان کے بھی اعلیٰ سرکاری حکام سے تعلقات تھے۔ وہ انہیں اپنی کوٹھی پر سوئمنگ پارٹیوں میں کبھی کبھی بلایا کرتا تھا۔ سوئمنگ پول پر حسیناؤں کے جھرمٹ میں وہ لوگ کیا کیا گل نہیں کھلاتے ہوں گے۔ ایسے موقع پر تو ان سے کوئی بھی بات اگلوائی جا سکتی تھی۔

☆.....☆.....☆

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

میں بیلا سے بہت اچھی طرح واقف تھا۔ وہ دنیا کی خطرناک ترین عورت تھی۔ اس میں بے پناہ صلاحیتیں تھیں اور وہ ان صلاحیتوں سے فائدہ اٹھانا بھی جانتی تھی۔ سیٹھ رمضان کرنسی والا جیسے بدصورت اور کھوسٹ کو اپنا آلہ کار بنا کر وہ بڑی آسانی سے دوسروں تک پہنچ سکتی تھی۔

بیلا کسی معمولی مشن پر یہاں نہیں آئی ہوگی۔ را میں اس کی اہمیت سے بھی میں اچھی طرح واقف تھا۔ اسے بڑے اور اہم مشنوں پر ہی ملک سے باہر بھیجا جاتا تھا۔ اس سے پہلے بھی وہ کئی مرتبہ پاکستان آ چکی تھی اور جب بھی یہاں آئی تھی یہاں خاصی افراتفری مچا کر گئی تھی۔ آخری مرتبہ وہ اس وقت آئی تھی جب دہشت گردی کی تربیت کیلئے نوجوانوں کو منتخب کر کے راجستھان کے ٹریننگ کیمپوں میں بھیجا جا رہا تھا۔ بعض نوجوان حسین عورتوں' شراب اور دولت کے لالچ میں آ کر اس کے شکنجے میں پھنس جاتے تھے۔ بعض کو اغوا کر کے سرحد پار پہنچا دیا جاتا جہاں ان کی برین واشنگ کر کے ان کی سوچوں کا رخ بدل دیا جاتا اور انہیں پاکستان واپس بھیج کر انہی سے تخریب کاری کرائی جاتی۔

مجھے بھی اس مقصد کیلئے اغوا کیا گیا تھا لیکن سرحد پار کرتے ہی میں ان کے ہاتھوں سے نکل گیا اور بیلا میری قیدی بن گئی لیکن وہ بہت چالاک ثابت ہوئی تھی۔ اس نے ایک مندر میں ناگ راج کے سامنے مجھے پیش کر دیا لیکن میں وہاں سے بھاگ نکلا اور اس کے بعد ہمارے درمیان ایک طویل جنگ شروع ہو گئی۔

میں نے ماؤنٹ آبو میں ان کا دہشت گردی کا ٹریننگ کیمپ تباہ کر دیا۔ ناگ راج خطرناک ترین آدمی تھی۔ وہ سانپ کے زہر سے ایک ایسا انجکشن تیار کر رہا تھا جو انسانیت کیلئے تباہ کن ثابت ہوتا۔ یہ زہریلا اور خوفناک ترین انجکشن خاص طور پر پاکستان کیخلاف استعمال کے لیے تیار کیا جا رہا تھا لیکن میں نے ناگ راج کو موت کے گھاٹ اتار کر اس کا یہ منصوبہ خاک میں ملا دیا۔

راجستھان میں طویل عرصے تک بیلا سے میری آنکھ مچولی جاری رہی تھی۔ کبھی میں اس کے ہتھے چڑھ جاتا اور کبھی وہ میری گرفت میں آ جاتی لیکن ہم دونوں ایک دوسرے کو چکمہ دیتے رہے اور بالآخر میں وہاں سے فرار ہو کر پاکستان آنے میں کامیاب ہو گیا۔ اور اب بیلا یہاں دکھائی دے رہی تھی اور میں نے اسے دیکھتے ہی فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ جس مقصد سے بھی آئی ہو میں اسے اس کے ارادوں میں کامیاب نہیں ہونے دوں گا۔

تابندہ نے بھی میری باتوں سے اندازہ لگا لیا تھا کہ میں ایک بار پھر ایک نئے راستے پر چلنے والا

...ہوں۔ اس کی آنکھوں میں اور چہرے پر تشویش نمایاں تھی۔ اسے یہ خدشہ لاحق ہو گیا تھا کہ میں اسے چھوڑ کر ...چلا جاؤں گا۔

"میری ایک بات مان لو نا جی۔" وہ میرے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بولی۔ "تم شتر بے ...مہار کی طرح بھاگتے رہے ہو۔ آج تک کوئی ایسا شخص نہیں ملا جو تمہیں سنبھال سکتا۔ جو بھی ملا اس نے تمہیں ...اپنے گھناؤنے مقاصد کیلئے استعمال کیا۔ تم اپنی زندگی کے کئی سال ضائع کر چکے ہو۔ تم اپنے بیتے ہوئے ...دنوں پر فخر نہیں کر سکتے۔ تم کسی محفل میں بیٹھ کر یہ نہیں کہہ سکتے کہ تم بہت بڑے سمگلر رہے ہو۔ یا تمہارے ...ہاتھوں کتنے آدمی مارے جا چکے ہیں۔ کوئی بھی قابل فخر بات تمہارے ماضی سے وابستہ نہیں ہے۔"

"تم ٹھیک کہتی ہو۔" میں نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ "لیکن اس کا ذمے دار میں خود نہیں ...ہوں۔ مجھے اس وقت ایک غلط راستے پر ڈال دیا گیا جب مجھے اپنے اچھے برے کی تمیز نہیں تھی۔ کوئی شعور ...نہیں تھا۔ مجھے نوعمری میں ایک ایسی چاشنی سے روشناس کرا دیا گیا جسے میں زندگی کی معراج سمجھ بیٹھا اور ...میرے لیے سب کچھ وہی بن گیا۔ میں نے عورت اور دولت کے حصول کو ہی زندگی کا مقصد سمجھ لیا۔ مجھے یہ ...سوچنے بھی نہیں دیا گیا کہ کیا جائز ہے اور کیا ناجائز۔

ایک وقت ایسا بھی آیا کہ ازخود مجھے احساس ہو گیا کہ میں جو کچھ بھی کر رہا ہوں غلط کر رہا ہوں۔ ...ہیروئن کی پڑیا فروخت کر کے میں اپنے لئے تو زندگی کی تمام آسائشیں خرید سکتا تھا لیکن مجھے اندازہ نہیں ہوا ...تھا کہ اس پڑیاں میں موجود چٹکی بھر پاؤڈر کیا گل کھلا سکتا ہے اور جب احساس ہوا تو وقت گزر چکا تھا۔ میں نے ...ایک نوجوان کو تڑپ تڑپ کر جان دیتے دیکھا تو کانپ اٹھا۔ پڑیا کے چٹکی بھر پاؤڈر نے اسے نچوڑ کر رکھ دیا۔ ...زندگی قطرہ قطرہ کر کے اس کے جسم سے نکل چکی تھی۔ دھواں بن کر ہوا میں اڑ گئی تھی۔ وہ نوجوان جس طرح ...ہاتھوں سے اپنی بوٹیاں نوچ رہا تھا وہ سب دیکھ کر میں لرز اٹھا۔ مجھے اس دھندے سے نفرت ہو گئی اور جب ...میں نے اس دھندے سے الگ ہونا چاہا دوسروں کا راستہ روکنے کی کوشش کی تو انکشاف ہوا کہ یہ سب کچھ ...اتنا آسان نہیں جتنا میں نے سوچا تھا۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ منشیات کا دھندہ کرنے والے یہ لوگ اتنے ...طاقتور ہیں کہ حکومت کے تختے بھی الٹ سکتے ہیں۔ میں تو ان کے سامنے ایک معمولی سا تنکا تھا جسے وہ ہلکی ...سی پھونک سے اڑا سکتے تھے۔ لیکن میں پیچھے نہیں ہٹا۔ اس پڑیا کی تباہ کاریاں میں دیکھ چکا تھا۔ میں نے ...بعض بڑے سوداگروں کو اس طرح چت کیا کہ ان میں اٹھنے کی سکت نہیں رہی۔ بعض میرے ہاتھوں مارے ...گئے۔ میرا خیال تھا کہ ایسے کارناموں پر مجھے میڈل ملنے چاہئیں تھے لیکن میں مجرم تھا پھر قاتل بن گیا۔ ...قانون بھی میرے پیچھے لگ گیا۔ مجھے دونوں طرف سے گھیرنے کی کوشش کی جا رہی تھی۔ ایک طرف موت ...کے سوداگر تھے اور دوسری طرف قانون کے محافظ۔ دونوں کا مقصد ایک ہی تھا۔ وہ مجھے صفحۂ ہستی سے مٹا دینا ...چاہتے تھے۔ میں ان سے بچنے کیلئے بھاگتا رہا۔

"اس وقت میں نے فیصلہ کیا تھا کہ کسی گمنام جگہ پر گمنامی کی زندگی گزاروں گا لیکن مقدر نے ...پلٹا کھایا اور قلابازی کھائی اور میں ہندوستان پہنچ گیا۔ وہاں کی صورتحال میرے لئے پاکستان سے بھی زیادہ سنسنی ...خیز ثابت ہوئی۔ یہاں میرے ملک کے خلاف سازشیں ہو رہی تھیں۔ میں نے بھی اپنے ملک میں کوئی قابل ...فخر کارنامے انجام نہیں دیئے تھے۔ میں یہاں بھی مجرم تھا' قاتل تھا اور قانون کو مطلوب تھا لیکن ایک غیر جگہ

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

پر اپنے ملک کے خلاف ہونے والی سازشوں سے میرے اندر حب الوطنی کا جذبہ جاگ اٹھا۔ یا شاید یہ بات تھی کہ ہندوستان میں قدم رکھتے ہی میرے ہاتھوں کئی آدمی مارے گئے تھے اور وہاں کا قانون اور ایک بہت بڑی طاقت بھی میرے پیچھے لگ گئی اور میں اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کرتے ہوئے انہیں زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچاتا رہا۔'' میں خاموش ہو کر گہرے گہرے سانس لینے لگا۔ تابندہ بڑی توجہ اور دلچسپی سے میری باتیں سن رہی تھی۔ میں کچھ دیر خاموش رہا اور پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''میں دوبارہ اپنی سرزمین پر آ گیا۔ ہندوستان میں میرے کارناموں کی داستانیں یہاں تک پہنچ چکی تھیں لیکن ان سے یہاں میرے ماضی پر کوئی فرض نہیں پڑا۔ میں اب بھی قانون کو موسٹ وانٹڈ تھا اور موت کے سوداگر وہ بھیڑیا فطرت انسان گھات لگائے بیٹھے تھے۔ مجھے ایک بار پھر بھاگنا پڑا لیکن اس بار مجھے ان پر کچھ بالادستی بھی حاصل تھی۔ نرگس مجھے کراچی لے آئی۔ ہمارا خیال تھا کہ کراچی انسانوں کا جنگل ہے۔ یہاں ہمیں تلاش نہیں کیا جا سکے گا اور ہم یہاں گمنام رہ کر سکون کی زندگی گزار سکیں گے لیکن یہاں جو کچھ ہوا تم دیکھ چکی ہو۔

''لاہور کے ملک رمضان سے لے کر کراچی کے تحریکی تک' رضیہ سے لے کر حریری تک' سینکڑوں ہستیاں میری زندگی میں آئیں۔ ہر ایک نے حسب توفیق مجھ سے فائدہ اٹھانے کیک وشش کی۔ کسی نے مجھ سے یہ نہیں کہا کہ وہ مجھے پناہ دے گا۔ اور اس دلدل سے نکالنے کی کوشش کرے گا۔ تم بھی اچھی طرح جانتی ہو کہ میں گردن تک گناہوں اور جرائم کی دلدل میں پھنسا ہوا ہوں۔ اس کے باوجود تم مجھے اپنانا چاہتی ہو۔ یہاں میرے سیکڑوں دشمن ہیں۔ کسی کی انگلی کا اشارہ مجھے کسی بھی لمحہ آہنی سلاخوں کے پیچھے پہنچا سکتا ہے اور میرا انجام پھانسی کے تختے پر ہی ہوگا۔ دنیا کی کوئی طاقت مجھے نہیں بچا سکے گی۔ یہ سب کچھ جانتے ہوئے بھی۔''

''ہاں۔ میں تمہیں اپنانا چاہتی ہوں۔'' تابندہ نے میری بات کاٹ دی۔ ''میں تمہاری جوانی اور رعنائی پر عاشق نہیں ہوئی' نہ ہی میرا کوئی اور مفاد وابستہ ہے۔ میں نے بہت سوچ سمجھ کر تمہیں اپنانے کا فیصلہ کیا ہے۔ میں تمہیں اس دلدل سے نکالوں گی۔ تمہیں دنیا کی نظروں سے چھپا کر رکھوں گی۔ یہاں نہیں تو میں تمہیں کہیں اور لے جاؤں گی۔ ہم یہ ملک چھوڑ دیں گے۔ میرے پاس دولت کی کمی نہیں ہے۔ میں دبئی میں بیٹھ کر بھی یہ بزنس چلا سکتی ہوں۔ یہاں اشرف جیسے دیانتدار لوگ موجود ہیں۔ وہ اس دفتر کو سنبھال لیں گے۔ میں تمہیں لے کر یہاں سے بہت دور چلی جاؤں گی اور تم پر کسی کی نظر نہیں پڑنے دوں گی.....''

''تم جذباتی ہو رہی ہو۔'' میں نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔

''نہیں ناجی۔ میں جذباتی نہیں ہو رہی۔'' تابندہ نے جواب دیا۔ وہ چند لمحے میرے چہرے کو تکتی رہی اور پھر والہانہ انداز میں مجھ سے لپٹ گئی۔ ''انکار مت کرنا ناجی۔''

وہ سسکی بھرتے ہوئے بولی۔ ''بیسیوں لوگ میرے ایک اشارے کے منتظر ہیں' ان میں کروڑ پتی' صنعت کار بھی ہیں اور بزنس مین بھی۔ میں کسی کو بھی ایک اشارے پر اپنے قدموں میں جھکا سکتی ہوں لیکن میں جانتی ہوں وہ صرف اور صرف میرے حسن کی وجہ سے مجھے حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اپنے نوادرات کے ذخیرے میں ایک آئٹم کا اضافہ کرنا چاہتے ہیں۔ جب ان کی خواہش پوری ہو جائے گی' ان کا دل بھر

جائے گا تو وہ مجھے طاق نسیاں پر رکھ دیں گے۔ میں شوپیس نہیں بننا چاہتی میں زندگی گزارنا چاہتی ہوں کسی ایسے شخص کے ساتھ جو مجھے سمجھ سکے۔ مجھے کسی نمائشی چیز یا کنیز سمجھنے کے بجائے میرے احساسات کو سمجھ سکے اور۔'' وہ خاموش ہو گئی۔ اس نے مجھے دونوں بانہوں سے پکڑ کر میرا چہرہ اپنے سامنے کر لیا۔ ''اور تم وہ شخص ہو جو میرے ساتھ قدم ملا کر چل سکتا ہے۔''

''تابندہ۔'' میں نے اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں لے لیا۔ ''میں بہت دنوں سے یہاں رہ رہا ہوں۔ اس دوران یہ اندازہ لگا چکا ہوں کہ یہاں تمہاری بہت عزت ہے۔ اونچی سوسائٹی میں لوگ تمہیں احترام کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ کسی کو میرے بارے میں شبہ بھی ہو گیا تو تمہاری عزت خاک میں مل جائے گی۔ میں تو بارود کا وہ ڈھیر ہوں جسے معمولی سی چنگاری بھی دھماکے سے اڑا سکتی ہے اور جب دھماکہ ہوگا تو سب کچھ ختم ہو جائے گا۔''

''مجھے اس کی پروا نہیں۔'' تابندہ نے کہا۔ ''میں نے ہر قیمت پر تمہیں اپنانے کا فیصلہ کر لیا ہے۔''

''میری زندگی میں آنے والی تم پہلی ہستی ہو جس کے سوچنے کا انداز دوسروں سے مختلف ہے۔'' میں نے کہا۔ ''میں بھی اپنے آپ کو خوش قسمت سمجھتا ہوں کہ اس خاردار راستے پر کوئی تو ایسا ملا جو میرا ہمدرد اور بہی خواہ ہو' لیکن۔''

''لیکن کیا۔'' اس نے اپنے چہرے پر ٹکے ہوئے میرے دونوں ہاتھ پکڑ لئے۔

''بیلا یہاں موجود ہے۔'' میں نے ہاتھ اس کے چہرے سے ہٹا لئے۔ ''اور میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ وہ کتنی خطرناک عورت ہے۔ وہ یقیناً کسی بڑے مشن پر یہاں آئی ہے۔ میں خاموش یا ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا تو نہیں رہ سکتا۔''

''میں تمہیں روکوں گی نہیں۔'' تابندہ نے کہا۔ ''لیکن یہ کام کسی اور طریقے سے بھی ہو سکتا ہے۔ اس کی سرگرمیاں روکی جا سکتی ہیں۔''

''مثلاً؟'' میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

''پولیس کو اس کے بارے میں اطلاع دے دی جائے۔ پولیس اسے گرفتار کر لے گی۔'' تابندہ نے کہا۔

''یہ بات میں تمہیں پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ صرف بیلا کی گرفتاری سے مسئلہ حل نہیں ہوگا۔'' میں نے کہا۔ ''یہاں تو را کا پورا نیٹ ورک ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ کم از کم کراچی میں موجود سب لوگوں پر بیک وقت ہاتھ ڈالا جائے۔''

''تو پھر ایک بات میری سمجھ میں آتی ہے۔'' تابندہ بولی۔

''سی آئی اے کا انسپکٹر فرمان میرا دوست ہے۔'' اس نے کہا۔ ''اس سے بات کی جائے۔ وہ لوگ اپنے طور پر بیلا اور اس کے دوسرے ساتھیوں کے بارے میں تحقیقات کر کے کارروائی کریں گے۔''

''لیکن اس طرح خود میرے لیے مسائل پیدا ہو جائیں گے۔'' میں نے کہا۔ ''انسپکٹر فرمان کو اگر ذرا سا بھی شبہ ہو گیا کہ میں کون ہوں تو بنا بنایا کھیل بگڑ جائے گا۔'' ''ایسا نہیں ہوگا۔'' تابندہ مسکرائی۔ ''یہ

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

سب کچھ تم مجھ پر چھوڑ دو بلکہ میرے ذہن میں ایک اور ترکیب آ رہی ہے۔ میں کوشش کروں گی کہ تمہیں سامنے آنے کی ضرورت ہی نہ پڑے۔"

"کیسی ترکیب؟" میں نے پوچھا۔

"مجھے ذرا سوچ لینے دو۔ ہم کل بات کریں گے۔" اس نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔" میں نے کہا۔ "تو پھر یہ محفل برخاست کر دی جائے۔ مجھے نیند آ رہی ہے۔"

تابندہ میری اس بات پر مسکرائے بغیر نہیں رہ سکی تھی۔ وہ خاموشی سے اٹھ کر اپنے کمرے کی طرف چلی گئی اور میں اپنے کمرے میں آ گیا۔

لباس تبدیل کر کے میں بستر پر لیٹ گیا۔ رات کے سوا دو بج رہے تھے میں اگرچہ نیند کا بہانہ کر کے وہاں سے اٹھا تھا لیکن حقیقت یہ تھی کہ میری آنکھوں میں کوسوں دور تک نیند کا نشان نہیں تھا۔

میں تابندہ کے بارے میں سوچتا رہا وہ میرے بارے میں جذباتی ہو رہی تھی۔ اس نے مجھے اپنا جیون ساتھی بنانے کا فیصلہ کر لیا تھا اور میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اسے میرے اندر ایسی کیا بات نظر آ گئی تھی۔ میں جرائم پیشہ تھا۔ گردن تک گناہوں اور جرائم کی دلدل میں پھنسا ہوا تھا۔ میں کسی بھی وقت پولیس کی نظروں میں آ سکتا تھا یا تحریی جیسے لوگ مجھے دوبارہ اس دلدل میں دھکیل سکتے تھے۔ میں ہی جانتا تھا کہ میرا اور تابندہ کا ساتھ زیادہ عرصہ نہیں چل سکتا تھا۔ ہم زیادہ عرصے تک خوشیاں نہیں سمیٹ سکتے تھے۔ یہ بات میں نے تابندہ کو بھی سمجھانے کی کوشش کی تھی لیکن وہ مجھ سے وابستہ ہونے کا فیصلہ کر چکی تھی۔ ایک مرتبہ تو میرے ذہن میں یہ خیال بھی آیا تھا کہ خاموشی سے یہاں سے نکل جاؤں۔ کسی بھی طرف۔ یہ ملک بہت بڑا تھا۔ کہیں بھی گمنامی کی زندگی گزار سکتا تھا لیکن اس خیال کو میں نے ذہن سے جھٹک دیا۔ میرے ساتھ قدم قدم پر دھوکے ہوئے تھے۔ لیکن میں کسی کو دھوکا نہیں دینا چاہتا تھا اور تابندہ کو تو بالکل نہیں۔ وہ بہت معصوم تھی۔ میری تمام برائیوں سے واقف تھی اور مجھے ڈر یہ تھا کہ مجھے نکالنے کی کوشش میں کہیں وہ خود اس دلدل میں نہ پھنس جائے۔

میری ذہنی رو بہک گئی اور اب بیلا میرے سامنے آ کر کھڑی ہو گئی۔ اسے میں نے دو اڑھائی سال بعد دیکھا تھا لیکن اس میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی بلکہ وہ پہلے سے زیادہ حسین ہو گئی تھی۔

بیلا کے بارے میں سوچتے ہوئے میرے دماغ میں سنسناہٹ ہونے لگی۔ وہ یقیناً کسی بہت اہم مشن پر یہاں آئی تھی۔ میں اس کی سرگرمیوں کو روکنا چاہتا تھا لیکن تابندہ مجھے روکنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اسے اندیشہ تھا کہ بیلا کو روکنے کی کوشش میں خود نہ پھنس جاؤں اور کہیں اس سے دور نہ چلا جاؤں۔

تابندہ سی آئی اے کے انسپکٹر فرمان کے توسط سے جو پروگرام بنانا چاہتی تھی وہ ابھی تک خود اس کے ذہن میں واضح نہیں تھا۔ لیکن میرے خیال میں ایجنسی کے کسی آدمی کو اس معاملے میں ملوث کرنا خود ہمارے لئے خطرناک ثابت ہو سکتا تھا لیکن بہرحال اس کا منصوبہ جاننے کے بعد ہی کوئی صحیح رائے قائم کی جا سکتی تھی۔

صبح چار بجے کے قریب میں سویا ہوں تو میری آنکھ گیارہ بجے سے پہلے نہیں کھلی تھی۔ تیار ہو کر اپنے کمرے سے نکلا تو ملازمہ نے بتایا کہ تابندہ دس بجے کے قریب دفتر چلی گئی تھی۔

میں ناشتہ کر رہا تھا کہ تابندہ کا فون آ گیا۔ اس نے بتایا کہ وہ دفتر کے ضروری کاموں میں مصروف ہے۔ اسے دیر ہو جائے گی۔ میں دوپہر کے کھانے پر اس کا انتظار نہ کروں۔

میں ناشتہ کرنے کے بعد کچھ دیر تک لاؤنج ہی میں بیٹھا رہا اور پھر اٹھ کر اوپر آ گیا اور میرے قدم غیر ارادی طور پر حریری والی خواب گاہ کی طرف اٹھتے چلے گئے۔

میں نے کمرے میں داخل ہو کر بتی جلا دی۔ ہر چیز جوں کی توں پڑی تھی۔ حریری کا شب خوابی کا وہ لباس بھی بستر پر بکھرا پڑا تھا جو اس کے جانے سے ایک رات پہلے میں نے اس کے جسم پر دیکھا تھا۔ میں نے غیر ارادی طور پر جھک کر وہ لباس اٹھا لیا۔ اس میں اب بھی حریری کے بدن کی بو رچی ہوئی تھی۔

میں دیر تک کمرے میں ادھر ادھر دیکھتا رہا۔ حیرت ہے کل شام فون پر حریری سے بات ہونے کے بعد سے اب تک ایک لمحہ کو بھی مجھے حریری کی یاد نہیں آئی تھی۔ لیکن اب اچانک ہی اس کی یاد نے یلغار کر دی تھی۔ اس کمرے میں اس کے ساتھ گزرا ہوا ایک ایک لمحہ کسی فلم کے حسین منظر کی طرح میری آنکھوں کے سامنے گردش کرنے لگا۔

اس کی سب چیزیں کمرے میں جوں کی توں بکھری پڑی تھیں۔ بائیں طرف الماری کے قریب کرسی پر اس کا سوٹ کیس بھی رکھا ہوا تھا۔ میں نے آگے بڑھ کر سوٹ کیس کھول لیا اور اس میں رکھی ہوئی چیزیں اٹھا اٹھا کر دیکھنے لگا۔ زیادہ تر کپڑے ہی تھے جنہیں میں نے دوبارہ سوٹ کیس میں رکھ دیا۔

میں ادھر ادھر دیکھتا ہوا پلنگ کے سامنے ریشمی کشن والے اس کوچ پر بیٹھ گیا جہاں عام طور پر بیٹھا کرتا تھا۔ وہاں بیٹھے ہوئے اب چند ہی سیکنڈ گزرے تھے کہ راہداری میں قدموں کی ہلکی سی چاپ سنائی دی اور پھر دروازے میں ملازمہ کا چہرہ دکھائی دیا۔

"بیگم صاحبہ کا فون ہے صاحب جی۔ آپ سے بات کریں گی۔"

ملازمہ کی آواز سن کر میں اٹھ کر کمرے سے باہر آ گیا۔ میں اپنے آپ میں خجالت سی محسوس کرنے لگا تھا۔ ملازمہ مجھے اس کمرے میں دیکھ کر کیا سوچتی ہو گی۔

میں نیچے آ گیا۔ فون کا ریسیور میز پر الگ رکھا ہوا تھا جسے اٹھا کر میں نے کان سے لگا لیا۔

"ہیلو۔" میں نے ماؤتھ پیس میں دھیمے لہجے میں کہا۔

"سو رہے تھے کیا؟" جواب میں تابندہ کی آواز سنائی دی۔

"نہیں۔ ذرا گھوم پھر کر تمہارے گھر کا جائزہ لے رہا تھا۔ کوئی خاص بات؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں بہت ہی خاص بات۔ تم نے ابھی تک کوئی ایوننگ پیپر تو نہیں دیکھا ہو گا۔" تابندہ بولی۔

"نہیں تمہارے گھر میں تو صبح سات بجے ایک روزنامہ آتا ہے' میں نے ابھی وہ بھی نہیں دیکھا۔ کوئی خاص خبر؟"

"ہاں بہت ہی خاص۔" تابندہ نے جواب دیا۔ "حریری ماری گئی۔"

"کیا؟" میں اس طرح اچھل پڑا جیسے میرے پیروں پر بچھو نے ڈنک مارا ہو۔

"میں اخبار لے کر آ رہی ہوں۔ خود ہی دیکھ لینا۔ بس دفتر سے نکل رہی ہوں میں۔" تابندہ نے جواب دیا اور فون بند کر دیا۔

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

میں کتنی دیر تک ریسیور کان سے لگائے کھڑا رہا اور پھر ریسیور کریڈل پر رکھ کر قریب ہی صوفے پر ڈھیر ہو گیا۔

حریری ماری گئی کب؟ کہاں؟ کیسے؟ اس جیسے درجنوں سوالات بگولوں کی طرح میرے ذہن میں گردش کر رہے تھے۔

تابندہ نے ادھوری بات بتا کر مجھ پر بڑا ظلم کیا تھا۔ میں اس وقت گویا انگاروں پر لوٹ رہا تھا۔ بے چینی تھی کہ ہر لمحہ بڑھتی جا رہی تھی۔ دماغ میں آندھیاں سی چل رہی تھیں۔ حریری کیسے ماری گئی؟ اسے کس نے مارا؟ طرح طرح کے سوالات میرے ذہن میں بگولوں کی طرح ناچ رہے تھے۔

نہیں حریری نہیں مر سکتی۔ میں بڑبڑایا۔ ابھی چند منٹ پہلے ہی تو میں اس کے کمرے میں موجود تھا۔ جہاں اس کے بکھرے ہوئے ملبوسات اور ہر چیز سے اس کے بدن کی مہک اٹھتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ تو زندگی کی مہک تھی۔ وہ کیسے مر سکتی تھی۔

حریری نے میرے ساتھ بہت بڑا دھوکا کیا تھا اس کی موت کی خبر سن کر مجھے خوش ہونا چاہیے تھا لیکن ہمارا کئی مہینوں کا ساتھ تھا۔ رنگا اور تحریمی کے معاملات نمٹانے میں اس نے میری مدد کی تھی اور قدیم شہزادی کی تلاش میں' میں نے اس کی مدد کی تھی۔ ہم قدم سے قدم ملا کر چلے تھے اور آخری چند راتیں تو بڑی یادگار گزری تھیں۔

حریری قدرت کا ایک حسین ترین شاہکار تھی۔ وہ خود تو دوسروں کیلئے موت کا وسیلہ بن سکتی تھی لیکن موت نے اسے کیسے چاٹ لیا۔ کیا موت کو اس کے حسن اور اس کی معصومیت پر رحم نہیں آیا ہو گا۔

میں یہ سب کچھ سوچ رہا تھا کہ اس دوران ملازمہ نے میرے سامنے چائے لا کر رکھ دی۔ ناشتے کے بعد میں نے ابھی تک چائے نہیں پی تھی اور اس وقت میں واقعی اس کی طلب محسوس کر رہا تھا۔

''کیا بات ہے صاحب جی بہت پریشان دکھتے ہو۔ خیر تو ہے نا؟'' بیگم صاحبہ تو ٹھیک ہے نا۔ ابھی ان کا فون آیا تھا۔'' ملازمہ نے پوچھا۔ اس نے چہرے کے تاثرات سے میری پریشانی کا اندازہ لگا لیا تھا۔

''حریری مر گئی۔'' میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے سپاٹ لہجے میں کہا۔

''ہائے اللہ۔'' اس کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ ''کیسے مر گئی حریری بی بی اتنے دنوں سے وہ کہاں تھی؟''

''وہ اپنی کسی سہیلی سے ملنے کراچی سے باہر گئی ہوئی تھی۔'' میں نے جواب دیا۔ ''اس کے مرنے کی خبر اخبار میں چھپی ہے۔ تابندہ گھر پہنچنے والی ہے۔ اس سے ساری تفصیل معلوم ہو گی۔''

ملازمہ چند لمحے بے حس و حرکت کھڑی میری طرف دیکھتی رہی پھر کچن کی طرف چلی گئی۔ ہم نے اسے یہ نہیں بتایا کہ حریری ہمیں دھوکا دے کر گئی تھی اور اب خود زندگی سے دھوکا کھا گئی تھی۔ میں صوفے پر بیٹھا چائے کی چسکیاں لیتا رہا۔ پھر کپ ہاتھ میں اٹھا کر لاؤنج سے نکل کر کشادہ برآمدے میں ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

تقریباً ایک گھنٹے بعد گاڑی گیٹ کے سامنے آ کر رکی اور ساتھ ہی ہارن کی آواز سنائی دی۔ میں

کرسی سے اٹھنا ہی چاہتا تھا کہ ملازمہ دروازے سے نکل کر تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی گیٹ کی طرف بڑھ گئی۔ گاڑی پورچ میں آ کر رکی۔ تابندہ گاڑی سے برآمد ہوئی تو میں بھی کرسی سے اٹھ گیا۔ اس کے ایک ہاتھ میں فولڈ کیا ہوا اخبار بھی تھا۔ تابندہ نے میری طرف دیکھا۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ مجھے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ وہ روتی رہی تھی۔

وہ برآمدے ہی میں میرے سامنے کرسی پر بیٹھ گئی اور کچھ کہے بغیر اخبار میری طرف بڑھا دیا۔ میں نے تہیں کھول کر اخبار سیدھا کیا۔ میری توقع کے عین مطابق وہ خبر ہیڈ لائن میں تھی اور حسب معمول سرخی کو سنسنی خیز بنانے کی کوشش کی گئی تھی۔ ہیڈ لائن کے نیچے تقریباً دس لائنیں ذیلی سرخیوں میں تھیں۔ میں وہ ذیلی سرخیاں پڑھتا چلا گیا۔ اصل متن دس بارہ سنگل کالم لائنوں سے زیادہ نہیں تھا۔ اس میں وہی باتیں دہرائی گئی تھیں جو ذیلی سرخیوں میں تھیں۔

اس رپورٹ کے مطابق گزشتہ شام گوادر میں کوسٹ گارڈ چوکی کو خفیہ ذرائع سے اطلاع ملی تھی کہ کچھ نامعلوم سمگلر قیمتی نوادرات سمندری راستے سے ایران کی طرف سمگل کرنے کی کوشش کریں گے۔ کوسٹ گارڈ نے ساحلی پٹی اور سمندر میں نگرانی سخت کر دی۔ رات کے پچھلے پہر تین بجے کے قریب ویران ساحل سے گہرے سمندر کی طرف جانے والی ایک لانچ کو روکنے کی کوشش کی گئی تو اس سے کوسٹ گارڈ کی لانچ پر فائر کھول دیا گیا۔ کوسٹ گارڈ نے بھی جوابی فائرنگ شروع کر دی اور سمندر میں تقریباً تین میل تک تعاقب کرنے کے بعد سمگلروں کی لانچ کو روک لیا گیا۔ تب انکشاف ہوا کہ سمگلروں کی لانچ پر سوار چاروں افراد جن میں ایک نہایت حسین لڑکی بھی شامل تھی' مارے گئے تھے۔

کوسٹ گارڈز نے لانچ پر قبضہ کر لیا۔ تلاشی لینے پر لانچ سے ایک تابوت دریافت ہوا جس میں ایک ممی رکھی ہوئی تھی۔

اخبار کی اطلاع کے مطابق سمگلروں کی لانچ پر چار ہی افراد سوار تھے جو سب کے سب مارے گئے تھے۔ ہلاک ہونے والوں میں لڑکی کا نام حریری' ایک آدمی کا نام نیڈی' دوسرے کا حضور بخش اور تیسرے کا نام مولا بخش تھا۔ حریری کے بارے میں معلوم ہوا ہے کہ اس کا تعلق ایران سے قیمتی نوادرات سمگل کرنے والے ایک گروہ سے ہے' مزید انکشافات کی توقع ہے۔

اس ہیڈ لائن کے علاوہ شہزادی کی ممی کے بارے میں کئی خبریں الگ الگ چھپی تھیں۔

ایک چھوٹی خبر میں بتایا گیا تھا کہ اس ممی کو کراچی لانے کے انتظامات کیے جا رہے ہیں جہاں اسے قومی عجائب گھر میں رکھا جائے گا اور آثار قدیمہ کے ماہرین اس کا جائزہ لینے کے بعد حتمی رائے کا اظہار کریں گے۔

اخبار اس پراسرار ممی اور نوادرات کی سمگلنگ کے حوالے سے چھوٹی چھوٹی خبروں سے بھرا ہوا تھا لیکن مجھے اس وقت دوسری خبروں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ میں نے حریری کی موت والی مرکزی خبر کو دوبارہ پڑھا اور اخبار چہرے کے سامنے سے ہٹا کر تابندہ کی طرف دیکھنے لگا۔ اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا اور سرخ آنکھوں میں نمی تیر رہی تھی۔

میں اسے اٹھا کے اندر لے آیا۔ کمرے میں آتے ہی وہ مجھ سے لپٹ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

لگی۔ اس کے اندر جانے کب سے غبار بھرا ہوا تھا جواب پھٹ پڑا تھا۔ میں اس کا کندھا تھپتھپاتے ہوئے اسے تسلی دینے لگا۔

"میں نے اسے منع کیا تھا' ہمیشہ منع کرتی تھی۔" تابندہ روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ "وہ رنگا کے ساتھ کراچی آئی تھی اور جب مجھے اس کے عزائم کا پتا چلا تو میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی کہ وہ آگ سے کھیلنے کے بجائے کہیں ایک جگہ ٹک کر سکون سے زندگی گزارے۔ جب بھی میری ملاقات ہوتی میں اسے یہی بات سمجھاتی لیکن وہ نادان لڑکی اس نے میری کوئی بات نہیں مانی۔" اس کی آواز ہچکیوں میں ڈوب گئی۔

میں نے اسے پلنگ پر بٹھا دیا اور فریج میں سے ٹھنڈا پانی لے آیا۔ پانی کے چند گھونٹ پینے کے بعد اس کی حالت کسی قدر سنبھل گئی۔ لیکن آنسو تھے کہ رکنے کا نام ہی نہیں لیتے تھے۔

یوں تو میں پہلے بھی دیکھ چکا تھا کہ تابندہ حریری کو کتنا چاہتی تھی لیکن اب اس کی حالت دیکھ کر اس کے جذباتی لگاؤ کا اندازہ ہوا تھا۔ وہ رہ رو کر حریری ہی کی باتیں کرتی رہی۔

سوگواری کی فضا دو تین روز تک گھر پر طاری رہی۔ میرا اندازہ تھا کہ تابندہ طویل عرصے تک حریری کی یادوں کو دل سے نہیں نکال سکے گی۔

شہزادی کی ممی کراچی لائی جا چکی تھی۔ آثار قدیمہ کے ماہرین اس کا جائزہ لے رہے تھے۔ اس کے بارے میں روزانہ کوئی نہ کوئی خبر اخباروں میں شائع ہوتی رہتی تھی۔ اس ممی کی وجہ سے اب تک پاکستان میں کئی قتل ہو چکے تھے اور شاید اس حوالے سے ایک اخبار نے اسے کسی بدروح ممی کا نام دے دیا تھا۔

تقریباً ایک ہفتہ اسی طرح گزر گیا۔ اس ہفتے کے دوران ہم صرف ایک مرتبہ رات کا کھانا کھانے کیلئے میریٹ ہوٹل گئے تھے۔ ہمارا زیادہ وقت گھر پر ہی گزرتا تھا۔ تابندہ دفتر بھی نہیں جا رہی تھی۔ کوئی بہت ضروری کام ہوتا تو فون پر اشرف سے بات کر لیتی۔

مجھے پیلا کی فکر پریشان کر رہی تھی۔ وہ نجانے کن سرگرمیوں میں مصروف تھی اور ظاہر ہے اس کی سرگرمیاں اس ملک کی سلامتی کے خلاف ہی رہی ہوں گی۔

ایک ہفتے بعد ہم اپنے اصل پروگرام کی طرف لوٹ آئے۔ تابندہ نے سی آئی اے انسپکٹر فرمان کے حوالے سے جو پروگرام بنایا تھا اس میں اگرچہ میرے لیے بھی رسک تھا لیکن قابل عمل تھا اور میں یہ رسک لینے کو تیار تھا۔

اس رات ہم کمرے میں بند ہو کر بیٹھ گئے۔ ہمارے سامنے میز پر ٹیپ ریکارڈ رکھا ہوا تھا۔ میں نے ایک مختصر سا مضمون لکھ کر اپنے سامنے رکھا ہوا تھا اور پھر میں وہ مضمون اپنی آواز میں ریکارڈ کرنے لگا۔

ٹیپ کو پلے کر کے چیک کیا گیا۔ اس میں کچھ خامیاں نظر آ گئیں۔ دوبارہ ریکارڈنگ ہوئی اور پھر سہ بارہ۔ وہ رات اسی چکر میں بیت گئی۔ آخری پہر وہ ٹیپ تیار ہو گیا جس کی ہمیں ضرورت تھی۔ اس ٹیپ میں تابندہ کی آواز بھی شامل تھی۔ ہم دونوں کی آوازیں ہماری اصل آوازوں سے بہت مختلف تھیں اور اس کیلئے ہم نے بڑی محنت کی تھی۔ دو افراد کی گفتگو میں پیلا کے بارے میں چند سنسنی خیز انکشافات کیے گئے تھے اور ایس پی کی نشاندہی کی گئی تھی۔ اس گفتگو میں چند وہ نام بھی شامل تھے جو ماؤنٹ آبو کے ٹریننگ کیمپ کی تباہی کے بعد اور الکا اگنی ہوتری کے تہ خانے سے مجھے ملے تھے۔ یوں تو ان ناموں کی فہرست بہت طویل

تھی لیکن میں نے چند اہم ناموں کا ہی حوالہ دیا تھا۔

اس سے اگلے روز تابندہ دفتر سے واپس آئی تو اس کے پاس ایک ایسا شاپنگ بیگ بھی تھا جس پر راجستھان کے شہر جے پور کے ایک بہت مشہور سپر سٹور کا نام اور ایڈریس وغیرہ چھپا ہوا تھا۔ یہ بیگ بہت مضبوط تھا اور اسے پکڑنے کیلئے ریشمی ڈوری کا ہینڈل بھی لگا ہوا تھا۔ اس بیگ میں چند اور چیزوں کے علاوہ دو ساڑھیاں بھی تھیں جن کے کناروں پر میڈ ان انڈیا چھپا ہوا تھا۔

شام سات بجے کے قریب اس نے سی آئی اے انسپکٹر فرمان کو فون کیا۔ اتفاق سے وہ اس وقت گھر پر ہی تھا اور کال اسی نے ریسیور کی تھی۔ تابندہ کی باتوں سے اندازہ ہو رہا تھا کہ دوسری طرف سے شکوے شکایات کا دفتر کھول دیا تھا۔ تابندہ بھی کچھ ایسے ہی ڈائیلاگ بول رہی تھی۔ "اچھا سنو۔" تابندہ کہہ رہی تھی۔ "یہ شکوے تو بعد میں بھی ہوتے رہیں گے۔ میں نے ایک اہم کام کے سلسلے میں فون کیا تھا۔ تمہارے فائدے کی بات ہے۔ میں تمہارے ہاں آ جاؤں یا تم میرے ہاں آ سکتے ہو؟" وہ خاموش ہو کر دوسری طرف کی آواز سنتی رہی پھر بولی۔

"ٹھیک ہے میں انتظار کروں گی اور کھانا تم میرے ساتھ ہی کھاؤ گے۔"

"اس نے فون بند کر دیا اور مسکراتی ہوئی نگاہوں سے میری طرف دیکھنے لگی۔

"وہ آٹھ بجے تک یہاں پہنچ جائے گا۔" اس نے کہا اور پھر ملازمہ کو بلا کر اسے کھانے کے بارے میں ہدایات دینے لگی۔

ہم دونوں لان میں آ گئے۔ موسم بڑا خوشگوار تھا اور ٹھنڈی ہوا کے جھونکے بہت بھلے لگ رہے تھے۔ کراچی کا موسم تو ویسے بھی شام کے بعد بہت خوشگوار ہو جاتا ہے۔ دن میں کتنی ہی شدید گرمی کیوں نہ ہو ٹھنڈی اور سہانی شام سارے گلے شکوے دور کر دیتی ہے۔

آٹھ بجے کے قریب انسپکٹر فرمان پہنچ گیا۔ وہ دراز قامت خوبرو شخص تھا۔ عمر کا اندازہ چالیس کے لگ بھگ لگایا جا سکتا تھا۔ بادامی رنگ کا سفاری سوٹ اس پر بہت اچھا لگ رہا تھا۔ تابندہ نے ملازمہ سے کہہ کر چائے وہیں منگوالی۔

چائے کے دوران بھی ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہیں اور یہ انکشاف میرے لیے خاصا دلچسپ ثابت ہوا کہ انسپکٹر فرمان' تابندہ کے شوہر کا کلاس فیلو رہ چکا تھا۔ کراچی یونیورسٹی سے گریجوایشن کرنے کے بعد فرمان پولیس کے محکمے میں آ گیا تھا اور تابندہ کے شوہر نے بزنس لائن اختیار کر لی تھی۔

ان دونوں میں بڑی گہری دوستی رہی۔ تابندہ کے شوہر کا انتقال ہوا تو فرمان جیسے مخلص دوست ہی تابندہ کے کام آئے تھے۔ اسے فرمان جیسے دوستوں سے بڑا حوصلہ ملا تھا لیکن ادھر کچھ عرصے سے ان کی ملاقاتوں کا سلسلہ موقوف ہو گیا تھا۔ انسپکٹر فرمان اپنے فرائض کے سلسلے میں مصروف رہا اور تابندہ' حریری کے کراچی آ جانے سے جان بوجھ کر فرمان سے ملنے سے گریز کرتی رہی۔

"تم نے فون پر میرے فائدے کی کوئی بات کی تھی؟" انسپکٹر فرمان نے اصل موضوع پر آتے ہوئے کہا۔

"آخر ہو نا پولیس والے۔ ہمیشہ اپنے ہی فائدے کی سوچتے ہو۔" تابندہ نے کہا۔ "آؤ اندر

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

چل کر بیٹھتے ہیں۔"

ہم لوگ ڈرائنگ روم میں آ گئے۔ تابندہ نے وہ شاپنگ بیگ فرمان کے سامنے رکھ دیا۔

"میں آج کسی کام کے سلسلے میں ڈیفنس گئی تھی۔ میری گاڑی میں پٹرول ختم ہو گیا۔" وہ کہہ رہی تھی۔ "میں ایک رکشے پر بیٹھ کر وہاں سے تقریباً ایک میل دور واقع پمپ پر پٹرول لینے کیلئے چلی گئی۔ واپسی پر پٹرول پمپ کے سامنے مجھے ایک پیلی ٹیکسی مل گئی۔ پچھلی سیٹ کے سامنے فٹ میٹ پر یہ شاپنگ بیگ پڑا ہوا تھا۔ وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگی۔ پہلے میں نے سوچا ٹیکسی ڈرائیور سے کہوں کہ کوئی مسافر اپنا یہ بیگ بھول گیا ہے لیکن پھر نجانے کیا سوچ کر میں خاموش ہو گئی اور جب ٹیکسی سے اتری تو یہ شاپنگ بیگ بھی اٹھا لیا۔ میری نیت خراب نہیں تھی۔ میرا خیال تھا کہ اس میں کوئی ایڈریس وغیرہ ہو گا تو میں بیگ متعلقہ شخص تک پہنچا دوں گی۔

گھر آ کر میں نے بیگ کی چیزوں کو چیک کیا۔ اس میں ایک آڈیو کیسٹ بھی ہے۔ میرا خیال تھا کیسٹ میں گانے بھرے ہوں گے۔ میں نے یہ کیسٹ پلے کیا تو اس میں گانوں کے بجائے کچھ اور ہے۔ اس لیے میں نے تمہیں فون کیا تھا کیونکہ یہ تمہارے مطلب کی چیز ہے۔"

انسپکٹر فرمان بیگ میں سے چیزیں نکال نکال کر دیکھ رہا تھا۔ دو ساڑھیاں، انڈین کیڈبری کے چاکلیٹ کا ایک ڈبہ، ہندی کا ایک ناول اور کچھ اور چیزوں کے علاوہ آڈیو کیسٹ۔ اس نے کیسٹ کور میں سے نکال لیا اور اسے الٹ پلٹ کر دیکھنے لگا۔

"میں ابھی ریکارڈ پلیئر لے کر آتی ہوں۔" تابندہ کہتے ہوئے اٹھ گئی۔ "یہ کیسٹ سننے کے بعد ہی تمہیں اندازہ ہو گا کہ اس کی اہمیت کیا ہو سکتی ہے۔"

وہ ڈرائنگ روم سے نکل گئی۔ اس کی واپسی میں تقریباً پانچ منٹ لگے تھے۔ اس نے ٹیپ ریکارڈ سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر پلگ صوفے کے پیچھے دیوار پر ساکٹ میں لگا دیا اور فرمان کے ہاتھ سے کیسٹ لے کر ریکارڈ میں لگایا اور پلے کا بٹن دبا دیا۔ انسپکٹر فرمان اپنی جگہ سے اٹھ کر قریب آ گیا۔

وہ بڑی گہری توجہ سے وہ آوازیں سن رہا تھا۔ بیس منٹ کی مرد اور عورت کی اس گفتگو میں کم از کم تین مرتبہ بیلا اور دو مرتبہ سیٹھ رمضان کرنسی والے کا نام آیا تھا۔ دو تین اور نام بھی لیے گئے تھے۔

اس گفتگو سے یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں تھا کہ بیلا بھارتی انٹیلی جنس ایجنسی را کی خطرناک ایجنٹ ہے جو کسی اہم مشن پر کراچی آئی ہوئی ہے اور سیٹھ رمضان کرنسی والا سے اس کا رابطہ ہے۔ دوسرے ناموں کے بارے میں بھی کچھ ایسا ہی تاثر ملتا تھا۔

گفتگو ختم ہو گئی۔ ریکارڈر کے سپیکر سے خالی ٹیپ چلنے کی سرسر کی آواز سنائی دینے لگی۔ تابندہ نے ٹیپ بند کر دیا اور فرمان کی طرف دیکھنے لگی۔

فرمان کے چہرے پر سنسنی کے عجیب سے تاثرات ابھر آئے تھے۔

"یہ ٹیپ کہاں سے ملا تھا۔ میرا مطلب ہے ڈیفنس میں تم کس جگہ سے ٹیکسی میں بیٹھی تھیں جس سے یہ شاپنگ بیگ تمہیں ملا تھا؟" فرمان نے تابندہ کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"پٹرول پمپ کے ساتھ ہی اندر کی طرف ایک سڑک جاتی ہے جو آگے جا کر مین بلیوارڈ سے جا

آتی ہے۔" تابندہ نے بتایا اور اسے اس علاقے کی پچویشن سمجھانے لگی۔ سیٹھ رمضان کرنسی والا کی کوٹھی بھی اس علاقے میں تھی۔ تابندہ نے بہت خوبصورت کہانی گھڑی تھی۔ علاقے کی نسبت سے بھی یہ اشارہ ملتا تھا کہ وہ فرمان کی توجہ سیٹھ رمضان کرنسی والا کی طرف مبذول کرانا چاہتی تھی۔

"سیٹھ رمضان کرنسی والا۔" انسپکٹر فرمان بڑبڑایا۔ "مجھے یاد پڑتا ہے کہ کچھ عرصہ پہلے اس شخص کے بارے میں ایک رپورٹ آئی تھی۔ اس کے پاس اگرچہ کرنسی کے بزنس کا لائسنس موجود ہے لیکن اس کی آڑ میں یہ کرنسی کا ناجائز دھندہ بھی کرتا ہے اور یہ ٹیپ۔" اس نے اشارہ کیا۔ "اس سے لگتا ہے کہ وہ کسی اور خطرناک قسم کی سرگرمیوں میں بھی ملوث ہے۔ بہرحال اب اس کیس کو میں خود دیکھوں گا۔"

"یہ لوگ جو کوئی بھی ہیں ان کے عزائم بہت خطرناک ہیں۔" تابندہ نے کہا۔ "پہلے میں نے سوچا تھا کہ یہ کیسٹ پولیس سٹیشن پر دے دوں لیکن پھر مجھے تمہارا خیال آ گیا۔ اس لیے۔"

"اب تم بالکل مطمئن ہو جاؤ۔" انسپکٹر فرمان نے اس کی بات کاٹ دی۔ "یہ لوگ اپنے گھناؤنے مقاصد میں کامیاب نہیں ہو سکیں گے۔"

تابندہ نے کیسٹ نکال کر اس کے حوالے کر دیا اور میز پر بکھری ہوئی چیزیں شاپنگ بیگ میں بھرنے لگی۔

"یہ بیگ بھی لے جانا۔ چاکلیٹ بچے کھا لیں گے اور تمہاری بیگم بھی ساڑھیاں دیکھ کر خوش ہو جائے گی۔" تابندہ نے کہا۔

انسپکٹر فرمان نے ہلکا سا قہقہہ لگایا پھر بولا۔ "وہ تحائف سے خوش نہیں ہوتی۔ اسے خوشی تو اس وقت ہوتی ہے جب میں گھر پر موجود رہتا ہوں لیکن تم جانتی ہو اپنی ڈیوٹی ہی ایسی ہے۔ گھر میں ٹکنے کا موقع بہت کم ملتا ہے۔"

"تہمینہ بہت اچھی عورت ہے۔" تابندہ بولی۔ "اسے چند روز کیلئے میرے ہاں چھوڑ جاؤ۔ میرے کچھ کام ہیں اور تہمینہ میری بہت مدد کر سکتی ہے۔"

"کیا میں تمہارے کسی کام نہیں آ سکتا۔" فرمان بولا۔ "کہو تو میں بھی چند روز کیلئے یہاں آ جاؤں۔"

"تمہیں بھی آنا ہی پڑے گا۔" تابندہ بولی۔

"کوئی خاص بات۔" فرمان نے اسے گھورا۔ "تم کچھ چھپانے کی کوشش تو نہیں کر رہیں؟" اس نے خاموش ہو کر معنی خیز نگاہوں سے میری طرف بھی دیکھا تھا۔

تابندہ نے نظریں جھکا لیں اور دھیمے لہجے میں بتانے لگی کہ ہم چند روز میں شادی کرنے والے ہیں۔

"بہت صحیح اور بروقت فیصلہ کیا ہے تم نے تابندہ۔" انسپکٹر فرمان نے کہا۔ پھر اس نے مجھے بھی مبارک باد دی اور بولا۔ "کل صبح ہی تہمینہ یہاں آ جائے گی اور میرے لیے کوئی کام ہو تو بلا جھجک بتا دینا۔"

اور پھر اس کے بعد اس موضوع پر گفتگو ہونے لگی۔ اسی دوران ملازمہ نے آ کر بتایا کہ کھانا لگ گیا ہے۔ ہم اٹھ کر کھانے کی میز پر آ گئے۔

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

کھانے کے دوران بھی اسی موضوع پر گفتگو ہوتی رہی اور پھر گیارہ بجے کے قریب انسپکٹر فرمان رخصت ہو گیا۔ اس نے وعدہ کیا تھا کہ بیلا والے کیس پر وہ جلد سے جلد کام شروع کر دے گا۔

انسپکٹر فرمان کے جانے کے بعد ہم تابندہ والے کمرے میں آ گئے اور دیر تک بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ تابندہ نے تو اپنی بات واضح کر دی تھی۔ اس نے انسپکٹر فرمان کے سامنے واضح الفاظ میں کہہ دیا تھا کہ وہ مجھ سے شادی کرنے والی ہے۔ میں نے بھی اپنے آپ کو ذہنی طور پر تیار کر لیا۔

میں دوڑتے دوڑتے تھک گیا تھا اور اب میں بھی کسی ایک جگہ تک جانا چاہتا تھا۔ اس سے پہلے مجھے جھانسے دیئے گئے تھے لیکن تابندہ ان سب لوگوں سے مختلف ثابت ہوئی تھا۔ وہ مجھے سنبھلنے کا موقع دے رہی تھی اور میں نے بھی اس موقع سے فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کر لیا تھا لیکن خدشات بھی اپنی جگہ موجود تھے۔

کراچی میں بھی میرے بیشمار دشمن موجود تھے۔ رنگا اگرچہ اس فیلڈ سے آؤٹ ہو گیا تھا اور لاپتا تھا اس کی راجدھانی میری وجہ سے لٹ گئی تھی۔ ہو سکتا ہے وہ کسی وقت سامنے آ جائے لیکن اس کی مجھے زیادہ پروا نہیں تھی۔ تاہم دوسری طرف تحریکی بھی موجود تھا۔ میں نے اس کی دس کلو ہیروئن واپس کر دی تھی اور بظاہر وہ میری طرف سے مطمئن ہو گیا تھا لیکن اس نے مجھے ایک بات اور بھی کہی تھی۔ ”جرائم کی دنیا میں آنے کے راستے تو بہت ہیں لیکن یہاں سے باہر نکلنے کا کوئی راستہ نہیں۔“ اس نے یہ بات ایک لحاظ سے درست بھی کہی تھی۔ میں نے بھی کسی کو اپنی مرضی سے اس فیلڈ سے نکلتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ اگر کوئی نکلا بھی تھا تو مر کر ہی نکلا تھا۔

تحریکی نے مجھے اپنے ساتھ کام کرنے کی پیشکش کی تھی لیکن میں نے انکار کر دیا تھا اور مجھے اندیشہ تھا کہ کہیں وہ میرے خلاف کوئی حرکت نہ کر بیٹھے۔ میں کراچی پولیس کی نظروں سے پوشیدہ تھا لیکن تحریکی میرے بارے میں سب کچھ جانتا تھا اسے یہ بھی معلوم تھا کہ میں تابندہ کے ساتھ رہ رہا ہوں۔

اور اب سی آئی اے کا انسپکٹر فرمان بھی اس معاملے میں ملوث ہو گیا تھا۔ اس کی پوزیشن اگرچہ دوسری تھی لیکن اس کو اس معاملے میں ملوث کرنا میرے لیے خطرے کی گھنٹی تھی۔ تابندہ سے اس کے تعلقات بہت اچھے تھے۔ وہ اسے بہن کی طرح عزیز سمجھتا تھا لیکن وہ آخر کو تھا تو پولیس والا اور پولیس والوں کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ نہ ان کی دشمنی اچھی' نہ دوستی اور میرے حوالے سے تو بازی بہت اونچی تھی۔ میری گرفتاری تو ہر پولیس والے کا خواب بن گئی تھی۔ عین ممکن ہے جب فرمان کو میری اصلیت کا پتا چلے تو وہ تابندہ سے تمام رشتے ناتے بھول کر میرے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں پہنا دے۔ یہ تیر بہرحال ہمارے ہاتھ سے نکل چکا تھا اور اسے واپس لانا ممکن نہیں تھا۔ اب مجھے محتاط رہنے کی ضرورت تھی۔

تابندہ بڑی عجلت دکھا رہی تھی۔ اس نے نکاح کیلئے آنے والے جمعہ کا دن بھی مقرر کر دیا تھا۔ طے یہ ہوا تھا کہ تقریب بہت سادگی سے ہو گی اور چند بہت قریبی دوست مدعو کیے جائیں گے۔ انسپکٹر فرمان کی بیوی اور بچے بھی یہاں آ گئے تھے۔ تہمینہ بڑی سلیقہ مند عورت تھی۔ اس نے آتے ہی سارے انتظامات سنبھال لیے تھے۔ تین دن پہلے کمپنی کے جنرل منیجر اشرف کی بیگم اور دونوں بیٹیاں بھی آ گئیں۔ گھر میں بڑی رونق ہو گئی۔

میں نچلا کمرہ چھوڑ کر اوپر والی منزل پر منتقل ہو گیا تھا۔ میری اپنی کچھ مصروفیات تھیں اس کے

[illegible] خطرات بھی دامن گیر تھے۔ دن میں کم از کم ایک بار انسپکٹر فرمان سے ملاقات بھی ہو جاتی تھی اس سے [illegible] چلتا رہتا تھا کہ بیلا والے معاملے میں کس قدر پیش رفت ہوئی ہے۔

انسپکٹر فرمان کے کہنے کے مطابق سیٹھ رمضان کرنسی والا اور بیلا کی نگرانی سے ان کے تین اور [illegible] ساتھیوں کا سراغ لگا لیا گیا تھا جن کی چوبیس گھنٹے نگرانی ہو رہی تھی۔ یہ لوگ پہلے بھی دہشت گردی اور تخریب [illegible]اری کے حوالے سے مشتبہ افراد کی لسٹ پر تھے۔ ان کے کچھ اور ساتھیوں کا بھی سراغ لگایا جا رہا تھا۔ فرمان [illegible] کے کہنے کے مطابق وہ اس وقت عملی قدم اٹھانا چاہتا تھا جب ان کے تمام آدمی نظروں میں آ جائیں۔ وہ [illegible] یک وقت کارروائی کرنا چاہتا تھا تاکہ کسی کو بھاگنے کا موقع نہ مل سکے۔

وہ جمعہ کا دن تھا۔ کوٹھی میں بڑی رونق تھی۔ شام سے ذرا پہلے وہ تمام مہمان آ گئے جنہیں مدعو کیا [illegible]یا تھا۔ وہ سب بڑے لوگ تھے۔ ان کا شمار شہر کی معزز ترین ہستیوں میں ہوتا تھا۔ کوئی صنعت کار تھا' کوئی [illegible]س مین' کوئی اعلیٰ سرکاری آفیسر اور لطف کی بات یہ تھی کہ ایس ایس پی رینک کا اور پولیس آفیسر بھی اپنی [illegible]لی کے ساتھ اس تقریب میں شریک تھا اور میں دل ہی دل میں مسکرا رہا تھا۔ میں منشیات کا سوداگر تھا۔ [illegible]رے ہاتھ کئی افراد کے خون سے رنگے ہوئے تھے۔ قانون کیلئے میں موسٹ وانٹیڈ آدمی تھا۔ پنجاب [illegible]لیس نے میری گرفتاری پر لاکھوں روپے انعام بھی مقرر کر رکھا تھا اور میں یہاں معزز ترین لوگوں کی [illegible]وجودگی میں ایک نئی زندگی شروع کرنے جا رہا تھا۔

نکاح ہو گیا۔ مبارک سلامت کی صدائیں سنائی دینے لگیں۔ تقریب میں مدعو تمام مرد لان میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اشرف صاحب چھوہارے بانٹ رہے تھے۔ فرمان بھی ادھر سے ادھر بھاگا پھر رہا تھا۔ گیارہ بارہ سال کی عمر کے ایک بچے نے میرے قریب آ کر کان میں سرگوشی کی۔ ”بوا آپ کو بلا رہی ہے۔“

میں قریب بیٹھے ہوئے لوگوں سے معذرت کر کے اٹھ گیا۔ ملازمہ برآمدے میں کھڑی تھی۔ مجھے دیکھتے ہی بولی۔

”آپ کیلئے فون ہے صاحب جی۔“

میرا دل یک بارگی دھڑک اٹھا۔ میرے لیے کس کی کال ہو سکتی تھی۔ میں اندر آ گیا۔ لاؤنج میں خواتین بھری ہوئی تھیں وہ سب میری طرف دیکھنے لگیں۔ ایک دو نے دلچسپ جملے بھی کسے تھے۔ میں نے [illegible]بز کے قریب پہنچ کر الگ رکھا ہوا فون کا ریسیور اٹھا لیا۔

”نئی زندگی مبارک ہو تاجی۔“

میں اس طرح اچھلا جیسے سر پر ایٹم بم پھٹا ہو۔ یہ آواز تو میں لاکھوں میں بھی پہچان سکتا تھا۔

وہ رضیہ تھی۔

میرے دماغ میں دھماکے سے ہونے لگے۔ پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ ایک لحہ تو مجھے یوں لگا تھا جیسے میں کھڑے کھڑے گر جاؤں گا۔ لیکن میں نے فوراً ہی اپنے آپ کو سنبھال لیا۔ مجھے احساس تھا کہ کمرے میں بھری ہوئی خواتین میری طرف دیکھ رہی ہیں۔ سب کی نگاہیں مجھ پر لگی ہوئی تھیں۔ شادی کی تقریب میں دولہا ہی مرکز نگاہ ہوتا ہے اور میں ہی اس وقت تمام نگاہوں کا مرکز تھا۔ میرے چہرے کے تاثرات سے میری اندرونی کیفیت کا اندازہ بہت آسانی سے لگایا جا سکتا تھا۔ اس لئے میں نے فوراً ہی

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

اپنے آپ کو سنبھال لیا۔

''تت..... تم۔'' کوشش کے باوجود میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کہہ سکا۔

''پریشان ہو گئے میری آواز سن کر۔'' دوسری طرف سے کہا گیا۔ ''تم تو مجھے بھول گئے لیکن میں تمہیں نہیں بھولی۔ دیکھ لو میں نے عین وقت پر تمہیں مبارکباد دینے کیلئے فون کیا ہے۔''

''جو کچھ بھی کہنا چاہتی ہو جلدی کہو۔ میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔'' میں نے لہجے پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

''جانتی ہوں اس وقت کوٹھی مہمانوں سے بھری ہوئی ہے۔ بڑے بڑے دولت مند اور باعزت لوگ موجود ہیں اور لطف کی بات تو یہ ہے کہ تمہاری شادی کی اس تقریب میں دو پولیس آفیسر بھی شریک ہیں۔ اگر کسی کو بھی تمہاری اصلیت معلوم ہو جائے تو شادی کی یہ تقریب تمہارے جنازے کے جلوس میں بدل جائے گی۔''

''بکواس بند کرو۔'' میں ہولے سے غرایا۔ ''جو کچھ کہنا ہے جلدی سے کہو۔'' اس کی بات سن کر میرا دماغ گھوم گیا تھا۔ اسے کیسے پتا چلا تھا کہ اس تقریب میں شہر کے معززین کے علاوہ دو پولیس آفیسر بھی شریک ہیں۔

''میں تم سے ملنا چاہتی ہوں۔ ابھی اسی وقت۔'' رضیہ نے کہا۔

''تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے کیا؟'' میں نے دانت کچکچائے۔

''میں اس وقت تمہاری کوٹھی والی گلی کے موڑ پر موجود ہوں۔'' رضیہ نے میرے لہجے کی پروا کئے بغیر پرسکون لہجے میں جواب دیا۔ ''اپنی کوٹھی کے گیٹ سے نکل کر دائیں طرف آ جاؤ۔ موڑ پر آٹھ دس گز آگے سیاہ رنگ کی ایک سٹیشن ویگن کھڑی ہے۔ میں اس ویگن میں بیٹھی موبائل فون پر تم سے بات کر رہی ہوں۔ میں صرف پانچ منٹ تمہارا انتظار کروں گی۔ اگر تم نہ آئے تو خود آ جاؤں گی اور پھر اس کوٹھی میں کچھ ہو گا اس کے ذمے دار بھی تم خود ہو گے۔ پانچ منٹ..... صرف..... پانچ..... منٹ۔''

میں ہیلو ہیلو کرتا رہ گیا لیکن دوسری طرف سے سلسلہ منقطع کیا جا چکا تھا۔ میں ریسیور کان سے لگائے کچھ دیر تک گم صم سا کھڑا رہا۔ ہال میں بھری ہوئی خواتین اب بھی طرف دیدی تھیں اور میری حالت ایسی تھی کہ دماغ میں دھماکے ہو رہے تھے اور پورے بدن میں سنسنی کی لہریں سی دوڑ رہی تھیں۔

میں نے ریسیور رکھ دیا۔ کن انکھیوں سے ادھر ادھر دیکھا اور اوپر کمرے میں جانے کیلئے زینے کی طرف بڑھ گیا۔ ادھر ادھر بیٹھی ہوئی خواتین بڑی متجسس نظروں سے میری طرف دیکھ رہی تھیں۔ ایک لڑکی نے تو دلچسپ قسم کا جملہ بھی کسا تھا۔ میں اس کی طرف دیکھ کر مسکرا دیا اور آگے بڑھتا گیا۔

اوپر اپنے کمرے میں آ کر میں نے دروازہ بند کر لیا۔ گلے میں پڑے ہوئے پھولوں کے ہار اتار کر بیڈ سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیئے اور الماری کھول کر اس کے سب سے نچلے خانے میں کپڑوں میں چھپایا ہوا پستول نکال کر پتلون کی جیب میں ڈال لیا اور کمرے کو دیکھنے لگا۔

یہ کمرہ دلہن کی طرح سجا ہوا تھا۔ اس کی سجاوٹ میں تہمینہ نے بڑا حصہ لیا تھا۔ پروگرام کے مطابق دلہن کو کوٹھی کے نچلے حصے سے رخصت ہو کر اوپر آنا تھا اور اس کمرے کو حجلہ عروسی بنایا گیا تھا۔

میں دروازہ کھول کر باہر آ گیا۔ نچلے ہال میں ڈھولک کی تھاپ پر لڑکیوں کے گانے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ میں سیڑھیاں اتر کر ایک سیکنڈ کو رکا اور پھر تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا باہر نکل گیا۔

لان میں ہر طرف لوگ بھرے ہوئے تھے۔ برآمدے سے اترتے ہی انسپکٹر فرمان نے مجھے دیکھ لیا۔

''ارے تم کہاں غائب ہو گئے تھے۔'' وہ بولا۔ ''لوگ تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔''

''فرمان بھائی میں ابھی آتا ہوں۔ صرف پانچ منٹ میں۔'' میں نے جواب دیا۔

اس وقت ایک اور آدمی فرمان کا ہاتھ پکڑ کر اسے ایک طرف کھینچتا ہوا لے گیا اور میں تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا گیٹ کی طرف بڑھ گیا۔

گلی کے موڑ پر دائیں طرف دس بارہ گز آگے سیاہ رنگ کی ایک وین کھڑی تھی۔ میں تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا جیسے ہی قریب پہنچا اس کا دروازہ کھل گیا۔

''اندر آ جاؤ۔''

یہ رضیہ کی آواز تھی۔ میں اندر گھس گیا اور دھڑ سے دروازہ بند ہو گیا۔ وین کے اندر کی بتی جل رہی تھی۔ کھڑکیوں پر گہرے رنگ کے دبیز پردے کھنچے ہوئے تھے۔ ڈرائیور کے ساتھ والی سیٹ پر ایک بھاری بھرکم آدمی پیچھے کی طرف رخ کیے بیٹھا تھا۔ اس نے اپنے ہاتھ میں پکڑے ہوئے پستول کو چھپانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ سب سے پچھلی سیٹ پر بھی دو آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ صورتوں سے چھٹے ہوئے لگتے تھے۔ ان دونوں کے پاس کلاشنکوف رائفلیں تھیں۔ درمیان والی سیٹ پر رضیہ بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کے چہرے پر بڑی خباثت تھی۔ مجھے دیکھ کر اس کے ہونٹوں پر مکروہ سی مسکراہٹ پھیلتی چلی گئی۔

''مجھے یقین تھا کہ تم ضرور آؤ گے۔'' اس نے کہا اور پیچھے بیٹھے ہوئے آدمیوں میں سے ایک کو اشارہ کر دیا۔

میں ابھی سیٹ پر پوری طرح بیٹھ بھی نہیں پایا تھا کہ اس آدمی نے آگے بڑھ کر بڑی پھرتی سے میری تلاشی لینی شروع کر دی۔ میں نے مزاحمت کی کوشش کی تو اگلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے گینڈے نما شخص نے پستول کی نال میری گردن سے لگا دی۔ تلاشی لینے والے نے بڑے اطمینان سے پستول میری جیب سے نکال لیا اور دوبارہ اپنی جگہ پر بیٹھ کر رائفل سنبھال لی اور اس کے ساتھ ہی وین بھی حرکت میں آ گئی۔

''آرام سے بیٹھ جاؤ ناجی۔ رضیہ نے کہا۔ ''مجھے تم سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔ یقین کرو اگر تم تعاون کرو گے تو تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچایا جائے گا۔''

''تم لوگ مجھے کہاں لے جا رہے ہو؟'' میں نے کہا۔ ''تم جانتی ہو کہ میرے گھر میں مہمان آئے ہوئے ہیں۔ میرے اس طرح غائب ہو جانے پر وہ لوگ کیا سوچیں گے؟''

''کسی کی سوچ پر پابندی نہیں لگائی جا سکتی۔'' رضیہ بولی۔

''ہم تمہیں زیادہ دیر نہیں روکیں گے۔ زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹہ۔''

''اے گاڑی روکو۔'' میں ڈرائیور کی طرف دیکھتے ہوئے چیخا اور دروازہ کھولنے کی کوشش کرنے لگا لیکن دروازہ ٹس سے مس نہیں ہوا۔

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

''دروازہ نہیں کھلے گا۔'' رضیہ نے کہا۔ ''یہ کوئی عام ویگن نہیں ہے۔ دروازوں کا سسٹم ڈیش بورڈ سے منسلک ہے اور اس کی شیشے بھی بلٹ پروف ہیں۔ تم انہیں توڑ بھی نہیں سکتے اور شور تم اس لیے نہیں مچاؤ گے کہ اس طرح تمہاری اپنی سلامتی خطرے میں پڑ جائے گی۔ اس لئے میرا مشورہ ہے کہ آرام سے بیٹھے رہو۔''

''میڈم ٹھیک کہتی ہے۔'' پچھلی سیٹ سے آواز سنائی دی۔ ''آرام سے بیٹھے رہو ورنہ تمہاری کھوپڑی میں سوراخ کر دوں گا۔'' اس کے ساتھ ہی رائفل کی نال میری گردن سے لگ گئی۔

میرا جوش جھاگ کی طرح بیٹھ گیا اور میں بے حس و حرکت ہو کر رہ گیا۔ میں اس وقت ایک پستول اور دو رائفلوں کی زد پر تھا۔ کسی قسم کی بہادری دکھانا خودکشی کے مترادف تھا اور میں فی الحال خودکشی نہیں کرنا چاہتا تھا۔

سیٹ اگرچہ کافی کشادہ تھی لیکن رضیہ میرے ساتھ جڑ کر بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے معنی خیز نگاہوں سے میری طرف دیکھا اور سرک کر پیچھے ہٹ گئی اور ہاتھ میں پکڑے ہوئے موبائل فون پر کوئی نمبر ملانے لگی۔ کال غالباً فوراً ہی ریسیور کر لی گئی۔ رضیہ نے نہایت مدھم لہجے میں کوئی بات کی اور فون آف کر دیا۔ وہ میرے قریب بیٹھی ہوئی تھی لیکن میں اس کی آواز نہیں سن سکا۔ صرف ہونٹ ہلتے ہوئے دیکھے تھے۔

وین کی کھڑکیوں پر اگرچہ دبیز پردے کھنچے ہوئے تھے لیکن سامنے والی ونڈ سکرین سے میں باہر دیکھ سکتا تھا۔ وین اس وقت گلشن ہی کے بلاک تیرہ ڈی ٹو والی سڑک پر جا رہی تھی۔ اس کے ایک طرف بنگلے تھے اور دوسری طرف لوکل ریلوے لائن اور پھر ریلوے پھاٹک کراس کر کے وین پہلے حسن سکوائر اور وہاں سے نیشنل سٹیڈیم کی طرف جانے والی سڑک پر مڑ گئی۔

''تم لوگوں سے میرا معاملہ ختم ہو چکا ہے۔ اب تم کیا چاہتی ہو اور تم تو ویسے بھی لاہور جا چکی تھیں اچانک یہاں کیسے ٹپک پڑیں؟'' میں نے رضیہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''ہم جیسے لوگوں کے معاملات کبھی ختم نہیں ہوتے۔ اور پھر میرا اور تمہارا تو بہت لمبا حساب باقی ہے۔'' رضیہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ ''میں لاہور ضرور گئی تھی لیکن چند روز آرام کرنے کیلئے۔ دو دن پہلے مجھے اطلاع ملی کہ تم تابندہ سے شادی کرنے والے ہو اور زور و شور سے تیاریاں ہو رہی ہیں تو میں کل رات ہی یہاں پہنچ گئی۔ میں اگر چاہتی تو کوٹھی میں ایک بم پھنکوا دیتی سب کچھ ختم ہو جاتا لیکن تابندہ سے میری کوئی دشمنی نہیں ہے۔ میرا معاملہ تو تمہارے ساتھ ہے۔ اس لیے میں نے تمہیں کوٹھی سے بلوا لیا۔''

''تمہیں کیسے پتا چلا کہ میرا نکاح ہو چکا ہے۔ اس کے تھوڑی ہی دیر بعد تم نے مجھے فون کیا تھا۔'' میں نے کہا۔

''جب تمہارا نکاح ہو رہا تھا تو میں بھی اس وقت کوٹھی میں موجود تھی۔'' رضیہ نے بتایا اور میں اس انکشاف پر اچھل پڑا۔ ''اس تقریب میں موجود تمام خواتین ایک دوسرے کیلئے اجنبی ہیں۔ مجھ سے بھی کسی نے نہیں پوچھا تھا کہ میں کون ہوں۔ میرا تعلق دلہن سے ہے یا دولہا سے۔ میں تقریب میں کوئی ہنگامہ نہیں کرنا چاہتی تھی اس لیے خاموشی سے واپس آ گئی اور موبائل فون پر تمہیں شادی کی مبارکباد دے دی۔''

''تم کیا چاہتی ہو؟'' میں نے پوچھا۔

''تھوڑا صبر کرو سب کچھ بتا دیا جائے گا۔'' رضیہ نے جواب دیا۔

وین نیشنل سٹیڈیم کے سامنے کار ساز روڈ پر مڑ کر کے ڈی اے سکیم نمبر ایک میں داخل ہو گئی اور کئی منٹ گھومنے کے بعد ایک بہت بڑی کوٹھی کے سامنے رک گئی۔ اس کوٹھی کی چار دیواری کسی فصیل کی طرح تھی۔

پورچ میں وین سے اتر کر میں نے ادھر ادھر دیکھا۔ بہت وسیع و عریض کوٹھی تھی۔ یہاں ابھی صرف دو آدمی نظر آئے تھے۔ ایک گن مین گیٹ کے قریب کھڑا تھا اور دوسرا پورچ میں جہاں ایک شاندار لینڈ کروزر اور نیلے رنگ کی ایک کار بھی کھڑی تھی۔

ہمارے ساتھ آنے والے گن مین برآمدے ہی میں رک گئے اور میں رضیہ کے ساتھ اندر آ گیا۔ بہت وسیع اور شاندار ہال تھا جو قیمتی فرنیچر سے آراستہ تھا۔ یہاں ایک ادھیڑ عمر آدمی اور ایک جوان لڑکی موجود تھی۔ لڑکی کے جسم پر لباس ایسا تھا کہ دیکھ کر ہی شرم آتی تھی۔

''مارگلہ۔'' رضیہ اس لڑکی کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ ''تم لوگ یہاں سے جاؤ اور باس کو بتا دو کہ آ گیا ہے۔''

وہ دونوں اٹھ کر کمرے سے باہر چلے گئے۔ رضیہ نے دروازہ بھیڑ دیا اور مجھے ایک صوفے کی طرف اشارہ کر کے خود بھی سامنے بیٹھ گئی۔

''تمہیں شادی کرنی ہی تھی تو حریری کو کیوں جانے دیا تھا؟'' وہ میری طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ ''اس سے دو بول پڑھوا کر گھر میں ڈال لیتے۔ ویسے میں نہیں سمجھ سکی کہ تابندہ میں تمہیں کیا نظر آ گیا تھا جس پر ریشہ خطمی ہو گئے اور میرے اندر کس چیز کی کمی ہے۔ دیکھو میری طرف دیکھو سب کچھ وہی ہے جو تابندہ کے پاس ہے تم تو میرے بدن آشنا ہو۔ میں ہی وہ ہستی ہوں جس نے تمہیں زندگی کی حقیقی لذتوں سے آشنا کیا تھا۔ میں نے تو تمہارے ساتھ کوئی برائی نہیں کی تھی۔ تم ہی مجھے چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔ تم نے مجھے بہت نقصان پہنچایا۔ اس کے باوجود میں نے اپنے دروازے تمہارے لئے کھلے رکھے۔ میری پیشکش تو ہر وقت تک برقرار رہی۔ دیکھو میں وہی ہوں۔ کوئی تبدیلی نہیں آئی میرے اندر دیکھو میری طرف دیکھو کیا کمی ہے مجھ میں اور تابندہ میں۔''

رضیہ نے لباس اتار دیا۔ اس کے جسم پر صرف مختصر سے انڈر گارمنٹس رہ گئے تھے۔

''تابندہ اور تم میں یہ فرق ہے کہ وہ ایک شریف عورت ہے اور تم طوائف۔'' میں نے جواب دیا۔ ''کپڑے پہن لو۔ مجھے تمہارے جسم سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔''

رضیہ بھڑک اٹھی۔ اس نے مجھ پر جھپٹنے کی کوشش کی لیکن میں پھرتی سے ایک طرف ہٹ گیا۔

''مطلب کی بات کرو رضیہ میرا وقت ضائع مت کرو۔'' میں نے کہا۔

''وقت کو اب بھول جاؤ۔'' وہ غرائی۔ ''میرا تمہارے ساتھ بہت لمبا حساب ہے۔ یہاں سے تمہاری لاش ہی جائے گی۔''

''سنو رضیہ۔'' میں نے کہا۔ ''تمہاری رقم اور وہ زیورات جو میں راجستھان سے لایا تھا ابھی تک میرے پاس محفوظ ہیں۔ میں وہ سب کچھ تمہیں دینے کو تیار ہوں۔ میرا پیچھا چھوڑ دو۔ اب میں سکون کی

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

زندگی گزارنا چاہتا ہوں۔"

"مجھے برباد کر کے تم سکون کی زندگی کیسے گزار سکتے ہو۔ میں تمہاری زندگی کو جہنم بنا دوں گی۔" رضیہ نے کہا۔ وہ کچھ اور کہنا چاہتی تھی لیکن اسی وقت دروازہ کھلا اور وہ خاموش ہو گئی۔

وہ تحریمی تھا جس کے ہاتھ میں پیلے کور والا دیا فائل تھا۔ اس کے پیچھے گن مین تھا جس نے کسی کمانڈو کی طرح رائفل کو دونوں ہاتھوں میں تھام رکھا تھا۔ تحریمی کے ہونٹوں پر بڑی خباثت آمیز مسکراہٹ تھی۔

"بہت عیش کر لیے تم نے اس مالدار بیوہ کے ساتھ۔" بات کرتے ہوئے اس کے ہونٹوں پر بڑی مکروہ سی مسکراہٹ آ گئی تھی۔ "لیکن اب تمہیں کام کی طرف دھیان دینا پڑے گا۔ میں نے تمہارے لیے ایک بہت اچھا کام سوچ رکھا ہے۔"

"تم نے بدعہدی کی ہے تحریمی۔" میں نے کہا۔ "میں نے تمہاری ہیروئن واپس کر دی تھی اور ہمارا معاملہ ختم ہو گیا تھا۔ میں نے تو سنا تھا کہ تم بڑے بااصول آدمی ہو لیکن تم نے یہ بڑی گھٹیا حرکت کی ہے۔"

"میں اب بھی اپنے اصولوں پر قائم ہوں۔" تحریمی بولا۔ "میرا ایک اصول یہ بھی ہے کہ اپنے ساتھ دھوکا کرنے والے کو معاف نہیں کرتا۔ تمہارے معاملے میں فیصلہ کرنے میں کچھ تاخیر ہو گئی لیکن بڑے ٹھیک ہی کہہ گئے ہیں کہ دیر آید درست آید۔ تمہاری وجہ سے مجھے بہت نقصان اٹھانا پڑا ہے۔ چند مہینے پہلے بندرگاہ پر پکڑا جانے والا مال کروڑوں ڈالر کا تھا۔ میں تو سمجھا تھا کہ ہم سے کوئی غلطی ہو گئی ہو گی جس سے کسٹم کو ہاتھ ڈالنے کا موقع مل گیا لیکن مجھے تو چند روز پہلے ہی پتا چلا ہے کہ اس کی مخبری تم نے کی تھی۔ میں تم پر ہاتھ ڈالنے کیلئے مناسب وقت کا انتظار کر رہا تھا اور میرے خیال میں اس سے زیادہ بہتر وقت اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ وہ مال دار عورت تمہاری بیوی بن چکی ہے۔ تم کم سے کم اسے بچانے کیلئے تو کوئی قربانی دے سکو گے۔"

"کیا چاہتے ہو؟" میں نے گھورتی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ مجھے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ وہ میرے خلاف کوئی جال بچھا رہا ہے۔

"فی الحال اس کاغذ پر دستخط کرنے کے علاوہ تمہیں کچھ نہیں کرنا۔" اس نے ہاتھ میں پکڑا ہوا فائل میری طرف بڑھا دیا۔ "دستخط کر کے تم واپس جا سکتے ہو۔ وہاں پہنچ کر کوئی بہانہ کر دینا کہ کسی نہایت ضروری کام کی وجہ سے کسی کو اطلاع دیئے بغیر کہیں جانا پڑ گیا تھا۔ تمہاری معذرت کے بعد بات ختم ہو جائے گی۔ انکار کی صورت میں آج کے بعد تم کھلا آسمان نہیں دیکھ سکو گے۔ اسے پڑھ لو۔ فیصلہ کرنے میں تمہیں کوئی دشواری پیش نہیں آئے گی۔"

اس نے فائل میرے سامنے پھینک دیا۔ میں نے فائل اٹھا کر کھولا اس میں صرف ایک ہی کاغذ لگا ہوا تھا جس پر اوپر سے نیچے تک اردو میں ایک عبارت تحریر تھی۔ یہ عبارت شکستہ لکھائی میں تھی لیکن پڑھنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آ رہی تھی۔

میں جیسے جیسے اس عبارت کو پڑھتا گیا میرے خون کی گردش تیز ہوتی گئی۔ دماغ کی نسوں میں

تناؤ سا پیدا ہو گیا اور کنپٹیاں سلگنے لگیں۔ اس عبارت کے آخر میں دستخط کی جگہ چھوڑی ہوئی تھی۔ میں نے وہ فائل دور پھینک دیا اور ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ یہ میرے جرائم کا اعتراف نامہ تھا۔

اس کہانی کی ابتداء قصور سے کی گئی تھی جس میں بتایا گیا تھا کہ میں سکول میں تعلیم حاصل کرنے کیلئے گاؤں سے قصور آیا تھا جہاں پہلوان شجاع نامی ایک ہمدرد شخص نے مجھے اپنے گھر میں جگہ دے دی اور میرے تمام اخراجات بھی وہی اٹھا رہا تھا۔

رضیہ' شجاع کی بیوی' جوان اور حسین تھی۔ شجاع اکثر کئی کئی روز تک کاروباری سلسلے میں گھر سے باہر رہتا تھا۔ رضیہ کو دیکھ کر میری نیت خراب ہو گئی۔ ایک رات میں نے چاقو دکھا کر رضیہ کو دھمکی دی تھی کہ اگر اس نے اپنے شوہر کو بتایا تو اسے قتل کر دوں گا۔ اس رات کے بعد بھی میں رضیہ کو ڈرا دھمکا کر اکثر و بیشتر یہ حرکت دہراتا رہا۔ ایک روز شجاع کو پتا چل گیا۔ اس نے مجھے پولیس کے حوالے کر دینے کی دھمکی دی لیکن میں نے اسے مار ڈالا اور قصور شہر سے فرار ہو کر لاہور آ گیا۔

میری طرف سے اس اعتراف نامے میں' میرے جرائم کی طویل فہرست شامل تھی جس میں کئی ایسے لوگوں کے نام تھے جو میرے ہاتھوں موت کے گھاٹ اتر چکے تھے اور آخر میں لاہور میں رضیہ کے گھر سے زیورات اور لاکھوں روپے نقدی اور جعلسازی سے اس کی کوٹھی فروخت کرنے کی تفصیل بھی شامل تھی۔

میں سمجھ گیا کہ یہ سکرپٹ رضیہ کی مشاورت سے تیار ہوا تھا۔ وہ واقعی بے غیرت تھی اس سکرپٹ میں اس نے جس طرح اپنی عزت لٹنے کی کہانی سنائی تھی ایسی باتیں اس جیسی عورتیں ہی کر سکتی تھیں۔

"نہیں تحریمی۔" میں نے تحریمی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "میں اس کاغذ پر دستخط نہیں کر سکتا۔"

"میرا خیال ہے تمہیں دستخط کر دینے چاہئیں۔" تحریمی مسکرا دیا۔

"تاکہ تم مجھے زندگی بھر بلیک میل کر سکو۔" میں نے کہا۔

"میری بات کو سمجھنے کی کوشش کرو ناجی۔" تحریمی بولا۔ "ہم جیسے لوگ جو اس دھندے میں آ چکے ہیں' کبھی شریفانہ زندگی نہیں گزار سکتے لیکن اس کے باوجود ہمیں بڑے بڑے شرفا سے زیادہ شریف اور معزز سمجھا جاتا ہے۔ تم ہم سے الگ ہو کر جو خواب دیکھ رہے ہو وہ کبھی پورا نہیں ہو گا۔ اس کاغذ پر دستخط کر دو اور اپنے ماضی کو بھول جاؤ۔ کوئی تمہاری طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھ سکے گا۔ ہم تمہیں مکمل تحفظ فراہم کریں گے۔ تم اپنی بیوی کے ساتھ سکون اور اطمینان کی زندگی گزارتے رہو۔ صرف کبھی کبھار ہمارے لیے تھوڑا بہت کام کرنا ہو گا۔ اس طرح ہمارا پچھلا نقصان بھی پورا ہو جائے گا۔"

"نہیں۔" میں نے نفی میں سر ہلا دیا۔ "مجھے زندہ رہنے کیلئے یہ شرط منظور نہیں۔"

"سوچ لو وہ شریف عورت دوسری مرتبہ بیوہ ہو جائے گی۔" تحریمی نے کہا۔ اس کے ہونٹوں پر ایک بار پھر بڑی مکارانہ مسکراہٹ ابھر آئی تھی۔

"وہ بڑی مضبوط عورت ہے۔ یہ صدمہ برداشت کر لے گی۔" میں نے جواب دیا۔

"لیکن اس صدمے کا سامنا کرنے سے پہلے اسے کئی اور صدمے سہنے پڑیں گے اور ہو سکتا ہے پے در پے ان صدمات سے اس کا دماغ پلٹ جائے اور پاگلوں کی طرح کپڑے پھاڑ کر سڑکوں پر نکل آئے۔" تحریمی بولا۔

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

''میں جانتا ہوں تم ایسا کر سکتے ہو' لیکن۔''

''رضیہ۔'' تحریکی میری بات کاٹتے ہوئے رضیہ کی طرف متوجہ ہوا۔

''تم اس کی پرانی دوست ہو۔ تم ہی اسے کچھ سمجھانے کی کوشش کرو۔ شاید تمہاری زبان اس کی سمجھ میں آ جائے۔''

تحریکی اپنے محافظ کے ساتھ باہر چلا گیا۔ رضیہ نے آگے بڑھ کر دروازہ بند کر دیا اور میرے قریب آ گئی۔ رضیہ کے حسین ہونے میں کوئی شبہ نہیں تھا۔ اسے اس حالت میں دیکھ کر کوئی بھی شخص دیوانہ ہو سکتا تھا لیکن مجھے اس عورت سے شدید نفرت ہو گئی تھی بے غیرتی میں یہ کوٹھے پر بیٹھی ہوئی طوائفوں سے بھی آگے نکل گئی تھی۔

وہ میرے سامنے کھڑی چند لمحے میرے چہرے کو تکتی رہی پھر مجھے پکڑ کر صوفے پر گر گئی۔

''دیکھو ڈیئر۔'' وہ مجھے قائل کرنے کی کوشش کرتے ہوئے بولی۔ ''ان لوگوں کو جتنا میں جانتی ہوں تم نہیں جانتے۔ یہ انسان نہیں بھیڑیے ہیں۔ یہ تمہارے ساتھ جو کریں گے سو کریں گے' یہ تو تابندہ کی زندگی بھی جہنم بنا دیں گے۔ وہ ایک شریف عورت ہے اور اب تو وہ تمہاری بیوی بھی ہے۔ تمہاری عزت کیا تم پسند کرو گے کہ تمہاری بیوی پر تمہارے سامنے بھیڑیے چھوڑ دیئے جائیں۔ انسانی بھیڑیے جو درندوں سے زیادہ خطرناک ہیں اور منٹوں میں اس کا تیاپانچہ کر دیں گے۔''

''مجھے دھمکا رہی ہو؟'' میں نے اسے پیچھے دھکیلتے ہوئے کہا۔

''یہ دھمکی نہیں ہے میں تمہیں بہت بڑے خطرے سے آگاہ کر رہی ہوں۔'' رضیہ بولی۔ ''میری بات مان لو اور اس کاغذ پر دستخط کر دو۔ اس میں تمہارا کوئی نقصان بھی تو نہیں ہے۔ تم تو ویسے بھی ہائی رسک پر ہو۔ اپنے خلاف دوسرے محاذ کھولنے کے بجائے ان سے مفاہمت کر لو۔ اس سے یہ فائدہ ہو گا کہ یہ تمہیں تحفظ فراہم کریں گے۔ ان کے پاس بے پناہ وسائل ہیں۔ ان کے اشاروں پر تو حکومتیں بدل جاتی ہیں۔ بڑی طاقتوں کے مالک ہیں یہ لوگ ان کے ساتھ مل کر فائدے میں رہو گے۔ تابندہ بھی آرام و سکون سے زندگی گزار سکے گی۔ میری بات مان لو۔''

''تم ان کی دلالی کیوں کر رہی ہو؟'' میں نے اس کی بات کاٹ دی۔ ''ایک بات میں تمہیں بھی بتا دینا چاہتا ہوں۔ تحریکی تمہیں مہرے کی طرح استعمال کر رہا ہے تم خوبصورت ہو' تم پر ابھی شباب کا تھوڑا سا سایہ باقی ہے لیکن جیسے ہی تمہارا یہ خوبصورت جسم ڈھلنا شروع ہوا تم ان عالیشان کوٹھیوں سے نکل کر سڑکوں پر پہنچ جاؤ گی اور اپنے آپ کو زندہ رکھنے کیلئے دس دس روپے والے گاہک تلاش کرتی پھرو گی۔''

''میری بات چھوڑو تم اپنی فکر کرو۔'' رضیہ نے ڈھٹائی سے مسکراتے ہوئے جواب دیا اور وہ ہتھکنڈے استعمال کرنے لگی جن سے کوئی عورت کسی بھی مرد کو زیر کر سکتی ہے۔

میں نے اسے پیچھے دھکیل دیا اور اٹھ کر بیٹھ گیا۔ وہ بانہیں پھیلائے دوبارہ میری طرف جھکنے لگی تو میں نے اس کے منہ پر زوردار تھپڑ رسید کر دیا۔

رضیہ کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی۔ وہ پیچھے الٹ گئی۔ چند لمحے گال سہلاتے ہوئے خونخوار نظروں سے میری طرف دیکھتی رہی پھر خونخوار بلی کی طرح میرے اوپر جھپٹی۔ میں نے اسے ایک اور تھپڑ

رسید کر دیا۔

رضیہ پر جنون سا طاری ہو گیا۔ وہ بلی ہی کی طرح غراتی ہوئی ناخنوں سے میرا چہرہ نوچنے کی کوشش کر رہی تھی لیکن میں نے اس کے ہاتھ اپنے چہرے تک نہیں پہنچنے دیئے۔

وہ میرا ایک اور تھپڑ کھا کر لڑکھڑاتی ہوئی صوفے سے ٹکرا کر پشت کے بل قالین پر گری۔ اس کی آنکھوں میں چنگاریاں سی سلگ رہی تھیں۔

''میں چاہتی تھی تم شرافت سے ہماری بات مان لو۔ اس طرح تم زندگی بھر عیش کرتے لیکن کسی نے ٹھیک کہا ہے لاتوں کے بھوت باتوں سے نہیں مانتے۔ تم بھی یہی چاہتے ہو کہ ہم تشدد کا راستہ اختیار کریں۔ ٹھیک ہے تمہارے ساتھ اب دوسری زبان میں بات ہو گی۔'' رضیہ نے کہتے ہوئے اٹھ کر اپنے کپڑے اٹھائے اور تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

اچانک ہی میرے ذہن میں ایک اور خیال آیا۔ میں رضیہ کو پکڑنے کیلئے تیزی سے اس کی طرف لپکا۔ وہ میری نیت کو بھانپ گئی اور دروازہ کھول کر تیزی سے باہر نکل گئی۔ میں قریب پہنچا تو دروازہ دھڑ سے بند ہو گیا۔ میں نے ہینڈل کو جھٹکے دیتے ہوئے دروازہ کھولنے کی کوشش کی لیکن باہر سے کنڈا لگا دیا گیا تھا۔

میں چند لمحے دروازے کے قریب کھڑا رہا پھر ادھر ادھر دیکھتے ہوئے پچھلی طرف کھڑکی کی طرف لپکا جس کے سامنے دبیز پردہ ٹنگا ہوا تھا میں نے ایک جھٹکے سے پردہ ایک طرف کھینچ دیا لیکن اس کے ساتھ ہی میرے منہ سے گہرا سانس نکل گیا۔ کھڑکی میں باہر کی طرف آہنی سلاخوں کا جنگلا لگا ہوا تھا۔

میں وہیں رک کر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔ اس طرف بھی بہت وسیع کھلی جگہ تھی۔ ناریل اور آم کے چند درخت بھی نظر آ رہے تھے۔ خودرو جھاڑیاں بکثرت پھیلی ہوئی تھیں۔ ان جھاڑیوں اور سوکھی ہوئی زرد گھاس کو دیکھ کر اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ اس طرف کبھی توجہ ہی نہیں دی گئی۔ اس بنجر اور ویران لان کے پرلی طرف کوٹھی کی عقبی دیوار بھی چودہ پندرہ فٹ اونچی تھی۔

میں کوٹھی کا عقبی منظر دیکھ رہا تھا کہ آہٹ سن کر پیچھے گھوم گیا۔ دروازہ کھلا اور دو آدمی اندر داخل ہوئے۔ وہ دونوں دراز قامت اور گینڈے کی طرح مضبوط جسموں کے مالک تھے۔ ان کے چہروں ہی سے لگ رہا تھا کہ مار دھاڑ میں وسیع تجربہ رکھتے ہیں۔ ایک کی پیشانی پر زخم کا لمبا نشان نظر آ رہا تھا۔ غالباً کسی زمانے میں چاقو وغیرہ لگا ہو گا۔ ان دونوں نے جینز اور پیلے رنگ کی ٹی شرٹ پہن رکھی تھیں۔ پیروں میں جوگرز تھے۔

وہ دونوں میرے قریب آ کر رک گئے اور خونخوار نظروں سے میری طرف دیکھنے لگے۔

''کیوں بے پدے۔'' ایک نے ایک قدم مزید آگے بڑھتے ہوئے کہا۔ ''تیرے اندر جان تو ہے نہیں ہمیں دعوت دے کر بلا لیا۔ اب کر دے اس کاغذ پر سائن' کیوں اپنی جان کا دشمن ہو رہا ہے۔''

''تم لوگوں کو جس کام کیلئے بھیجا گیا ہے وہ کرو۔'' میں نے اسے گھورتے ہوئے جواب دیا۔

''ارادے تو بڑے مضبوط ہیں بھئی تمہارے۔'' وہ بولا۔ ''رستم کے دو چار ہاتھ بھی برداشت کر لو تو شاگرد ہو جاؤں گا تیرا۔''

www.pdfbooksfree.pk

جملہ ختم کرتے ہی اس نے بڑی پھرتی سے ہاتھ کو حرکت دی۔ وہ میرے جبڑے پر گھونسا مارنا چاہتا تھا۔ میں بھی غافل نہیں تھا۔ میں نے بائیں ہاتھ سے اس کا وار روک لیا اور دائیں ہاتھ سے اس کی بغل کے نیچے زوردار گھونسا جما دیا۔ وہ منہ سے اوغ کی آواز نکالتا ہوا اپنی جگہ سے کوئی چھ انچ اوپر اچھلا۔ موقع پا کر میں نے ایک اور گھونسہ اسی جگہ رسید کیا اور پھر دوسرا ہاتھ بھی اس کی کلائی پر جما کر اس کے بازو کو موڑتا ہوا بڑی تیزی سے گھوم گیا اور اسے اپنی کمر پر لاد کر دھوبی پاٹ کی طرح آگے کی طرف پٹخ دیا۔

وہ پشت کے بل کرسی پر گرا۔ اس کے منہ سے ہلکی سی چیخ بھی نکل گئی تھی۔ میں نے تیزی سے گھوم کر اس کے کولہے پر زوردار لات رسید کر دی۔ وہ کرسی سمیت دوسری طرف الٹ گیا۔ میں تیزی سے دوسرے آدمی کی طرف گھوم گیا۔ اس کی آنکھوں میں وحشت بھری ہوئی تھی۔

''یہ رستم تھا اور تم۔'' میں نے اشتعال دلانے والے لہجے میں دونوں کو حرکت دی۔ ''میرا خیال ہے تمہارا نام سہراب ہوگا۔ آؤ آؤ ذرا تمہیں بھی دیکھ لوں۔''

وہ تیزی سے مجھ پر جھپٹا میں اس کے حملے کیلئے تیار تھا۔ وہ جیسے ہی قریب پہنچا میں پھرتی سے نیچے جھک گیا اور جب سیدھا ہوا تو سہراب میری پشت پر لدا ہوا تھا۔ میں نے گھوم کر اسے رستم کی طرف اچھال دیا۔ رستم اس وقت اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ سہراب اس کے اوپر گرا اور وہ چیختا ہوا پھر ڈھیر ہو گیا۔

میں نے موقع سے فائدہ اٹھایا اور دونوں پر ٹھوکروں کی بارش کر دی۔ لیکن ایک موقع پر رستم نے بڑی تیزی سے لوٹ لگا کر میری ٹانگ پر گھٹنے کے ٹھیک پیچھے ٹھوکر ماری۔ میں اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا اور پشت کے بل گرا اور پھر مجھے سنبھلنے کا موقع نہیں مل سکا۔

اب ان کی باری تھی۔ وہ دونوں مجھ پر گھونسے اور ٹھوکریں برسانے لگے۔ ہر ٹھوکر میرے جسم کو ہلائے دے رہی تھی۔ میں بچنے کی کوشش کرتا رہا لیکن وہ دونوں بڑے پھرتیلے نکلے تھے۔ شروع میں تو مار کھا گئے تھے اب گن گن کر بدلے لے رہے تھے۔

سہراب نے مجھے بالوں سے پکڑ کر اٹھا لیا اور بڑی تیزی سے پیچھے پہنچ کر دونوں ہاتھ بغلوں میں ڈال دیئے اور گردن کے پیچھے لے جا کر انگلیوں میں انگلیاں پھنسا دیں۔ سامنے سے رستم میرے پیٹ پر گھونسے برسانے لگا۔

میری پوزیشن بڑی آک ورڈ تھی۔ میری گردن اس کے شکنجے میں پھنسی ہوئی تھی۔ میں اگر آگے کو جھکتا تو دباؤ پڑنے سے گردن کی ہڈی ٹوٹ سکتی تھی۔ سامنے سے رستم پیٹ اور سینے پر گھونسے برسا رہا تھا۔ میرے پاس اب ایک ہی حربہ رہ گیا تھا۔

میں دونوں کہنیوں سے پیچھے کی طرف رستم کی پسلیوں پر ضربیں لگانے لگا۔ میری یہ کوشش رنگ لائی۔ چند ضربیں لگنے کے بعد رستم نے میری گردن چھوڑ دی۔ اس وقت رستم میرے سامنے تھا۔ میں نے اس پر وہ داؤ استعمال کیا جو ایک مرتبہ رنگا نے مجھ پر استعمال کیا تھا۔ میرے سر کی بھرپور ٹکر رستم کے سینے پر لگی۔ وہ بلبلاتا ہوا دوہرا ہو گیا۔ میں نے اس کی گردن پر دو ہتھڑ رسید کر دیا۔ وہ میرے قدموں میں گر گیا۔ اس سے پہلے کہ میں کوئی اور قدم اٹھاتا سہراب نے مجھے کمر سے بانہوں کی لپیٹ میں لے لیا اور پوری قوت سے گھما کر ایک طرف اچھال دیا۔ میں صوفے پر گرا اور صوفے سمیت دوسری طرف الٹ گیا اور پھر مجھے

aazzamm@yahoo.com

سنبھلنے کا موقع نہیں مل سکا۔ ان دونوں نے ایک بار پھر مجھے چھاپ لیا۔ وہ دونوں ایک بار پھر میری دھنائی کرنے لگے۔

میری ناک اور ہونٹوں سے خون بہہ رہا تھا۔ انہوں نے میرے جسم کا جوڑ جوڑ ہلا کر رکھ دیا تھا۔ میں واقعی بہت ڈھیٹ تھا۔ میری جگہ کوئی اور ہوتا تو اب تک ڈھیر ہو چکا ہوتا۔

رستم نے میرے بالوں کو مٹھی میں جکڑ لیا اور میرا سر زور زور سے کرسی کے ہتھے سے ٹکرانے لگا۔ میری پیشانی کی کھال پھٹ گئی جس سے خون رسنے لگا۔

اس وقت تحریمی کمرے میں داخل ہوا۔ اسے دیکھ کر رستم اور سہراب نے ہاتھ روک لئے۔ وہ دونوں بری طرح ہانپ رہے تھے۔ میں قالین پر پڑا ہوا تھا۔ میری حالت بھی بہت غیر ہو رہی تھی۔ ہونٹ، ناک اور پیشانی سے خون بہہ رہا تھا۔ مزید مار کھانے کی سکت نہیں رہی تھی۔ ان کا مطالبہ پورا کر کے میں اپنی جان بچا سکتا تھا لیکن میں اپنی موت کے پروانے پر دستخط نہیں کر سکتا تھا۔

تحریمی نپے تلے قدم اٹھاتا ہوا میرے قریب آ کر رک گیا۔ وہ چند لمحے میری طرف دیکھتا رہا پھر رستم کو اشارہ کیا۔ رستم نے وہ فائل اٹھا کر اس کے حوالے کر دی۔ تحریمی نے بال پین نکال لیا اور جھک کر میرے چہرے پر نظریں جمائے ہوئے بولا۔ ''ایک دستخط تمہیں اس اذیت سے نجات دلا سکتا ہے۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ یہ کاغذ میری تجوری میں محفوظ رہے گا اور کبھی کسی اور کی نظروں میں نہیں آئے گا۔ لو دستخط کر دو۔ تمہاری نو بیاہتا بیوی تمہارا انتظار کر رہی ہوگی۔ ہم تمہارا حلیہ درست کر کے تمہیں ایک گھنٹے میں اس کے پاس پہنچا دیں گے اور پھر مزے سے سہاگ رات مناتے رہنا۔''

میں نے اس طرح ہاتھ آگے بڑھایا جیسے اس کے ہاتھ سے بال پین لینا چاہتا ہوں۔ تحریمی کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آ گئی لیکن دوسرے ہی لمحہ میرا بھرپور گھونسا اس کی ناک پر لگا اور وہ چیختا ہوا پیچھے الٹ گیا۔

وہ چوٹ کھائے ہوئے کتے کی طرح بلبلا رہا تھا۔ میرا گھونسا اس کی ناک کے بانسے پر لگا تھا۔ ہڈی ٹوٹی تھی یا نہیں اس کا تو مجھے علم نہیں تھا لیکن خون کا فوارہ چھوٹ پڑا تھا جس سے اس کا سفید اجلا عربی لباس داغدار ہونے لگا۔

رستم اور سہراب پہلے تو سمجھ ہی نہیں سکے کہ یہ سب کیا ہو گیا تھا لیکن جب بات ان کی سمجھ میں آئی تو وقت گزر چکا تھا۔ تحریمی کی گردن پوری طرح میرے بازو کے شکنجے میں آ چکی تھی۔

رستم اور سہراب مجھ پر پل پڑے۔ ان کے گھونسے اور ٹھوکریں وزنی ہتھوڑوں کی طرح میرے جسم پر پڑ رہی تھیں۔ میں تحریمی کی گردن کو زور زور سے جھٹکے دیتا رہا۔ اس کے حلق سے خرخراہٹ کی عجیب سی آوازیں نکل رہی تھیں۔

رستم چیخ چیخ کر کسی کو پکار رہا تھا۔ دو آدمی اور دوڑتے ہوئے کمرے میں آ گئے اور وہ بھی مجھ پر ٹوٹ پڑے۔

ان چاروں نے بڑی مشکل سے تحریمی کو میرے چنگل سے چھڑایا تھا۔ تحریمی قالین پر اوندھا پڑا تھا۔ رستم نے سہارا دے کر صوفے پر بٹھا دیا جبکہ باقی تین میری خاطر تواضع کرتے رہے۔ میری چیخیں

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

کمرے میں گونجتی رہیں اور پھر تحریکی کی آواز بھی میری چیخوں میں شامل ہوگئی۔

”مارو۔“ وہ چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا۔ ”مارو اس کو اتنا مارو کہ اس کی آنے والی نسلیں بھی یاد رکھیں۔“

مجھ پر گھونسوں اور ٹھوکروں کی جو بارش ہو رہی تھی اس میں کچھ اور بھی شدت آ گئی۔ لیکن اسی دوران مجھے ایک اور موقع مل گیا۔ میں اپنے آپ کو ان تینوں کی گرفت سے چھڑا کر ہوا میں اڑتا ہوا تحریکی کے اوپر جا گرا اور ہم صوفے سمیت پیچھے الٹ گئے۔ میں ایک بار پھر تحریکی کی گردن گرفت میں لینا چاہتا تھا لیکن اس مرتبہ مجھے موقع نہیں مل سکا۔ وہ تینوں ایک بار پھر مجھ پر ٹوٹ پڑے تھے۔ ان میں سے کسی کی زوردار ٹھوکر میرے سر پر پڑی۔ میرا دماغ جھنجنا اٹھا۔ آنکھوں کے سامنے نیلی پیلی چنگاریاں سی رقص کرنے لگیں اور پھر اندھیرے کی سیاہ چادر میری نظروں کے سامنے پھیلتی چلی گئی۔

میں نہیں کہہ سکتا کہ کتنی دیر بیہوش رہا تھا۔ ہوش آیا تو میں ایک ایسے کمرے میں تھا جہاں فرنیچر نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ فرش گرد آلود تھا۔ میں نے اپنی جگہ سے حرکت کرنے کی کوشش کی تو بے اختیار کراہ اٹھا۔ میرے جسم کا جوڑ جوڑ دکھ رہا تھا۔ ناک اور ہونٹوں سے بہنے والا خون جم چکا تھا۔ سر پر ہاتھ رکھا تو بالوں میں چپچپاہٹ سی محسوس ہوئی۔ سر پر بھی چوٹ لگی تھی اور خون جم چکا تھا۔

میں کتنی دیر تک اپنی جگہ پر بے حس و حرکت پڑا رہا۔ میرے حواس بتدریج بحال ہوتے چلے گئے۔ میں بڑی مشکل سے اٹھ کر بیٹھ سکا تھا۔ یہ کمرہ دس بائے دس فٹ سے زیادہ نہیں تھا۔ اس میں کوئی کھڑکی یا روشندان نہیں تھا۔ صرف ایک دروازہ تھا جو بند تھا۔ چھت پر مدھم روشنی کا بلب جل رہا تھا اور پنکھا چل رہا تھا لیکن کسی دیوار پر پنکھے یا بلب کا سوئچ نظر نہیں آ رہا تھا۔ مجھے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ یہ کوئی تہہ خانہ تھا اور بلب اور پنکھے کے سوئچ بھی اس کمرے سے باہر تھے۔

میں نے اٹھنے کی کوشش کی لیکن پھر بیٹھ گیا اور اپنے جسم کی ٹوٹ پھوٹ کا جائزہ لینے لگا۔ یوں تو میرا جسم بری طرح دکھ رہا تھا لیکن بائیں بازو میں کندھے اور کہنی کے درمیان اٹھنے والے درد نے مجھے چونکا دیا۔ یہ درد قدرے مختلف محسوس ہوا تھا مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ میں بیمار ہوا تھا اور مجھے انجکشن لگا تھا اور دو تین دن تک ایسا ہی درد ہوتا رہا تھا۔

میں نے اپنے بازو کو ٹٹولا اور اس جگہ کو چٹکی میں لے کر دیکھنے لگا اور پھر میں چونکے بغیر نہیں رہ سکا تھا باریک سا سرخ نشان واضح طور پر نظر آ رہا تھا۔ مجھے انجکشن کیوں لگایا گیا تھا۔ میں دیر تک سوچتا رہا لیکن کوئی بات میری سمجھ میں نہیں آ سکی۔ میں نے اٹھ کر دروازہ کھولنے کی کوشش کی مگر کامیاب نہیں ہو سکا۔ دروازہ باہر سے مضبوطی سے بند تھا۔ میں ایک دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔

میرے دماغ میں اس وقت آندھیاں سی چل رہی تھیں۔ یہ لوگ مجھے میری شادی کی تقریب سے اٹھا کر لائے تھے۔ وہاں بہت سارے معززین جمع تھے۔ میرے اس طرح غائب ہو جانے پر ان لوگوں نے کیا سوچا ہوگا۔ تابندہ کیا سوچتی ہوگی۔ اس کی کیا حالت ہوگی؟ کیا مجھے دھوکے باز سمجھ کر انسپکٹر فرمان کو میرے بارے میں سب کچھ بتا دیا ہوگا؟

میرے دل میں طرح طرح کے خیالات آ رہے تھے۔ مجھے اور کسی کی پروا نہیں تھی۔ مجھے تو صرف تابندہ کی پریشانی تھی۔

تحریکی بہت خبیث انسان ثابت ہوا تھا۔ یہ مجھ سے ایسی تحریر پر دستخط کرانا چاہتا تھا کہ میں زندگی بھر اس کے چنگل میں پھنسا رہوں اور اس کے اشاروں پر ناچتا رہوں۔ تحریکی بچ گیا تھا اگر وہ اکیلا میرے ہاتھ میں آ جاتا تو اس کی گردن مروڑ دیتا لیکن اس کے گرگوں نے اسے بچا لیا تھا۔

اس تہہ خانے میں وقت کا اندازہ لگانا مشکل تھا۔ مجھے یہ بھی پتا نہیں تھا کہ میں کتنی دیر بے ہوش پڑا رہا تھا۔

میرے دماغ پر غنودگی سی طاری ہو رہی تھی۔ میں نے ٹانگیں پھیلا لیں۔ میری آنکھیں خود بخود بند ہوتی چلی گئیں۔

دوبارہ آنکھ کھلی تو صورتحال جوں کی توں تھی۔ میں گرد آلود فرش پر پڑا تھا۔ میرا جسم بری طرح دکھ رہا تھا۔ اس کے ساتھ ہی میں نے ایک بات اور محسوس کی تھی۔ مجھ پر عجیب طرح کی سستی اور نقاہت سی طاری ہو رہی تھی۔

پتا نہیں کتنا وقت گزرا ہوگا۔ گھنٹہ دو گھنٹے مجھے کچھ اندازہ نہیں تھا۔ دروازہ کھلنے کی آواز سن کر میں نے اس طرف دیکھا۔

تین آدمی اندر داخل ہوئے تھے۔ رستم، سہراب اور تیسرا چہرہ میرے لئے اجنبی تھا۔

وہ تینوں میرے قریب آ کر رک گئے۔ میں نے اپنی جگہ سے اٹھنے کی کوشش کی تو رستم اور سہراب نے مجھے گرفت میں لے لیا۔ تیسرے آدمی نے جیب سے ایک سرنج نکالی۔ اس میں مٹیالے رنگ کا کوئی سیال بھرا ہوا تھا۔ اس نے نیڈل پر چڑھی ہوئی پلاسٹک کی کیپ اتار کر پھینک دی اور سوئی میرے بازو میں پیوست کر دی۔ سرنج میں بھرا ہوا سیال آہستہ آہستہ میرے جسم میں منتقل ہونے لگا۔

مجھ پر اس وقت عجیب سی کیفیت طاری تھی۔ وہ تینوں مجھے چھوڑ کر دروازے کی طرف بڑھ گئے اور میں اپنی جگہ بے حس و حرکت پڑا متوحش سی نظروں سے ان کی طرف دیکھتا رہ گیا۔

☆......☆......☆

abeeraza@hotmail.com

aazzamm@yahoo.com

Scanned By:

aazzamm@yahoo.com

ان دونوں کے کمرے سے باہر نکلتے ہی دروازہ باہر سے بند ہو گیا۔ میں باجود دوکوشش کے ایک لفظ بھی زبان سے ادا نہیں کر پایا تھا۔ اور خالی خالی نظروں سے بند دروازے کو دیکھے جا رہا تھا۔ میرے دماغ میں اس وقت ایک عجیب سی سنسناہٹ ہو رہی تھی اور میں خود کو ہواؤں میں اڑتا ہوا سا محسوس کر رہا تھا..... میں اپنی اس کیفیت پر حیران تو ضرور تھا لیکن اس وقت میرا ذہن کچھ بھی سوچنے پر آمادہ نہیں تھا۔ میری آنکھیں خود بخود بند ہوتی چلی گئیں' ذہن ایک بار پھر تاریکیوں میں ڈوبنے لگا لیکن مکمل تاریکی چھانے سے پہلے ایک کوندا سا میرے ذہن میں لپکا..... لفظ ''ہیروئن'' میرے ذہن کی سکرین پر ابھرا اور اس کے بعد میرے حواس نے ایک بار پھر میرا ساتھ چھوڑ دیا۔

نہ جانے میں کب تک یونہی ہوش و حواس سے بیگانہ پڑا رہا۔ جب میری آنکھ کھلی تو میری کیفیت پہلے سے بھی زیادہ خراب ہو رہی تھی' چند لمحوں تک تو مجھے یہ بھی یاد نہیں آ سکا کہ میں اس وقت کہاں موجود ہوں؟ میری زبان چمڑے کی طرح سخت ہو رہی تھی۔ مجھے شدید پیاس محسوس ہو رہی تھی اور نقاہت بھی پہلے سے کئی گنا بڑھ چکی تھی۔

رفتہ رفتہ میرے حواس پر چھائی ہوئی دھند ذرا چھٹی اور میں نے اٹھنے کی کوشش کی تو اذیت کی ایک لہر میرے سارے جسم میں دوڑ گئی۔ میں نے سختی سے دانت پر دانت جمائے اور کسی نہ کسی طرح دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ اس تہہ خانے میں دن یا رات کے بارے میں اندازہ لگانا ناممکن تھا۔ چھت پر وہی مدھم روشنی کا بلب روشن تھا اور پنکھا بھی بدستور چل رہا تھا۔

پنکھا چلنے کی مدھم سی سرسراہٹ کے علاوہ اردگرد مکمل خاموشی طاری تھی۔ نہ جانے مجھے یہاں قید ہوئے کتنا وقت گزر چکا تھا۔ باہر کی دنیا سے میرا رابطہ ٹوٹے کتنے گھنٹے' کتنے پہر گزر چکے تھے..... مجھے کچھ اندازہ نہیں تھا لیکن ایک بات اچھی طرح میری سمجھ میں آ گئی تھی کہ مجھے ہیروئن کے انجکشن لگائے جا رہے تھے۔ تحریمی نے مجھے توڑنے' میری قوت ارادی کو کمزور کرنے کیلئے مجھ پر یہ حربہ استعمال کیا تھا تاکہ میں اس کاغذ پر دستخط کرنے پر مجبور ہو جاؤں' جس پر اس نے میرے کردہ و ناکردہ گناہ اپنی مرضی کے مطابق تحریر کئے تھے کہ میں اس کے اشاروں پر ناچنے کیلئے تیار ہو جاؤں۔

یہ بات وہ اچھی طرح جان چکا تھا کہ میں آسانی سے اس کے قابو میں آنے والا نہیں ہوں کیونکہ میں خالی ہاتھوں اس کو اچھا خاصا زخمی کر چکا تھا..... اگر اس کے پالتو غنڈے مداخلت نہ کرتے تو شاید میں اس کا قیمہ بنا ڈالتا۔ میں اکیلا تھا اور وہ کئی پھر بھی میں نے ان کا ڈٹ کر مقابلہ کیا تھا۔ بالآخر میں سر پر

لگنے والی ایک زوردار ضرب کے نتیجے میں بیہوش ہو گیا تھا اور تحریمی نے مجھے اس تہہ خانے میں ڈلوا دیا تھا۔

یہ شاید تحریمی کے اسی عالی شان بنگلے کا تہہ خانہ تھا جہاں مجھے میری شادی کی تقریب سے اٹھا کر لایا گیا تھا..... شادی کی تقریب کا خیال آتے ہی میرے دل میں ایک ٹیس سی اٹھی۔ نہ جانے میرے بعد تابندہ کا کیا حال ہو گا؟ اس نے مہمانوں کو کس طرح فیس کیا ہو گا؟ سب سے بڑھ کر اس نے اپنے قریبی دوست انسپکٹر فرمان کو کیا کہہ کر مطمئن کیا ہو گا۔ کیونکہ وہ یہ بات ماننے کیلئے بالکل تیار نہیں ہوا ہو گا کہ تابندہ اس بارے میں کچھ نہیں جانتی۔

سب سے زیادہ اذیت ناک بات یہ تھی کہ وہ مجھے تلاش کرنے کیلئے سی آئی اے انسپکٹر فرمان یا پولیس فورس کی مدد لیتی اور وہ مجھے ڈھونڈ بھی نکالتے تو مجھے پانے کے باوجود کھو دیتی..... اور اگر وہ کسی کی مدد نہ لیتی تب بھی میری بازیابی تقریباً ناممکن تھی۔ یعنی دونوں صورتوں میں محرومی اس کا مقدر تھی۔ یہ سب کچھ ایک ایسی دلہن کے ساتھ پیش آ رہا تھا جو رخصت ہو کر حجلہ عروسی تک بھی نہیں پہنچ پائی تھی۔ جسے بڑے ارمانوں سے سجایا گیا تھا..... اور اس کا وہ روپ جو گھونگٹ کے پیچھے کسی کی پرشوق نگاہوں کا منتظر تھا..... کب کا ماند پڑ چکا ہو گا۔

میں دانت بھینچ کر اذیت کی اس لہر کو دبانے کی کوشش کرنے لگا جو ان تکلیف دہ یادوں کے ساتھ میرے وجود میں ابھری تھی۔ جسمانی اذیتیں برداشت کرنے کا تو میں عادی ہو گیا تھا اور کافی سخت جان ہو چکا تھا لیکن میں روحانی اذیت کا بھی شکار تھا جو مجھے کمزور کر رہی تھی۔

تحریمی نے شاید فیصلہ کر لیا تھا کہ نشے کے انجکشن لگانے کے ساتھ ساتھ وہ مجھے بھوکا پیاسا رکھ کر میری قوت مزاحمت کو بالکل کچل ڈالے گا۔ اس لئے اب تک مجھے کسی نے پانی کیلئے بھی نہیں پوچھا تھا۔ پیاس کی شدت سے میرے حلق میں کانٹے سے پڑ گئے تھے۔ میری نگاہیں دروازے پر جمی ہوئی تھیں لیکن ادھر سے کسی کی آمد کے آثار نظر نہیں آتے تھے۔

میرا سر انتہائی بھاری ہو رہا تھا اور جسم کی رگوں میں تناؤ سا پیدا ہوتا جا رہا تھا۔ شاید مجھے ہیروئن کا جو آخری انجکشن دیا گیا تھا اس کا اثر اب ختم ہو رہا تھا۔ میں ایک ناقابل بیان سی اذیت کا شکار تھا۔

بالآخر میرے اعصاب جواب دے گئے۔ مجھ پر وحشت سی طاری ہونے لگی۔ میں نے ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑے ہونے کی کوشش کی تو مجھے زور کا ایک چکر آیا اور میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا سا چھا گیا۔ میں لڑکھڑا کر گر پڑا۔

چند لمحوں کے بعد میں نے اپنی تمام تر قوت ارادی کو بروئے کار لا کر اپنا سر جھٹکا اور آنکھیں کھولیں تو اردگرد کا منظر مجھے دوبارہ نظر آنے لگا۔ میں کھسکتا ہوا دروازے تک پہنچا اور پوری قوت سے پیٹنے لگا۔ کچھ دیر بعد میں رک گیا لیکن دوسری طرف سے کوئی ردعمل ظاہر نہیں ہوا تو میں دوبارہ دروازہ پیٹنے لگا اور ساتھ ساتھ چلانے بھی لگا۔ ''کوئی ہے..... دروازہ کھولو..... دروازہ کھولو.....'' حالانکہ مجھے احساس تھا کہ میری یا دروازہ پیٹنے کی آواز اس تہہ خانے سے باہر نہیں جا سکے گی لیکن میں اپنی سی کوشش کرنا چاہتا تھا۔

دفعتاً باہر سے دروازے کا کنڈا کھولے جانے کی آواز سنائی دی۔ شاید کسی نے دروازہ پیٹے جانے اور میرے شور مچانے کی آواز سن لی تھی یا پھر وہ لوگ خود ہی میری حالت کا جائزہ لینے کی غرض سے

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

آئے تھے۔ دروازہ کھلا تو میں تیزی سے پیچھے ہٹنے کی کوشش میں فرش پر لڑھک گیا۔ رستم اور سہراب گردنیں اکڑائے خوفناک تیوروں کے ساتھ اندر داخل ہوئے۔ وہ یوں حقارت سے میری طرف دیکھ رہے تھے جیسے میں انسان نہیں' فرش پر پڑا ہوا کوئی کیڑا مکوڑا ہوں۔

ان دونوں کے پیچھے رضیہ اندر داخل ہوئی۔ میں اس وقت فرش پر سے اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ دونوں ہاتھ کمر پر رکھ کر میرے سامنے کھڑی ہوگئی اور استہزائیہ سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔ ''کیا حال ہیں شہزادے؟ ہماری مہمان نوازی تمہیں پسند آئی یا نہیں.....؟''

میں نے بمشکل تمام اپنی اکڑی ہوئی زبان کو حرکت دی اور کہا۔ ''مجھے کم از کم تم سے ایسی کم ظرفی اور کمینے پن کی توقع نہیں تھی رضیہ!''

''جیسا سلوک تم نے میرے ساتھ کیا ہے اس کے بدلے میں تم مجھ سے اور کیا توقع رکھ سکتے ہو؟'' وہ غرائی۔ ''تم نے ہمیشہ میرے ساتھ دھوکا کیا اور میری توہین کی ہے..... اب تمہارے ساتھ وہ سلوک ہوگا کہ تم موت کی تمنا کرو گے اور تمہیں موت نصیب نہیں ہو سکے گی۔ تم ایڑیاں رگڑو گے' اپنے دانتوں سے اپنی بوٹیاں نوچو گے۔ میں تمہاری حالت پر قہقہے لگاؤں گی۔'' غصے سے اس کے چہرے کے نقوش بگڑ گئے تھے اور آنکھیں شعلے برسا رہی تھیں۔

رستم اور سہراب خاموش کھڑے تھے لیکن ان دونوں کی نگاہ مسلسل مجھ پر تھی۔ ان کے انداز سے ظاہر تھا کہ وہ کسی بھی غیر متوقع صورتحال سے نمٹنے کیلئے تیار تھے۔ لیکن اس وقت میرا ان سے الجھنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ سچی بات تو یہ تھی کہ میری حالت اس وقت اتنی دگرگوں تھی کہ میں کسی بھی قسم کی ایکٹیوٹی کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔

''اس قدر غصے میں آنے کی ضرورت نہیں۔'' میں نے رضیہ کی طرف دیکھتے ہوئے دھیمی آواز میں کہا۔ ''کم از کم مجھے پانی تو پلوا دو.....''

وہ بدستور قہر برساتی نظروں سے میری جانب دیکھ رہی تھی۔ میری کیفیت کو محسوس کر کے اس کے چہرے کے تاثرات کچھ تبدیل ہوئے اور وہ میری بے بسی سے لطف اندوز ہوتے ہوئے کہنے لگی۔ ''پانی تو تمہیں تب ہی مل سکے گا جب تم اس کاغذ پر دستخط کرو گے.....''

چند لمحوں تک صورتحال پر غور کرنے کے بعد میں نے کہا۔ ''ٹھیک ہے' میں دستخط کرنے کیلئے تیار ہوں لیکن پہلے مجھے یہاں سے نکال کر کسی معقول جگہ پر پہنچاؤ پھر میں تحریمی سے چند باتیں طے کرنے کے بعد.....''

''تم کوئی شرط پیش کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہو ناجی!'' رضیہ میری بات کاٹتے ہوئے بولی۔ ''اگر تم دستخط کرنے کیلئے تیار ہو تو وہ کاغذ یہیں منگوایا جائے گا۔''

''لیکن میرا تحریمی سے بات کرنا بہت ضروری ہے۔''

''تحریمی چند روز کیلئے ملک سے باہر گیا ہے۔'' رضیہ نے درشتی سے بتایا۔ ''میں اس کی جگہ تم سے بات کرنے آئی ہوں..... اور کان کھول کر سن لو' مجھے صرف ہاں یا نہ میں تمہارا جواب چاہئے۔'' اس نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

''لیکن میں تمہیں اس کا قائم مقام سمجھنے کیلئے تیار نہیں ہوں۔ میں دستخط کروں گا تو صرف تحریمی کی موجودگی میں..... اور اس کے آنے تک تمہیں میرے ساتھ کسی انسان کا سا سلوک کرنا ہوگا۔'' میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مضبوط لہجے میں کہا تو ایک لمحے کیلئے وہ سوچ میں پڑ گئی پھر رستم اور سہراب سے مخاطب ہو کر کہنے لگی۔ ''تم دونوں یہیں ٹھہرو' میں ذرا دیر میں واپس آتی ہوں۔''

وہ تہہ خانے سے باہر چلی گئی۔ میں جانتا تھا کہ وہ کسی طرح تحریمی سے رابطہ کر کے اسے ساری صورتحال بتائے گی اور پھر اس کے جاری کردہ نئے حکم نامے کے مطابق میرے بارے میں کوئی نیا قدم اٹھایا جائے گا۔

اس وقت میرے ذہن میں کوئی خاص بات نہیں تھی۔ جب میں نے رضیہ سے کہا تھا کہ پہلے مجھے اس تہہ خانے سے باہر نکالا جائے اور تحریمی سے میری ملاقات کرائی جائے..... اس وقت میرا مقصد صرف اتنا تھا کہ میں دستخط کرنے پر آمادگی ظاہر کر کے اپنے لئے کچھ مہلت حاصل کر لوں۔ شاید مجھے تعاون پر آمادہ پا کر یہاں سے باہر نکالا جائے اور باہر نکلنے کے بعد مجھے ایکشن میں آنے کا کوئی موقع مل جائے..... ورنہ اس تہہ خانے میں رہ کر تو میں کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا۔ میں یونہی بھوکا پیاسا پڑا ایڑیاں رگڑتا رہتا اور ہیروئن کا زہر میری رگوں میں پہنچتا رہتا۔ پھر یقیناً ایک وقت ایسا آتا کہ مجھے ان کے آگے ہتھیار ڈالنے پڑتے اور اس وقت تک میری حالت بالکل تباہ ہو چکی ہوتی اور میری قوت مزاحمت بھی دم توڑ چکی ہوتی۔

میں اپنے خیالات میں غلطاں دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا اور رستم و سہراب منکر نکیر کی طرح میرے دائیں بائیں کھڑے تھے۔ دفعتاً تہہ خانے کا دروازہ کھلا اور رضیہ اندر آئی۔ میں نے سوالیہ نظروں سے اس کے چہرے کی طرف دیکھا لیکن وہ میری طرف متوجہ ہونے کے بجائے رستم و سہراب سے مخاطب ہوئی۔ ''اس کی آنکھوں پر پٹی باندھ کر اوپر لے چلو۔'' اس نے اپنے ہاتھ میں پکڑی ہوئی سیاہ رنگ کی ایک لمبی سی پٹی رستم کی طرف بڑھائی۔ رستم نے وہ پٹی لے کر میری آنکھوں پر باندھ دی۔ پھر میری دونوں بغلوں میں ہاتھ ڈال کر مجھے اٹھایا گیا۔

یہ یقیناً رستم اور سہراب تھے جو میرا ایک ایک بازو سختی سے اپنی اپنی گرفت میں لئے آگے بڑھ رہے تھے۔ میں ان کے ساتھ گھسٹتا ہوا چل رہا تھا۔ چند قدم چلنے کے بعد سیڑھیاں شروع ہوگئی تھیں۔ جب وہ سیڑھیاں چڑھ کر اوپر پہنچا تو آنکھوں پر پٹی بندھی ہونے کے باوجود مجھے قدرے روشنی میں آنے کا احساس ہوا۔ وہ دونوں مجھے بازوؤں سے پکڑے نہ جانے کن بھول بھلیوں سے گزرتے ہوئے بالآخر ایک کمرے میں لے گئے پھر مجھے کسی نرم سی جگہ پر بٹھا دیا گیا۔

جب میری آنکھوں سے پٹی اتاری گئی تو میں نے خود کو ایک درمیانہ سائز کے کمرے میں بیڈ کے کنارے پر بیٹھا ہوا پایا۔ اس کمرے میں ایک سنگل بیڈ' چھوٹی سی ایک میز اور کرسی کے علاوہ کوئی دوسرا فرنیچر نہیں تھا۔ داخلی دروازے کے علاوہ بائیں جانب ایک اور دروازہ نظر آ رہا تھا جو بند تھا۔ میرے خیال کے مطابق شاید یہ باتھ روم کا دروازہ تھا۔ اس کمرے میں کوئی کھڑکی یا روشن دان نہیں تھا۔

رضیہ میرے سامنے آ کر کھڑی ہوگئی۔ ''تمہاری خواہش کے مطابق تمہیں اس تہہ خانے سے

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

نکال کر یہاں پہنچا دیا گیا ہے۔ کچھ دیر بعد تمہیں کھانا اور پانی بھی مل جائے گا اور تمہاری مرہم پٹی بھی کروا دی جائے گی..... لیکن کسی بھی قسم کی گڑبڑ کا خیال ہرگز دل میں نہیں لانا ورنہ تمہیں پہلے سے بھی زیادہ سخت سزا دی جائے گی اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ تمہیں مجبوراً جان سے مارنا پڑے..... ویسے بھی یہاں کا سیکورٹی کا نظام انتہائی سخت ہے اور اگر چیخ پکار کرنے کی احمقانہ کوشش کی تو تمہاری آواز اس عمارت سے تو کیا اس کمرے سے بھی باہر نہیں پہنچ سکے گی۔ امید ہے کہ تم اپنی مشکلات میں اضافہ کرنے کی کوشش نہیں کرو گے۔"

اس نے اس طرح مجھے سمجھایا جیسے میں کوئی نادان بچہ تھا۔

انتہائی خراب حالت میں ہونے کے باوجود اس کی بات سن کر میرے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ میں نے کہا۔ "جب یہاں کا سیکورٹی سسٹم اتنا موثر ہے تو تم مجھ سے اتنی خوف زدہ کیوں ہو؟ تہہ خانے سے اوپر اس کمرے تک آنے کیلئے تم نے میری آنکھوں پر پٹی بندھوائی اور ان دو جلادوں کو بھی اب تک میرے سر پر مسلط کر رکھا ہے۔" میں نے رستم اور سہراب کی طرف اشارہ کیا۔

میری بات سن کر اس کے چہرے کے تاثرات ایک بار پھر تبدیل ہونے لگے لیکن اس نے خود پر قابو پالیا اور شاید مصلحتاً مجھے کوئی تلخ جواب نہیں دیا۔ چند لمحوں تک وہ سپاٹ سی نظروں سے میری جانب دیکھتی رہی پھر کہنے لگی۔ "تحریمی نے تمہیں پیغام دیا ہے کہ اگر تم اس کی عدم موجودگی میں بھی اس کاغذ پر سائن کردو تو تمہیں آزاد کر دیا جائے گا۔"

"نہیں..... سائن تو میں تحریمی کی موجودگی میں ہی کروں گا۔" میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

"میں اس کا انتظار کرنے کیلئے تیار ہوں۔"

رضیہ نے میری بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ گویا اسے مجھ سے اسی جواب کی توقع تھی..... اس نے رستم اور سہراب کو چلنے کا اشارہ کیا پھر وہ تینوں چلے گئے اور کمرے کا دروازہ باہر سے بند ہوگیا۔

ان تینوں کے جانے کے بعد میں نے ایک بار پھر کمرے کا جائزہ لیا۔ باتھ روم کا دروازہ کھول کر وہاں کا بھی جائزہ لیا۔ باتھ روم میں بھی کوئی روشن دان وغیرہ نہیں تھا۔

میرے زخموں میں ٹیسیں اٹھ رہی تھیں۔ میں نے بمشکل تمام الٹا ھا منہ ہاتھ دھویا اور آ کر بستر پر گر گیا۔ ذرا دیر بعد ایک شخص میرے لئے کھانا اور پانی لے کر آیا۔ اس کے ساتھ ایک آدمی اور تھا جو بظاہر تو خالی ہاتھ تھا لیکن اس کا ایک ہاتھ پینٹ کی جیب میں تھا۔ وہ کڑی نظروں سے مجھے گھور رہا تھا۔ لیکن میں اس کی طرف توجہ دینے کے بجائے پانی کی طرف متوجہ ہوگیا۔ وہ دونوں خاموشی سے باہر چلے گئے۔

تہہ خانے سے باہر نکلتے ہی مجھے اس بات کا احساس تو ہوگیا تھا کہ یہ دن کا وقت تھا لیکن تاریخ اور وقت کے بارے میں' میں ابھی تک لاعلم تھا کیونکہ میری رسٹ واچ یہاں آنے کے بعد تحریمی اور اس کے گرگوں سے ہاتھا پائی کے دوران کھل کر گر گئی تھی۔ اس کمرے میں بھی کوئی وال کلاک وغیرہ نہیں تھا۔ مجھے بالکل اندازہ نہیں تھا کہ یہاں آئے ہوئے کتنا وقت گزر چکا تھا۔ لیکن اس تمام عرصے کے دوران میں اتنی اذیتیں سہہ چکا تھا کہ مجھے یہ عرصہ صدیوں پر محیط محسوس ہو رہا تھا اور میں جانتا تھا کہ تابندہ کے محسوسات بھی یہی ہوں گے۔

میں اپنی کوشش کے نتیجے میں اپنے لئے کافی رعایت حاصل کرنے میں کامیاب ہوگیا تھا لیکن

میں نہیں جانتا تھا کہ میرا اگلا قدم کیا ہوگا؟ ابھی میرے ذہن میں کچھ بھی واضح نہیں تھا۔ یہی غنیمت تھا کہ میں اس عقوبت خانے سے باہر آ گیا تھا۔ حقیقت یہ تھی کہ مجھے تحریمی سے کسی رعایت کی توقع نہیں تھی جبکہ رضیہ بھی میری جان کی دشمن ہو رہی تھی۔ لیکن تحریمی نے نہ جانے کس خیال کے تحت میرا مطالبہ منظور کر لیا تھا۔

مجھے اس کمرے میں آئے کئی گھنٹے گزر چکے تھے۔ کھانا وغیرہ پہنچانے کے بعد میرے پاس کوئی نہیں آیا تھا۔ سب سے اچھی بات یہ تھی کہ اس دوران مجھے وہ منحوس انجکشن لگانے کی کوشش نہیں کی گئی تھی۔

میرے خیال کے مطابق رات ہو چکی تھی۔ میرے زخموں میں رہ رہ کر ٹیسیں سی اٹھ رہی تھیں۔ کئی جگہوں پر اندرونی چوٹیں بھی آئی تھیں۔ ان میں بھی درد ہو رہا تھا۔ میں اپنے دکھتے ہوئے سر پر ہاتھ رکھے سوچ رہا تھا کہ رضیہ نے مجھے فرسٹ ایڈ دینے کی بات تو کی تھی لیکن کم بخت نہ جانے کہاں غائب ہوگئی تھی۔

ابھی مجھے اس کا خیال آیا ہی تھا کہ وہ شیطان کی طرح حاضر ہوگئی..... اندر آ کر اس نے دروازہ بند کر دیا۔ گویا اس وقت وہ کسی دم چھلے کو ساتھ نہیں لائی تھی۔ ایک ہاتھ میں اس نے فرسٹ ایڈ باکس پکڑا ہوا تھا۔

وہ میرے قریب بیٹھ کر غور سے میرے چہرے کے زخموں کا جائزہ لینے لگی۔ میں اس کے تاثرات کا جائزہ لے رہا تھا۔ اس وقت اس کے چہرے پر سختی کے بجائے نرمی تھی ورنہ اس سے پہلے تو وہ آتش فشاں بنی ہوئی تھی۔

مجھے مسلسل اپنی جانب گھورتا ہوا پا کر کہنے لگی۔ "اس طرح کیا دیکھ رہے ہو؟"

میں نے ایک طویل سانس لیتے ہوئے کہا۔ "دیکھ رہا ہوں کبھی دشمن جان بن جاتی ہو' کبھی..... "

وہ باکس سے دوا اور کاٹن وغیرہ نکال کر میز پر رکھتے ہوئے کہنے لگی۔ "تم مجھے دشمنی کا رویہ اختیار کرنے پر مجبور کر دیتے ہو۔ کوئی عورت اپنی اس قدر توہین برداشت نہیں کر سکتی' ورنہ کیا تم نہیں جانتے کہ میں تمہیں کتنا چاہتی ہوں؟"

میں اس کی چاہت کے دعوے پر دل ہی دل میں مسکرایا کیونکہ میں اس کی چاہت کی حقیقت سے خوب واقف تھا۔ اس نے جس راستے پر مجھے ڈالا تھا اس پر چلتے چلتے آج میں اس مقام پر پہنچ گیا تھا جہاں سے واپسی کا کوئی راستہ نظر نہیں آ رہا تھا۔

میں نے مصلحتاً مسکرا کر کہا۔ "میں بھی تو تمہیں اتنا ہی چاہتا ہوں..... لیکن ہم دونوں ہی حالات کے ستم ظریفیوں کا شکار رہتے ہیں اور اسی وجہ سے ایک دوسرے سے بدگمان ہو جاتے ہیں....."

"تو پھر تم صرف مجھ ہی کو کیوں الزام دیتے ہو؟" وہ روئی کو کسی اینٹی سپٹک میں بھگو کر میرے زخموں کو صاف کرتے ہوئے کہنے لگی۔

میں نے کہا۔ "میں کوئی الزام نہیں دے رہا' چلو جو ہوا سو ہوا' میرے خیال میں اب ہم دونوں کا حساب برابر ہوگیا....."

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

وہ میرے زخم پر ٹیوب لگاتے لگاتے رک کر معنی خیز نظروں سے مجھے دیکھنے لگی۔

''میں تمہاری تمام رقم اور وہ زیورات تمہیں واپس کر دوں گا۔'' میں نے اس کی نظروں کا مطلب سمجھتے ہوئے جلدی سے کہا۔ وہ خاموش رہی پھر میں نے آہستگی سے پوچھا۔ ''رضیہ! تم لوگوں نے تابندہ کے ساتھ تو کچھ نہیں کیا نا؟''

وہ طنزیہ انداز میں مسکرائی۔ ''تابندہ کا بڑا خیال ہے تمہیں! اس کے پاس ایسا کیا ہے جو میرے پاس نہیں؟''

میں اس سے الجھنا نہیں چاہتا تھا اس لئے میں نے لجاجت سے کہا۔ ''رضیہ پلیز' تم جانتی ہو وہ بے قصور ہے اور میں اس کے بارے میں اس لئے فکرمند ہوں کہ وہ بالکل اکیلی ہے۔''

''بے فکر رہو' ہم نے اس کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کی' ویسے وہ اپنے بنگلے پر موجود نہیں ہے۔''

''تمہیں کیسے معلوم؟'' میں بے اختیار سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ مجھے اس بات پر خوشی ہوئی تھی کہ شاید وہ کسی محفوظ جگہ پر منتقل ہو گئی تھی۔

رضیہ نے کوئی جواب دینے کے بجائے ایسی نظروں سے میری طرف دیکھا جیسے میری جہالت اور کم علمی پر افسوس کر رہی ہو۔ وہ اب میری مرہم پٹی سے فارغ ہو چکی تھی۔ اس نے دو تین زخموں پر ٹیپ کی مدد سے بینڈیج چپکا دی تھی اور چند ایک معمولی زخموں پر ٹیوب لگا کر یونہی کھلا چھوڑ دیا تھا۔

میں نے اس کی کارکردگی کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ ''یہ تو ٹھیک ہو گیا لیکن سارے جسم میں شدید درد ہو رہا ہے۔''

''اس کیلئے میں تمہیں پین کلر دوں گی۔'' وہ لاپرواہی سے بولی۔ پھر میرے بازوؤں کے مسلز ٹٹولتے ہوئے کہنے لگی۔ ''کچھ نہیں ہوتا تمہیں..... بہت سخت جان ہو۔''

میں نے کہا۔ ''وہ تو ٹھیک ہے' لیکن یہ تو بتاؤ تم نے یہ ڈاکٹری کب سے سیکھ لی؟''

''اس کے علاوہ بھی بہت کچھ سیکھ چکی ہوں.....'' اس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جواب دیا۔

''ہاں' وہ تو میں دیکھ ہی رہا ہوں.....'' میں نے سر سے پاؤں تک اس کا جائزہ لیتے ہوئے معنی خیز انداز میں کہا۔ وہ اس وقت بھی ایسے لباس میں تھی جس میں اس کا حسن اور نمایاں ہو رہا تھا۔ مجھے اس طرح اپنی طرف متوجہ دیکھ کر اس کی آنکھوں میں بھوکی بلی کی طرح وحشیانہ چمک نظر آئی۔

میں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر ہلکا سا جھٹکا دیا تو وہ میرے اوپر آن گری۔ میں نے اسے بانہوں میں جکڑ لیا۔ پھر تند و تیز جذبات کا ایک ریلا آیا اور بالآخر گزر گیا۔ اس دوران مجھ پر یہ انکشاف ہوا کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ رضیہ کے جذبات میں پہلے سے زیادہ تندی آتی جا رہی تھی۔

کچھ دیر بعد وہ پرسکون انداز میں آنکھیں موندے میرے پہلو میں لیٹی ہوئی تھی اور اس کے لبوں پر ایک فاتحانہ مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ میں اپنے آپ کو سنبھال چکا تھا اور اس وقت رضیہ کی کیفیت کا غور کرتے ہوئے اس سے فائدہ اٹھانے کے بارے میں غور کر رہا تھا۔

یکایک وہ بڑبڑائی۔ ''میں تمہیں صرف اپنے پاس دیکھنا چاہتی ہوں ناجی۔'' پھر اس نے آنکھیں

کھول دیں اور میری طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔ ''پہلے تمہیں وہ نرگس لے اڑی تھی اور اب یہ تابندہ۔ میں ہرگز برداشت نہیں کر سکتی۔'' اس کی آواز میں غراہٹ سی آ گئی۔

''تمہیں اسے چھوڑنا ہو گا ناجی۔''

''ٹھیک ہے' میں اسے چھوڑ دوں گا لیکن تم اسے کوئی نقصان نہیں پہنچاؤ گی۔'' میں نے کہا۔

''وہ ایک جھٹکے سے اٹھ بیٹھی۔'' تم پھر مجھے تکلیف پہنچا رہے ہو۔ تابندہ سے چار دن کی شناسائی میری برسوں پرانی رفاقت پر حاوی ہو گئی۔'' اس کے تنفس کی رفتار تیز ہو گئی اور آنکھیں شعلے برسانے لگیں۔

اس کی یہ خطرناک کیفیت میرے سارے منصوبے پر پانی پھیر سکتی تھی۔ میں نے پیار کے حربے سے اسے رام کیا اور کہا۔ ''دیکھو تم جانتی ہو کہ میں بلاوجہ کسی انسان کو تکلیف نہیں پہنچا سکتا بس اتنی سی بات ہے۔''

وہ نرم پڑ گئی۔ ''ٹھیک ہے لیکن میں تحریمی کی کسی حرکت کی ذمہ دار نہیں ہوں۔''

میں نے پوچھا۔ ''یہ تحریمی کب تک واپس آئے گا؟''

وہ کہنے لگی۔ ''کل یا پرسوں تک آ جائے گا لیکن وہ تمہیں اس کاغذ پر دستخط کرائے بغیر چھوڑے گا نہیں۔''

میں نے کہا۔ ''کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ تحریمی کے واپس آنے سے پہلے ہم دونوں کسی طرح یہاں سے نکل چلیں؟''

وہ چند لمحوں تک سوچنے کے بعد بولی۔ میرے ساتھ تمہارا یہاں سے نکلنا ناممکن تو نہیں لیکن تحریمی کے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔ وہ ہمیں معاف نہیں کرے گا۔''

''ہم یہاں سے کسی دوسرے شہر چلے جائیں گے اور پھر ملک سے باہر نکل جائیں گے۔ تابندہ کو میں طلاق کے کاغذات روانہ کر دوں گا۔'' میں نے رضیہ کے چہرے کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

''ملک سے باہر جا کر ہم اطمینان سے شادی کر لیں گے اور وہیں رہیں گے۔ اخراجات کیلئے ہمارے پاس ایک معقول رقم اور قیمتی زیورات بھی موجود ہیں۔''

لیکن وہ زیورات میں بیچوں گی نہیں۔'' رضیہ نے بے ساختہ کہا۔ میں نے دل ہی دل میں نعرہ لگایا۔ وہ مارا یعنی وہ میرے دام میں آ گئی تھی۔

اس نے مجھے بتایا کہ اسے تحریمی کے گروہ میں اہم حیثیت حاصل ہے اور اس کی عدم موجودگی میں یہاں وہ اس کی قائم مقام تھی۔ وہ کسی بھی بہانے سے مجھے نکال کر لے جا سکتی تھی اور جب تک تحریمی کو صورتحال کا علم ہوتا اور وہ واپس آتا' تب تک ہم اس کی دسترس سے دور جا چکے ہوتے۔

طے یہ پایا کہ ہم صبح سویرے یہاں سے نکل جائیں گے۔ رضیہ نے بتایا کہ یہاں سے نکلنے کیلئے اسے صرف ایک آدمی کو مطمئن کرنا ہو گا۔ باقی لوگوں کو وہ جواب دہ نہیں تھی ویسے بھی صبح سویرے سب خواب خرگوش کے مزے لوٹ رہے ہوں گے۔ کچھ دیر بعد وہ میرے پاس سے رخصت ہو گئی اور میں آئندہ پیش آنے والے متوقع حالات و واقعات پر غور کرنے لگا۔ کچھ دیر پریشان رہنے کے بعد میں نے سر جھٹکا اور خود کو سمجھایا کہ فی الحال یہاں سے نکلنا سب سے زیادہ اہم ہے اور کچھ دیر کیلئے سونے کی کوشش کرنے

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

لگا۔

صبح کو رضیہ ہی نے مجھے آ کر جگایا۔ میں نے باتھ روم جا کر جلتی ہوئی آنکھوں پر پانی کے چھینٹے مارے۔ رضیہ نے مجھے چلنے کا اشارہ کیا۔ میں دھڑکتے دل کے ساتھ اس کے پیچھے کمرے سے باہر نکلا تو خود کو اسی ہال میں پایا۔ ہال سے باہر نکلے تو میں نے دیکھا کہ یہ حصہ بنگلے کی اصل عمارت سے ذرا الگ تھلگ تھا۔ بنگلے کی عمارت سناٹے میں ڈوبی ہوئی تھی۔

رضیہ میرا ہاتھ پکڑے ڈرائیووے تک آئی جہاں ایک کار کھڑی ہوئی تھی اس نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی' میں اس کے برابر والی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ رضیہ نے کار سٹارٹ کر کے آگے بڑھائی۔ چوکیدار پہلے ہی گیٹ پر الرٹ کھڑا ہوا تھا' اس نے فوراً آگے بڑھ کر گیٹ کھول دیا۔

کار جب گیٹ سے نکل کر آگے بڑھی تو بے اختیار ایک طویل سانس میرے لبوں سے خارج ہوئی۔ مجھے ابھی تک یقین نہیں آ رہا تھا کہ میں اتنی آسانی کے ساتھ اس قید خانے سے نکل آیا ہوں۔ رضیہ نے کنکھیوں سے میری جانب دیکھا اور مسکرائی۔ ''پریشان ہو؟'' اس نے دھیمے لہجے میں پوچھا۔

''نہیں۔'' میں نے ایک پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔ ''جب تم ساتھ ہو تو مجھے بھلا پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے؟''

وہ مسکرا کر خاموش ہو گئی۔ اس وقت سڑکوں پر ٹریفک بہت کم تھا اس لئے وہ خاصی تیز رفتاری کے ساتھ کار کو دوڑا رہی تھی۔ ہمیں اس وقت کلفٹن پہنچنا تھا۔ رضیہ نے رات کو مجھے بتایا تھا کہ اس نے کسی آڑے وقت پر پناہ لینے کی خاطر کلفٹن پر ایک اپارٹمنٹ کرائے پر لے رکھا تھا جس کا علم اس کے علاوہ کسی اور کو نہیں تھا۔

کچھ دور جا کر اس نے ایک سڑک کے کنارے کار روک دی ہم اس سے نیچے اترے اور پیدل مین روڈ تک جا پہنچے۔ مین روڈ سے ہم نے ایک ٹیکسی لی اور اس میں بیٹھ کر کلفٹن کی طرف روانہ ہو گئے۔ ایسا ہم نے احتیاطی تدبیر کے طور پر کیا تھا۔

ٹیکسی کو رضیہ نے اپنے اپارٹمنٹ سے کافی دور ہی رکوا لیا تھا۔ ہم پیدل اس بلڈنگ تک پہنچے جس میں رضیہ نے اپارٹمنٹ کرائے پر لیا ہوا تھا۔ اس وقت تک چاروں طرف دھوپ پھیل چکی تھی۔ بلڈنگ کا چوکیدار رضیہ کو پہنچانتا تھا۔ اس نے ہمیں سلام کیا اور رضیہ سے کہنے لگا۔ ''آج آپ کا گاڑی کدرا ے مس صیب؟''

''ہماری گاڑی دراصل راستے میں خراب ہو گئی تھی تھوڑا ہی فاصلہ رہ گیا تھا ہم نے سوچا واک کرتے ہوئے چلے جائیں۔'' رضیہ نے جواب دیتے ہوئے کہا۔ ''اوپر جا کر میں ورکشاپ فون کر دوں گی' وہ گاڑی لے جائیں گے۔'' چوکیدار نے خوش دلی سے سر ہلایا اور ہم آگے بڑھ گئے۔

رضیہ کا اپارٹمنٹ چھٹی منزل پر تھا۔ ہم لفٹ کے ذریعے اوپر آئے۔ میں نے دیکھا کہ اپارٹمنٹ اچھی خاصی صاف ستھری حالت میں تھا کیونکہ رضیہ موقع پا کر اکثر یہاں آتی رہتی تھی۔ ضرورت کی تقریباً تمام چیزیں یہاں موجود تھیں۔ فرج میں کچھ کھانے پینے کا سامان بھی موجود تھا۔

یہ دو بیڈ روم کا اپارٹمنٹ تھا اور رضیہ کے کہنے کے مطابق یہاں سکیورٹی کا نظام اچھا تھا۔ کوئی

ملاقاتی منہ اٹھا کر عمارت کے اندر داخل نہیں ہو سکتا تھا اور ہر وزیٹر کو مطلوبہ اپارٹمنٹ تک پہنچنے سے پہلے انٹرکام پر بات کر کے اپنی پہچان کرانی پڑتی تھی۔ اس کے علاوہ یہاں لوگ ایک دوسرے کے معاملات سے سروکار نہیں رکھتے تھے۔ کون آیا' کون گیا' کسی کو اس سے غرض نہیں تھی۔

میں ڈرائنگ روم میں ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔ رضیہ بھی میرے برابر آ کر بیٹھ گئی۔ اس وقت تابندہ مجھے شدت سے یاد آ رہی تھی۔ میں اپنے خیالات میں گم سر جھکائے بیٹھا تھا کہ اچانک رضیہ نے میرے شانے پر ہاتھ رکھا تو میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ میں چند لمحوں کیلئے بالکل بھول گیا تھا کہ وہ میرے پاس بیٹھی ہوئی ہے۔

وہ میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہنے لگی۔ ''میں جانتی ہوں تم اس وقت تابندہ کے بارے میں سوچ رہے ہو۔ تم مجبوراً میرے ساتھ آ تو گئے ہو لیکن خیر اب وہ تمہاری بیوی ہے اور تم اس سے محبت بھی کرتے ہو۔'' وہ میرے پاس سے اٹھ کر کھڑکی کے پاس جا کھڑی ہوئی۔ پردہ سرکا کر شیشے سے باہر جھانکا پھر کہنے لگی۔ ''دو تین دن ذرا صبر کر لو' میں اس کا پتا ڈھونڈ نکالوں گی۔'' میں نے حیرت سے اس کی جانب دیکھا۔ اس کا انداز بدلا بدلا سا تھا۔ اس نے پردہ برابر کر دیا اور میرے سامنے آ کر کھڑی ہو گئی۔ ''ویسے رقم اور زیورات تابندہ کے پاس ہی ہیں نا؟'' اس نے اچانک ہی وہ سوال کر ڈالا جو اس نے ابھی تک مجھ سے نہیں کیا تھا۔ میں کچھ حیران بھی تھا کہ اس نے اب تک یہ بات مجھ سے کیوں نہیں پوچھی تھی۔

''نہیں' نہیں۔'' میں نے بلا تاخیر جواب دیا کیونکہ تاخیر کی صورت میں اسے میری سچائی پر شبہ بھی ہو سکتا تھا۔ ''رقم اور زیورات کسی کے حوالے کر کے میں کوئی خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ یہ دونوں چیزیں ایک محفوظ جگہ پر ہیں۔''

''ہوں۔'' اس نے پرخیال انداز میں ہنکارا بھرا۔ میں غور سے اس کے چہرے کے تاثرات کا جائزہ لے رہا تھا۔ میں چاہتا تھا کہ کسی طرح اس کا دھیان تابندہ کی طرف سے ہٹ جائے ورنہ وہ لالچی عورت رقم اور زیورات کی خاطر اسے نقصان بھی پہنچا سکتی تھی۔

''یہ نہیں بتاؤ گے کہ وہ کون سی محفوظ جگہ ہے؟'' رضیہ نے سوال کیا۔

''دراصل کراچی آنے کے بعد میں چند دن بھی سکون سے ایک جگہ نہیں رہ سکا۔'' میں نے کہا۔ ''میرا سارا وقت ادھر سے ادھر بھاگ دوڑ میں ہی گزرا ہے۔ میں ہر وقت ان چیزوں کو ساتھ لئے نہیں گھوم سکتا تھا اس لئے ایک رات میں نے ان چیزوں کو پولی تھین میں اچھی طرح پیک کیا اور گلستان جوہر کے ایک ویران علاقے کے ایک ایسے پلاٹ میں گہرا گڑھا کھود کر دفن کر دیا جس کے گرد ایک نیچی سی چار دیواری بنی ہوئی تھی۔''

رضیہ غور سے میرے چہرے کی طرف دیکھ رہی تھی لیکن میں نے یہ سب کچھ اتنی روانی سے بتایا تھا کہ وہ سوچ میں پڑ گئی تھی۔ حالانکہ میں نے پہلے سے اس بارے میں کچھ نہیں سوچا تھا۔

''اب یونہی مجھے گھورتی رہو گی یا کچھ چائے وغیرہ بھی پلاؤ گی؟'' میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''سر میں سخت درد ہو رہا ہے' مجھے دیکھنے کیلئے تو ساری عمر پڑی ہے۔ دیکھتی رہنا۔''

اس کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ ''ہاں ابھی لاتی ہوں۔'' وہ کچن میں گھس گئی۔

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

میں گھوم پھر کر اپارٹمنٹ کا جائزہ لینے لگا۔ کافی شاندار اور سجا سجایا اپارٹمنٹ تھا۔ میں ایک بیڈ روم میں ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑے ہو کر اپنے چہرے کا جائزہ لینے لگا۔ چہرے پر چپکی ہوئی پٹیاں میں نے وہاں سے روانہ ہونے سے پہلے ہی اتار کر پھینک دی تھیں تاکہ میری جانب کوئی خاص طور سے متوجہ نہ ہونے پائے لیکن زخم تو بہر حال ابھی موجود تھے اور ورم کے باعث چہرہ کچھ پھولا پھولا سا ہو رہا تھا۔ شرٹ کچھ ملگجی سی نظر آ رہی تھی کیونکہ لباس میں نے رات ہی کو تبدیل کیا تھا۔

میں آئینے کے سامنے کھڑا تھا کہ رضیہ ناشتے کی ٹرے لئے اندر داخل ہوئی۔ "تمہیں شاید یہ بیڈ روم پسند آ گیا ہے۔" اس نے میز پر ٹرے رکھتے ہوئے کہا۔ اس لئے میں ناشتہ بھی یہیں لے آئی ہوں۔"

رات کو رضیہ میرے ساتھ گزرے ہوئے ابتدائی دنوں کو یاد کرتے کرتے اور مجھ پر اپنی ادائیں نثار کرتے کرتے سو چکی تھی۔ لیکن میری آنکھوں سے نیند کوسوں دور تھی۔ میں سوچ رہا تھا نہ جانے تابندہ اس وقت کہاں ہو گی؟ وہ میرے بارے میں کیا سوچتی ہو گی کہ میں ایک دھوکے باز تھا؟

لیکن نہیں وہ میرے بارے میں غلط انداز سے نہیں سوچ سکتی۔ وہ مجھے اچھی طرح جانتی ہے' میں نے اس سے کچھ نہیں چھپایا تھا نہ ہی اسے کوئی دھوکہ دیا تھا بلکہ میری امانت بھی اس کے پاس تھی۔ پھر وہ میرے بارے میں کسی غلط فہمی کا شکار کیسے ہو سکتی تھی؟

دوسری طرف میں رضیہ کی طرف سے فکرمند تھا۔ میں اسے بارہا آزما چکا تھا' وہ انتہائی ناقابل اعتبار عورت تھی۔ اس کا یہ مہربان رویہ بھی مجھے الجھن میں مبتلا کر رہا تھا۔ یہ بات تو طے تھی کہ وہ رقم اور زیورات کی خاطر میرا ساتھ دے رہی تھی۔ وہ یہ بات بھی مجھ پر واضح کر چکی تھی کہ دولت کی کمی تو اسے تحریکی کے ساتھ رہتے ہوئے بھی نہیں تھی لیکن وہ اس کے ہاتھوں میں کھلونا بنے رہنے اور اس کے اشارے پر ایک آغوش سے دوسری آغوش میں جا گرنے کو مزید تیار نہیں تھی۔ وہ آزاد زندگی گزارنا چاہتی تھی۔ اس کے کہنے کے مطابق وہ میرے علاوہ کسی کی محکومی برداشت کرنے کیلئے تیار نہیں تھی۔

مجھے اس کی کسی بات کا اعتبار نہیں تھا لیکن میں اس مشکل وقت میں اس کا سہارا لینے پر مجبور تھا۔ حالانکہ میرا دل چاہ رہا تھا کہ میں تمام مصلحتوں کو بھلا کر باہر نکل جاؤں اور تابندہ کو تلاش کرتا ہوا اس کے پاس پہنچ جاؤں لیکن اس وقت میرے لئے خطرات پہلے سے زیادہ ہو چکے تھے۔ سب سے زیادہ خطرہ مجھے تحریکی کی جانب سے تھا کیونکہ وہ غصے سے پاگل ہو کر چاروں طرف میری تلاش میں آدمی دوڑائے گا۔ یہ بات میں اچھی طرح جانتا تھا۔ یہی باتیں سوچتے سوچتے اور کروٹیں بدلتے بدلتے کافی رات گزر گئی۔ بالآخر رات کے پچھلے پہر کسی وقت میری آنکھ لگ گئی۔

کئی روز اس طرح گزر گئے۔ اس دوران ہم دونوں نے اپارٹمنٹ سے قدم تک باہر نہیں نکالا۔ رات کو ہم کافی دیر سے سوتے تھے لہٰذا گیارہ' بارہ بجے سے پہلے ہماری صبح نہیں ہوتی تھی۔ ناشتہ اور کھانا وغیرہ رضیہ خود ہی بناتی تھی۔ اس نے تقریباً ایک ڈیڑھ ماہ تک کا سب ضروری سامان سٹور کیا ہوا تھا۔ باقی وقت وہ میرے ساتھ باتیں کرنے اور ٹی وی دیکھنے میں گزارتی تھی۔ ہماری بات چیت کا موضوع زیادہ تر ہمارے موجودہ حالات ہی ہوتے تھے کیونکہ انہی کی روشنی میں ہمیں یہ طے کرنا تھا کہ ہمارا آئندہ اقدام کیا ہونا چاہئے۔ رضیہ کا کہنا تھا کہ ہمیں کچھ دن بالکل خاموشی سے اسی اپارٹمنٹ میں گزارنے چاہئیں کیونکہ اس

کے خیال میں یہ جگہ بالکل محفوظ تھی۔ میں سمجھتا تھا کہ اس کا یہ خیال درست ہی تھا کیونکہ باہر نکلنے کی صورت میں رضیہ کو تو صرف تحریکی کے گروہ کی طرف سے خطرہ تھا لیکن میرے تو تحریکی کے علاوہ بھی ان گنت دشمن تھے جو ماضی میں مجھ سے کوئی نہ کوئی گہری چوٹ کھا چکے تھے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ میں ایک اشتہاری مجرم تھا اور میرے سر کی قیمت بھی لگائی جا چکی تھی۔

لیکن میں ساری زندگی تو اس طرح روپوش رہ کر نہیں گزار سکتا تھا میری اس بات کے جواب میں رضیہ نے بھی وہی تجویز پیش کی تھی جو اس سے پہلے تابندہ نے میرے سامنے پیش کی تھی یعنی اس نے مجھ سے یہ وعدہ کیا تھا کہ وہ مجھے اس ملک سے بحفاظت نکال لے جائے گی اور ہم کسی دوسرے ملک میں اپنی نئی زندگی کا آغاز کریں گے۔ ہمیں اس اپارٹمنٹ میں آئے ہوئے اب چھٹا روز تھا۔ اس رات رضیہ میرے بازو پر سر رکھے میرے پہلو میں لیٹی ہوئی تھی اور پیار بھرے لہجے میں کہہ رہی تھی۔ "ناجی چند روز بعد سب سے پہلا کام ہم یہ کریں گے کہ اس پلاٹ سے اپنی رقم اور زیورات نکال لائیں گے۔ میرا خیال ہے' اس کیلئے رات کا وقت مناسب رہے گا۔ اس کے بعد میں باہر جانے کا انتظام کروں گی۔ میں ایک ایسے شخص کو جانتی ہوں جو رقم لے کر ہمارا ہر مسئلہ رازداری کے ساتھ حل کر سکتا ہے۔ اصل مسئلہ بس رقم کا ہے تم تو جانتے ہو میں تمہارے ساتھ خالی ہاتھ آئی ہوں۔"

اس کے لہجے میں اتنی معصومیت اور شیرینی گھلی ہوئی تھی کہ چند لمحوں کیلئے تو میں یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ وہ واقعی میرے ساتھ مخلص ہے لیکن فوراً ہی مجھے یاد آ گیا کہ وہ کتنی مکار اور فریبی عورت ہے۔ میں اسے اس وقت سے جانتا تھا جب میں سترہ سال کا تھا۔ اس کی پوری زندگی میرے سامنے تھی۔ وہ لوگوں کو استعمال کرنا خوب جانتی تھی اور اپنے مفاد کی خاطر کسی کی بھی جان سے کھیل سکتی تھی۔

وہ تقریباً ہر روز گھما پھرا کر رقم اور زیورات کے بارے میں بات کرتی تھی۔ اس کی کوشش یہ ہوتی تھی کہ وہ مجھ سے اس پلاٹ کا درست محل وقوع معلوم کر لے جہاں میرے کہنے کے مطابق یہ چیزیں دفن تھیں۔ میں نے ہر مرتبہ اس پر یہی ظاہر کیا تھا کہ چونکہ میں اس علاقے سے اچھی طرح واقف نہیں ہوں اس لئے زبانی طور سے پتا سمجھانا میرے لئے بہت مشکل تھا' البتہ اس علاقے میں پہنچ کر میں وہ جگہ پہچان سکتا تھا۔ اسے چاروناچار میری بات پر اعتبار کرنا ہی پڑتا تھا۔

اب تک تو میں اسے ٹالتا ہی چلا آ رہا تھا۔ وہ مجھے شیشے میں اتارنے کی کوشش کر رہی تھی اور میں اسے بنا رہا تھا میں نہیں جانتا تھا کہ آئندہ چند روز بعد اسے کس طرح مطمئن کر سکوں گا؟ اور میرا اگلا قدم کیا ہونا چاہئے؟

اس بات کا جواب مجھے اسی رات مل گیا اور کسی حد تک مجھ پر واضح ہو گیا کہ میرا اگلا قدم کیا ہونا چاہئے۔

ہوا یوں کہ رات کو کسی وقت میری آنکھ کھلی تو میں نے دیکھا کہ رضیہ بستر پر موجود نہیں تھی۔ میں نے سوچا کہ وہ باتھ روم میں ہو گی یا پانی پینے فرج تک گئی ہو گی۔ یکایک مجھے احساس ہوا کہ میرا گلا خشک ہو رہا تھا۔ اگر اس وقت مجھے پیاس محسوس نہ ہو رہی ہوتی تو شاید میں دوبارہ نیند میں ڈوب جاتا۔

چند لمحوں تک میں رضیہ کے آنے کا انتظار کرتا رہا پھر پیاس کے ساتھ مجھ پر تجسس کا احساس بھی

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

ی ہوگیا۔ میں بیڈ سے اٹھ کر دبے قدموں بیڈ روم سے باہر آ گیا کیونکہ بیڈ روم میں مدھم سی روشنی دکھائی ے رہی تھی۔ میں دیوار کے ساتھ ساتھ آگے بڑھا تو مجھے باتیں کرنے کی آواز سنائی دی۔

میں نے غور سے سنا تو یہ رضیہ کی آواز تھی۔ وہ دھیمے لہجے میں کہہ رہی تھی۔ ''فکر کرنے کی رت نہیں وہ میرے پاس سے کہیں جانے کا خیال دل میں نہیں لاسکتا۔''

''یہ تو شاید میرے بارے میں بات کر رہی ہے لیکن کس سے؟'' میں نے سوچا اور ذرا سا خطرہ ول لے کر دیوار سے لگے لگے گردن بڑھا کر دروازے سے اندر جھانکا۔ وہ بیڈ پر ترچھی بیٹھی ہوئی موبائل ں پر کسی سے بات کر رہی تھی۔ اور وہ کسی تحریمی ہی ہوسکتا تھا۔ میں ذرا پیچھے ہو کر غور سے سننے کی کوشش نے لگا۔

چند لمحوں تک خاموش رہ کر دوسری طرف کی بات سننے کے بعد وہ کہہ رہی تھی۔ ''میں آہستہ تہ اسے لائن پر لانے میں کامیاب ہو جاؤں گی۔ میں اس کے مزاج کو اچھی طرح پہچانتی ہوں۔ وہ سختی قابو میں آنے والی چیز نہیں ہے۔ اسے تشدد کے ذریعے زیر کرنا مشکل ہے اور اگر مرا گیا تو ساری ت بیکار۔''

چند لمحوں تک وہ خاموش رہی' پھر اس کی آواز سنائی دی۔ ''ہاں' ہاں کتنی مرتبہ تو تمہیں یقین دلا ہوں۔ سائن تو میں اس سے کسی بھی بہانے سے کرالوں گی' سادے کاغذ پر پھر تم جو چاہے اس پر لکھتے ا۔''

اس کے بعد دو تین مرتبہ اس کے ہوں' ہاں کہنے کی آواز سنائی دی۔ جب اس نے خدا حافظ کہا ں تیزی سے پلٹا اور بے آواز قدموں سے چلتا ہوا واپس آیا اور بیڈ پر لیٹ کر سوتا ہوا بن گیا۔

کچھ دیر بعد رضیہ بھی واپس آ گئی اور آہستگی سے بیڈ کے دوسرے کنارے پر لیٹ گئی۔

میں آنکھیں بند کئے اس نئی صورتحال پر غور کر رہا تھا۔ میرے دماغ میں سنسناہٹ سی ہو رہی ۔ حالانکہ یہ سب کچھ میرے لئے بالکل ہی غیر متوقع نہیں تھا اور نہ ہی رضیہ کا یہ روپ میرے لئے انوکھا نیا تھا لیکن پھر بھی میں اس وقت ہیجان کا شکار تھا۔

اب مجھے یاد آ رہا تھا کہ اس سے پہلے بھی دو تین راتوں کو میں نے اسے بستر سے غائب پایا تھا ن تب شاید نیند کی کیفیت میں' میں نے اس بات کو اہمیت نہیں دی تھی۔

گویا میرے خلاف یہ نیا جال بنا جا رہا تھا۔ مجھے اس مکار عورت پر سخت غصہ آ رہا تھا۔ جی چاہ رہا کہ ابھی اٹھوں اور اس کی گردن مروڑ دوں لیکن ایسا کر کے میں اپنی مشکلات میں اضافہ نہیں کرسکتا تھا۔

مجھے اندازہ تھا کہ یہ نیا پلان رضیہ ہی کا بنایا ہوا تھا۔ اس کی باتوں سے ظاہر تھا کہ وہ اس بارے ں بہت پر اعتماد تھی۔

اس شاندار اپارٹمنٹ میں سب کچھ موجود تھا۔ سوائے ٹیلی فون کے مجھے اس بات پر حیرانی تھی میرے استفسار پر رضیہ نے بتایا تھا کہ اس نے یہاں فون لگوانے کی کوشش اس لئے نہیں کی کہ وہ یہاں ی تو تھی نہیں ضرورت کے تحت موبائل فون اس کے پاس موجود ہوتا ہی تھا۔ اس کے کہنے کے مطابق اس نہ وہ اپنا موبائل گھبراہٹ میں تحریمی کے بنگلے ہی میں بھول آئی تھی۔ جبکہ ایسا نہیں تھا۔ یہ بات کچھ ہی دیر

پہلے ثابت ہو چکی تھی۔ اس نے اپنا موبائل دوسرے بیڈ روم کی الماری میں یا پھر سائیڈ بورڈ کی دراز میں چھپا کر رکھا ہوا تھا اور روز رات کو میرے گہری نیند میں ڈوب جانے کے بعد وہ تحریمی سے رابطہ کر کے اسے ساری رپورٹ دیتی تھی۔ کہ وہ کامیابی کے کس مرحلے تک پہنچ چکی ہے۔

یعنی اب تک جو کچھ میرے ساتھ ہوا تھا وہ سب ڈرامہ تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ میری چھٹی حس جو مجھے بار بار کسی گڑبڑ کا احساس دلاتی تھی' وہ احساس درست تھا کیونکہ رضیہ مجھے جتنی آسانی کے ساتھ وہاں سے نکال لائی تھی وہ کچھ عجیب سا تھا۔ حالانکہ اس سے پہلے وہ بار بار مجھے وہاں کے سکیورٹی کے نظام سے ڈرانے کی کوشش کرتی رہی تھی۔

اس بارے میں مجھے مطمئن کرنے کیلئے اس نے یہی توجیہہ پیش کی تھی کہ اس کی حیثیت اس گروہ میں نمبر دو کی سی تھی اور صرف تحریمی ہی اس سے باز پرس کرسکتا تھا' جو کہ اس وقت ملک سے باہر تھا ورنہ کسی اور میں یہ جرأت نہیں تھی۔

اب یہ بات بھی میرے ذہن میں واضح ہو چکی تھی کہ مجھے یہاں لانے سے پہلے یہاں سے فون ہٹا دیا گیا ہوگا تاکہ میں کسی سے رابطہ نہ کرسکوں باہر نکلنے سے تو اس نے مجھے ترکیبوں کے ذریعے روکا ہوا تھا اور اس بات کا بھی قوی امکان تھا کہ کچھ آدمی اس بلڈنگ کی نگرانی پر مامور رہتے ہوں گے تاکہ میرے نکلنے کی صورت میں فوراً ایکشن میں آسکیں۔

جس طرح شیر کو شکار کرنے کیلئے ہانکا کر کے ایک مخصوص مقام تک لایا جاتا ہے' کچھ ایسا ہی احساس مجھے بھی ہو رہا تھا۔ دشمنوں کا گھیرا میرے گرد تنگ ہوتا جا رہا تھا۔ اب مجھے تابندہ کی زیادہ فکر لاحق ہو رہی تھی۔ یہ لوگ یقیناً اس کی تلاش میں ہوں گے تاکہ اس پر قابو پا کر مجھے مزید کمزور کرسکیں۔

یقیناً وہ کسی محفوظ جگہ پر ہوگی ورنہ اب تک ان لوگوں کی نظر میں آ چکی ہوتی۔ میرے خیال کے مطابق تابندہ کو یہ تحفظ اس کے دوست اور خیر خواہ سی آئی اے کے انسپکٹر فرمان نے فراہم کیا ہوگا۔ میں اب تابندہ سے رابطہ کرنے کیلئے پہلے سے بھی زیادہ بے قرار تھا حالانکہ ایسا کرنے کی صورت میں میری سلامتی کو شدید خطرہ تھا کیونکہ انسپکٹر فرمان اب تک میری حقیقت سے واقف ہو چکا ہوگا لیکن اب مجھے اس بات کی بھی زیادہ پروا نہیں رہی تھی۔ کیونکہ میرے ایک طرف کنواں تھا تو دوسری طرف گہری کھائی۔

دونوں صورتوں میں تباہی میرا مقدر تھی تو کم از کم میں اپنی پسندیدہ صورت منتخب کرنے کی کوشش تو کرسکتا تھا۔

صبح میں نے اپنے طرز عمل سے رضیہ پر کچھ بھی ظاہر نہیں ہونے دیا بلکہ دن بھر میں اس پر کچھ زیادہ ہی ملتفت رہا۔ آج میں نے خود جلد از جلد پلاٹ تک جا کر وہاں سے اپنی امانت نکالنے اور ملک سے نکل جانے کی خواہش ظاہر کی۔

وہ اپنی محنت بارآور ثابت ہونے پر بڑی خوش نظر آ رہی تھی۔ مستقبل کے بارے میں خوش آئند باتیں کرتے کرتے اس نے تیکھی نظروں سے میری جانب دیکھتے ہوئے اچانک پوچھا۔ ''تم تابندہ سے نہیں ملو گے؟''

میں اس اچانک سوال پر کچھ گڑبڑا سا گیا۔ پھر میں نے سنبھلتے ہوئے فوراً ہی جواب دیا۔ ''جب

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

اس سے کوئی تعلق ہی نہیں رکھنا تو پھر ملنے کی کیا ضرورت ہے؟" رضیہ گہری نظروں سے میری جانب رہی تھی۔

پھر میں نے سرسری سے لہجے میں پوچھا۔ "تم اس کا اتا پتا لگانے کے بارے میں کچھ کہہ رہی ۔ کچھ معلوم ہوا؟"

"نہیں۔" اس نے جواب دیتے ہوئے کہا۔ "میں تو تب سے تمہارے ہی ساتھ ہوں۔ تحریکی اس کا سراغ لگانے کی کوشش کی تھی مگر اسے ناکامی ہوئی تھی۔ اگر تمہیں اس سے کونٹیکٹ کرنے کا کوئی پتہ معلوم ہے تو مجھے بتاؤ میں تمہیں اس سے ملوانے کی ہر ممکن کوشش کروں گی۔" میں خاموش رہا۔

"تمہیں میری بات پر یقین نہیں ہے؟" اس نے میری آنکھوں میں بے اعتباری کی جھلک تے ہوئے پوچھا جسے میں نے چھپانے کی کوشش بھی نہیں کی تھی۔ "میں تم سے محبت کرتی ہوں تاجی میں ے ساتھ کوئی زبردستی نہیں کرسکتی۔ اگر تم اس کے پاس جانا چاہو گے تو میں تمہارا راستہ نہیں روکوں گی۔" نے اپنی عیاری اور مکاری کو ادا اس کے پردے میں چھپاتے ہوئے کہا۔ میں نے جواب میں اسی ردعمل کا رکیا جس کی وہ توقع کر رہی تھی۔

پھر میں نے زبان سے کہا۔ "اب اس موضوع پر ہمارے درمیان کوئی بات نہیں ہوگی۔ ٹھیک؟"

اس نے کچھ شرماتے ہوئے اور کچھ مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔ میں نے اس کی ری پر اسے دل ہی دل میں داد دی پھر مجھے خیال آیا کہ مجھے خود کو بھی تو شاباش دینی چاہئے کیونکہ میں خاصی کامیاب اداکاری کا مظاہرہ کر رہا تھا۔

رات کا کھانا کھانے کے بعد ہم حسب معمول دیر تک ٹی وی دیکھتے رہے۔ تقریباً ایک ڈیڑھ میں جمائیاں لیتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔ میں نے کہا۔ "بھئی مجھے تو نیند آ رہی ہے۔"

"تم جا کر سو جاؤ میں ذرا یہ پروگرام دیکھ لوں پھر آتی ہوں۔" اس نے ٹی وی کی طرف دیکھتے ے مجھ سے کہا۔

میں نے سر ہلایا اور ٹی وی لاؤنج سے بیڈروم میں آ گیا۔ نیند تو مجھے واقعی آ رہی تھی لیکن میں سونا نہیں چاہتا تھا کیونکہ سو جانے کی صورت میں میں رضیہ کی خفیہ نوعیت کی سرگرمیوں پر نظر نہیں رکھ سکتا

میں آنکھیں بند کئے بیڈ پر لیٹا ہوا تھا۔ بیڈروم کا دروازہ کھلا ہوا تھا' لاؤنج سے ٹی وی کی دھیمی آواز آ رہی تھی۔ مجھے کمرے میں آئے آدھا گھنٹہ گزر چکا تھا لیکن رضیہ ابھی تک واپس نہیں آئی تھی۔ میرے لئے آنکھیں بند کئے ۔ اکت لیٹے رہنا مشکل ہونے لگا تو میں اٹھ کھڑا ہوا اور دبے پاؤں ٹی لاؤنج کی طرف آیا۔

وہاں ٹی وی اسی طرح چل رہا تھا لیکن رضیہ اپنی جگہ پر موجود نہیں تھی۔ میں سمجھ گیا کہ وہ کل کی طرح اس وقت دوسرے بیڈروم میں ہوگی۔ میں بے آواز قدموں سے دیوار کے ساتھ ساتھ آگے تو دیکھا کہ آج بیڈروم کا دروازہ بند تھا۔ میں نے دروازے سے کان لگا کر کچھ سن گن لینے کی کوشش کی بے سود دوسری طرف سے کوئی آواز میرے کانوں تک نہیں پہنچ پائی۔

میں نے جھک کر کی ہول سے آنکھ لگائی تو کمرے کے ایک گوشے میں رضیہ موبائل فون پر بات کرتی ہوئی نظر آئی لیکن دروازے سے کافی دور ہونے کے باعث اس کے صرف ہونٹ ہلتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ میں اسی طرح دبے پاؤں اپنے بیڈروم میں واپس آ گیا اور دیوار کی طرف منہ کر کے لیٹ گیا۔ دو تین منٹ بعد ٹی وی کی آواز آنا بند ہوگئی۔ شاید رضیہ نے ٹی وی آف کر دیا تھا۔ چند ہی لمحوں بعد وہ بیڈروم میں تھی۔ میں بدستور آنکھیں بند کئے لیٹا تھا۔ وہ بھی خاموشی سے بیڈ پر دراز ہوگئی اور کچھ ہی دیر بعد اس کی سانسوں کی آواز گہری ہوگئی۔ میں نے اس کی جانب کروٹ لے کر دیکھا تو وہ گہری نیند میں ڈوب چکی تھی۔

میں آہستہ سے بیڈ سے اترا اور آہستگی سے چلتا ہوا دوسرے بیڈروم میں آ گیا۔ مجھے خاص طور سے رضیہ کے موبائل کی تلاش تھی۔ سب سے پہلے میں الماری کی طرف بڑھا۔ الماری حسب توقع لاک تھی۔ میں نے ڈریسنگ ٹیبل کی تمام درازوں کی تلاشی لے ڈالی مجھے کمرے میں کہیں کوئی بھی چابی نہیں مل سکی۔ بالآخر میں نے اپنی وہی پرانی ترکیب آزمانے کا فیصلہ کیا۔ ڈریسنگ ٹیبل کی دراز میں چند بال پنیں پڑی ہوئی تھیں۔ ایک پن لے کر میں نے تالے پر قسمت آزمائی شروع کر دی۔ چند منٹ کی کوشش کے بعد الماری کا لاک کھل چکا تھا۔ ایک دراز میں موبائل رکھا ہوا تھا۔ الماری میں چھوٹا سا ایک لاکر نما خانہ تھا جو مقفل تھا۔ میرے دل میں تجسس پیدا ہوا کہ اسے بھی کھول کر دیکھا جائے۔ یقیناً اس میں کوئی نہ کوئی اہم چیز موجود ہو گی۔ یا شاید کچھ رقم اس میں رکھی ہوگی۔

اس خیال کے تحت میں نے ایک بار پھر الماری کی درازوں کی تلاشی لی تو مجھے ایک رنگ میں پڑی ہوئی دو چابیاں نظر آ گئیں۔ ان میں سے ایک چابی سے وہ لاکر کھل گیا۔ لاکر میں ہزار ہزار کے نوٹوں کی دو گڈیاں رکھی ہوئی تھیں۔ میں نے ایک لمحے کیلئے کچھ سوچا پھر ایک گڈی اٹھا کر جیب میں ٹھونس لی اور لاکر کو دوبارہ اسی طرح بند کر دیا۔

موبائل فون اس وقت میری دسترس میں تھا لیکن میرے لئے بیکار تھا۔ تابندہ اپنے گھر میں موجود نہیں تھی اور یہ آفس ٹائم بھی نہیں تھا ورنہ میں تابندہ کی کمپنی کے جی ایم اشرف صاحب سے بات کر لیتا۔ تابندہ ان پر بہت اعتماد کرتی تھی۔ وہ یقیناً ساری صورتحال سے واقف ہوں گے۔ ان کے گھر کا فون نمبر مجھے معلوم نہیں تھا ورنہ اس وقت ان سے بات ہو سکتی تھی۔ میں ایک مرتبہ تابندہ کے ساتھ ان کے بنگلے پر بھی گیا تھا جو کہ ناظم آباد کے علاقے میں تھا۔

موبائل فون کو چھیڑنا میں نے مناسب نہیں سمجھا اور الماری کے پٹ بند کر کے کمرے سے باہر نکل آیا۔ اس وقت میرا ذہن بہت تیزی سے کام کر رہا تھا۔ میں نے فوری طور پر ایکشن میں آنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ حقیقت حال سے واقف ہونے کے بعد اب یہاں ایک ایک منٹ مجھ پر بھاری تھا۔

میں نے واپس آ کر دیکھا' رضیہ اسی طرح سو رہی تھی جیسا کہ میں اسے چھوڑ کر گیا تھا پھر میں نے وال کلاک کی طرف دیکھا' اس وقت رات کے پونے تین بجے تھے۔ گویا میں صرف بارہ تیرہ منٹ میں واپس آ گیا تھا۔ رضیہ کو گہری نیند میں دیکھ کر میں مطمئن ہو گیا۔ اب میرے خیال میں ایک منٹ بھی ضائع کرنا مناسب نہیں تھا۔ میں فوری طور پر یہاں سے نکلنے کا فیصلہ کر چکا تھا' کیونکہ ابھی دشمن اس خوش فہمی میں

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

تھے کہ میں اصل حقیقت سے بے خبر ہوں لہٰذا ان کا گھیرا ابھی میرے گرد اتنا تنگ نہیں ہوا تھا کہ اس سے نکلنا میرے لئے ناممکن ہو جاتا۔

داخلی دروازے کا آٹومیٹک لاک کھول کر میں باہر نکل آیا اور دروازے کو کھینچ کر آہستگی سے دوبارہ بند کر دیا۔ راہداری بالکل سنسان پڑی تھی۔ ماحول پر سکوت طاری تھا۔ رات کے اس پہر سب ہی اپنے اپنے گھروں میں آرام کی نیند سو رہے تھے۔ میں بڑی احتیاط کے ساتھ اور بے آواز قدموں سے سیڑھیاں اترنے لگا۔

میں سیڑھیوں کے بجائے لفٹ کے ذریعے بھی نیچے جا سکتا تھا لیکن نہ جانے کیوں مجھے یہ احساس ہوا کہ سیڑھیوں کے ذریعے جانا نسبتاً محفوظ تھا کیونکہ اس طرح میں اپنے اطراف پر نظر رکھ سکتا تھا اور اپنا بچاؤ بھی کر سکتا تھا۔

نیچے آنے کے بعد' آگے بڑھنے سے پہلے میں نے محتاط انداز میں اردگرد کا جائزہ لیا اور مین گیٹ کی طرف جانے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ باؤنڈری وال کے قریب جا کر میں نے اس کا جائزہ لیا۔ دیوار خاصی اونچی تھی لیکن میری تو ساری زندگی ہی ایسی رکاوٹوں کو عبور کرتے گزری تھی۔ لہٰذا میں اپنے جسم کو متوازن رکھتے ہوئے سپرنگ کی طرح اوپر اچھلا اور دونوں ہاتھ دیوار کی کگر پر جما کر آہستہ آہستہ جسم کو اوپر اٹھانے کی کوشش کرنے لگا' بالآخر میں دیوار پر چڑھنے میں کامیاب ہو گیا۔

دیوار پر سے دوسری جانب اترنے سے قبل ایک لمحے کیلئے میں نے اردگرد کا جائزہ لیا۔ باہر ملگجی سی روشنی پھیلی ہوئی تھی اور دور تک بالکل سناٹا تھا۔ میں پلٹ کر دیوار کی دوسری جانب لٹک گیا پھر آہستہ سے زمین پر چھلانگ لگا دی۔

میں جلد از جلد مین روڈ تک پہنچ جانا چاہتا تھا۔ تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے میں سوچ رہا تھا کہ اس وقت کسی پولیس والے سے میرا سامنا نہ ہو تو بہتر ہے کیونکہ اس صورت میں میرے لئے یہ وضاحت کرنا مشکل ہو جاتا کہ میں کہاں سے آ رہا تھا اور کہاں جا رہا تھا؟ اس وقت میرے پاس نوٹوں کی ایک گڈی ضرور موجود تھی جس سے بہت سے کام نکالے جا سکتے تھے لیکن اگر مجھے پہچان لیا جاتا تو شاید یہ نوٹ بھی میرے کسی کام نہیں آ سکتے تھے۔

رضیہ اور تحریمی کے بارے میں سوچ کر میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔ میں نے ایک بار پھر ان کے اندازے غلط ثابت کر دیئے تھے۔ اس وقت مجھے تحریمی کے گرگوں کی جانب سے کوئی خطرہ محسوس نہیں ہو رہا تھا کیونکہ رضیہ کے کہنے پر یقیناً میری نگرانی کا کوئی انتظام نہیں کیا گیا تھا۔ صبح جب اس کی آنکھ کھلے گی تو وہ ایک بار پھر اپنے بال نوچتی رہ جائے گی۔ اس کی حد سے زیادہ بڑھی ہوئی خود اعتمادی اسے لے ڈوبی تھی۔

اس وقت شاید میری تقدیر مجھ پر مہربان تھی۔ میں نہ صرف بخیر و عافیت مین روڈ تک پہنچ گیا بلکہ چند ہی منٹ کے انتظار کے بعد مجھے ایک ٹیکسی بھی مل گئی۔ میں نے ٹیکسی والے کو ناظم آباد چلنے کیلئے کہا۔ اس نے بڑی بے نیازی سے ایک نگاہ غلط انداز مجھ پر ڈالی اور کہنے لگا۔ ''کرایہ ڈبل ہو گا جناب۔''

''ٹھیک ہے چلو۔'' میں نے جلدی سے دروازہ کھولا اور پسنجر سیٹ پر بیٹھ گیا۔

اس وقت سڑکوں پر ٹریفک نہ ہونے کے برابر تھا۔ ٹیکسی فراٹے بھرتی ہوئی ناظم آباد کی طرف جا رہی تھی جہاں تابندہ کی کمپنی کے جی ایم اشرف کا بنگلہ تھا۔ اس وقت وہی مجھے ایک ایسا موزوں شخص نظر آ رہا تھا جس پر اعتبار کرتے ہوئے میں اس سے رابطہ کر سکتا تھا۔

میں صرف ایک مرتبہ تھوڑی دیر کیلئے تابندہ کے ساتھ اس کے بنگلے گیا تھا لیکن چونکہ مجھے اپنی یادداشت پر کافی بھروسہ تھا اس لئے مجھے یقین تھا کہ میں وہاں پہنچنے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔

اپنی یادداشت کے سہارے میں نے ٹیکسی کو اشرف کے بنگلے سے کچھ دور رکوا لیا اور ہزار کا نوٹ ڈرائیور کی طرف بڑھایا جو میں پہلے ہی گڈی سے علیحدہ کر چکا تھا۔ یہ دیکھ کر میں نے اطمینان کی سانس لی کہ ڈرائیور نے خاموشی سے نوٹ لے لیا اور بقایا میرے ہاتھ میں تھما دیئے ورنہ میرے لئے ایک اور مسئلہ کھڑا ہو جاتا' غنیمت تھا کہ ٹیکسی ڈرائیور کے پاس چینج موجود تھا۔

ٹیکسی آگے بڑھ گئی تو میں اشرف کے بنگلے کی طرف چل دیا۔ چند ہی منٹ بعد میں بنگلے کے گیٹ پر کھڑا تھا اور گیٹ کے باہر لگی ہوئی نیم پلیٹ پر اشرف صاحب کا نام وغیرہ پڑھ کر اس بات کی تصدیق کر چکا تھا کہ میں درست جگہ پہنچا تھا۔ ابھی تک چاروں جانب سناٹا چھایا ہوا تھا۔ میرے اندازے کے مطابق وہ صبح کے چار' سوا چار بجے کا وقت رہا ہو گا' یقیناً وہ کسی شریف آدمی کے گھر جانے کا وقت نہیں تھا' لیکن مجبوری تھی۔

میں نے کال بیل کا بٹن کئی مرتبہ دبایا۔ کئی منٹ گزر گئے لیکن کسی کی آمد کے آثار دکھائی نہیں دیئے۔ اس طرح زیادہ دیر تک گیٹ کے باہر کھڑے رہنا میرے لئے مناسب نہیں تھا۔ میں نے اضطراب کے عالم میں ایک بار پھر کال بیل کے بٹن پر انگلی رکھ دی۔ ذرا دیر بعد میں نے گیٹ کی جھری سے اشرف کو گیٹ کی جانب آتے ہوئے دیکھا۔ اندر ملگجی سی روشنی پھیلی ہوئی تھی' میں نے دیکھا کہ اشرف آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا محتاط انداز میں گیٹ کی طرف آ رہا تھا' جونہی وہ گیٹ کے قریب پہنچا میں نے بے صبری سے دبی دبی آواز میں اسے پکارا۔ ''اشرف صاحب گیٹ کھولئے یہ میں ہوں' نظیر تابندہ کا شوہر۔''

اس نے میری آواز سن لی تھی وہ لپک کر گیٹ کی اسی جھری کی سمت آیا جس سے میں لگا کھڑا تھا۔ میں ذرا پیچھے ہٹ گیا تاکہ وہ مجھے اچھی طرح دیکھ سکے۔ چند ہی لمحوں بعد گیٹ کھلا اور اشرف نے ہاتھ بڑھا کر مجھے اندر کھینچ لیا پھر جلدی سے گیٹ بند کر دیا۔

گیٹ بند کر کے وہ میری طرف مڑا اور دونوں ہاتھوں سے میرے بازوؤں کو پکڑے ہوئے ہیجان زدہ لہجے میں کہنے لگا۔ ''آپ' آپ ٹھیک تو ہیں نظیر صاحب؟ ہم سب آپ کیلئے بے حد پریشان تھے اور میڈم۔''

''میں بالکل ٹھیک ہوں اشرف صاحب۔'' میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ ''باقی باتیں اندر چل کر کرتے ہیں۔''

''اوہ ہاں' آیئے آیئے۔'' وہ آگے بڑھتے ہوئے کہنے لگا۔ ''دراصل غیر متوقع طور پر آپ کو دیکھ کر میں کچھ بدحواس سا ہو گیا تھا۔''

وہ مجھے ڈرائنگ روم میں لے آیا۔ میں ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔ وہ ڈرائنگ روم کا دروازہ بند کر

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

کے آیا اور سامنے والے صوفے پر بیٹھ گیا۔ اس نے کچھ کہنے کیلئے منہ کھولا ہی تھا کہ میں نے ہاتھ کے اشارے سے اسے روکتے ہوئے کہا۔ ”اشرف صاحب سب سے پہلے یہ بتائیے کہ تابندہ کہاں ہے اور کیسی ہے؟“

وہ کہنے لگا نظیر صاحب‘ یہ تو مجھے بھی نہیں معلوم کہ میڈم کہاں ہیں لیکن آپ اطمینان رکھئے وہ بالکل محفوظ جگہ پر ہیں۔“

مجھے اس کا یہ جواب کچھ عجیب سا لگا۔ میں نے پوچھا۔ ”کیا مطلب؟ آپ یہ تو جانتے ہیں کہ وہ کسی محفوظ جگہ پر ہے لیکن یہ نہیں جانتے کہ کہاں ہے؟“

وہ جواب میں کہنے لگا۔ ”بات دراصل یہ ہے جناب کہ آپ کے اچانک غائب ہو جانے سے میڈم تابندہ بہت پریشان ہو گئی تھیں ان کی حالت کافی خراب ہو گئی تھی۔ یہ بات تو تقریباً سب کو معلوم تھی کہ آپ کیلئے کوئی فون آیا تھا جسے سن کر آپ کچھ دیر بعد واپس آنے کا کہہ کر باہر چلے گئے تھے۔ اتفاق سے دو مہمان بچوں نے آپ کو کسی بڑی سی گاڑی میں بیٹھ کر جاتے ہوئے دیکھ لیا تھا‘ اس کے علاوہ وہ کچھ اور نہیں بتا سکے تھے۔ انسپکٹر فرمان نے فوری طور پر آپ کی تلاش شروع کروا دی تھی۔ لیکن دشواری یہ تھی کہ آپ کی کوئی تصویر موجود نہیں تھی اور آپ کے بارے میں میڈم تابندہ کی خاموشی سے بھی وہ الجھے ہوئے تھے۔ لیکن چونکہ ڈاکٹر کی ہدایت تھی کہ میڈیم سے زیادہ سوالات نہ کئے جائیں کیونکہ اس طرح ان کے ذہنی دباؤ میں اضافہ ہو سکتا ہے اور حالت مزید خراب ہو سکتی ہے‘ لہٰذا انسپکٹر صاحب اور ان کی بیگم میڈم کو اپنے ساتھ اپنے گھر لے گئے۔

تقریباً دو دن بعد جب میڈم کی ذہنی کیفیت ذرا نارمل ہوئی تو انہوں نے انسپکٹر فرمان کو بتایا کہ کچھ جرائم پیشہ افراد آپ کی جان کے دشمن ہو رہے تھے کیونکہ آپ نے ان کی مخبری کر کے ان کا مال پکڑوایا تھا اور انہیں شدید نقصان پہنچایا تھا۔

جب میڈم نے تحریکی کا نام لیا اور اس پر شبہ ظاہر کیا تو انسپکٹر فرمان نے میڈم کو فوری طور پر اپنے گھر سے کسی اور محفوظ جگہ منتقل کر دیا اور ان کا پتا شاید انسپکٹر فرمان کے علاوہ کسی کو نہیں معلوم۔“

اس نے خاموش ہو کر ایک طویل سانس لی تو مجھے احساس ہوا کہ میں بالکل ساکت بیٹھا ہوا تھا اور سانس روکے ہوئے اس کا طویل جواب سن رہا تھا۔ اس نے ایک ہی سانس میں بہت سی باتیں بتا ڈالی تھیں۔ یہ جان کر میرے دل کو اطمینان ہوا کہ تابندہ صحیح سلامت تھی اور محفوظ ہاتھوں میں تھی۔ تب یکا یک مجھے شدید پیاس کا احساس ہوا‘ میں نے اشرف سے ایک گلاس پانی مانگا۔ وہ جلدی سے اٹھ کھڑا ہوا اور چند ہی لمحوں کے بعد پانی کا گلاس لے کر واپس آ گیا۔

میں نے پانی پی کر گلاس میز پر رکھا تو وہ کہنے لگا۔ ”میں آپ کیلئے چائے بنا کر لاتا ہوں لیکن آپ کو چند منٹ انتظار کرنا پڑے گا۔ بیوی بچے گھر پر موجود ہوتے تو اب تک چائے بن کر آ چکی ہوتی۔“

میں نے پوچھا۔ ”کیا سب لوگ کہیں گئے ہوئے ہیں؟“

وہ کہنے لگا۔ ”پہلے میں آپ کیلئے چائے لے آؤں پھر تفصیل سے آپ کو سب کچھ بتاتا ہوں۔“

وہ جانے کیلئے اٹھ کھڑا ہوا۔

اس کے لہجے میں کوئی ایسی بات تھی کہ میرے کان کھڑے ہو گئے۔ میں نے ہاتھ کے اشارے سے روکتے ہوئے کہا۔ ”چائے کو رہنے دیجئے اشرف صاحب کوئی خاص طلب محسوس نہیں ہو رہی ہے اطمینان سے بیٹھئے اور بتائیے کہ کیا بات ہے؟“

میرے منع کرنے پر وہ بیٹھ گیا اور چند لمحوں تک خاموش بیٹھا اپنے ہاتھوں کو گھورتا رہا‘ جیسے اس کی ہمت نہ آ رہا ہو کہ بات کیسے شروع کرے۔ مجھے وہ پہلے ہی کچھ پریشان اور مضطرب سا نظر آ رہا تھا۔ مجھے یاد تھا کہ وہ ایک مخلص اور وفادار آدمی تھا اس لئے میرے اور تابندہ کے مسئلے کی وجہ سے فکرمند تھا لیکن مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ اس کے علاوہ بھی کوئی اور بات ضرور تھی جو اس کیلئے زیادہ پریشان کن تھی۔

اسے خاموش پا کر میں نے دوبارہ اسے مخاطب کیا۔ ”کیا بات ہے اشرف صاحب؟ آپ اداس کیوں ہو گئے آپ تو کچھ بتانے والے تھے۔“

وہ دھیمی آواز میں کہنے لگا۔ ”کیا بتاؤں نظیر صاحب آپ پہلے ہی اتنی مشکلات کا شکار ہیں‘ نہ جانے کن کن مصائب سے گزر کر یہاں پہنچے ہیں مجھے یہ بات چھیڑنی ہی نہیں چاہئے تھی۔“ وہ اضطراب کے عالم میں اپنے دونوں ہاتھ ملنے لگا۔

میں نے بے چینی سے پہلو بدلا۔ ”اس طرح تو آپ میری پریشانی کو اور بڑھا رہے ہیں اشرف صاحب جو بھی مسئلہ ہے پلیز آپ اس پر کھل کر بات کریں۔“

وہ افسردہ سی آواز میں بتانے لگا۔ ”میڈم تابندہ کے روپوش ہونے کے بعد مسلسل مجھے گمراہ کن جگہ پر دھمکی آمیز فون موصول ہونے لگے۔ مجھ سے کہا جاتا کہ میں میڈم کا پتا بتا دوں ورنہ مجھے نتائج بھگتنے پڑیں گے۔ میں نے انسپکٹر فرمان کو ان فون کالوں کے بارے میں بتایا‘ چیک کرنے پر پتا ہوا کہ تمام کالیں کسی نہ کسی پبلک بوتھ سے کی گئی تھیں۔ انسپکٹر صاحب مسلسل اپنے ذرائع سے ان لوگوں کو اپنی گرفت میں لینے کی کوشش کر رہے تھے‘ جنہوں نے آپ کو اغوا کیا تھا‘ مگر وہ لوگ اس میدان کے بہت کھلاڑی اور جرائم کی دنیا کے بے تاج بادشاہ ہیں۔ کوئی ثبوت نہ ملنے کی بنا پر تحریکی کو گرفتار نہیں کیا جا سکتا‘ تو میں ان فون کالوں کے بارے میں بتا رہا تھا۔“

اشرف نے دوبارہ موضوع کی طرف آتے ہوئے کہا ورنہ میں اسے ٹوکنے ہی والا تھا۔ چند لمحوں کے وقفے کے بعد وہ دوبارہ کہنے لگا۔ ”میری بیوی اور دونوں بیٹیوں کو بھی ان ٹیلی فون کالوں کے بارے میں معلوم ہو گیا تھا۔ ہم سب اپنی اپنی جگہ محتاط اور فکرمند تھے۔ انسپکٹر فرمان نے دو سپاہیوں کی ڈیوٹی میرے گھر پر لگا دی تھی‘ لیکن پرسوں شام کے وقت چار افراد نہ جانے کس طرح ڈیوٹی پر موجود دونوں سپاہیوں کو قابو کر کے ریوالور لہراتے ہوئے ہمارے سروں پر آن کھڑے ہوئے۔ انہوں نے ہم چاروں کو ایک کمرے میں جمع کر کے تمام کھڑکیاں اور دروازے بند کر دیئے اور مجھ سے میڈم تابندہ کا پتا پوچھنے لگے۔

میرے مسلسل لاعلمی ظاہر کرنے پر انہوں نے مجھے زدوکوب کیا‘ گھونسوں اور لاتوں سے بری طرح مارا۔ میری بیوی اور بیٹیاں بری طرح سہمی ہوئی تھیں‘ جب میں مسلسل اس بات کی تکرار کرتا رہا کہ میڈم تابندہ کا پتا نہیں معلوم تو ان میں سے ایک غنڈے نے جو الگ کھڑا تماشا دیکھ رہا تھا اور ان سب کا سرغنہ معلوم ہوتا تھا‘ کوئی اشارہ کیا۔ دو غنڈے میری بیوی اور بیٹیوں کی طرف بڑھے جو ایک دوسرے سے

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

چھٹی ہوئی کھڑی تھیں۔ انہوں نے میری بڑی بیٹی کو کھینچ کر الگ کر لیا۔

میں فوراً چلایا۔ "چھوڑو میری بیٹی کو اسے کیوں پکڑا ہے تم لوگوں نے؟" دہشت کے باعث بری طرح کانپ رہی تھی۔

ان کا سرغنہ جواب تک الگ کھڑا ہوا تھا میرے قریب آیا اور ریوالور میری کنپٹی سے لگا کر لگا۔ "زیادہ شور مچانے کی ضرورت نہیں ہے ہم تمہاری بیٹی کو ساتھ لے جا رہے ہیں تا کہ تمہارا حافظہ جلد کام کرنے لگے اور تمہیں اپنی میڈم کا پتا یاد آ جائے‘ تمہیں چند دن کی مہلت دی جا رہی ہے اس دوران نہ کسی طرح اس عورت کا ٹھکانہ معلوم کرو ورنہ پہلے تمہاری بیٹی کی عزت جائے گی اور پھر جان۔"

میں ان ظالموں کے آگے بہت گڑگڑایا لیکن اس شخص نے میرے منہ پر ریوالور کا دستہ رسید کیا میں لڑکھڑا کر پیچھے ہٹا‘ وہ میری بچی کو کھینچتے ہوئے لے گئے اور جاتے ہوئے بیڈ روم کا دروازہ باہر سے بند کر گئے۔ میرا موبائل ساتھ لے جانے کے علاوہ وہ ٹیلی فون کی تاریں بھی کاٹ گئے تھے۔ ہم کافی دیر تک کمرے میں بند گم صم بیٹھے رہے۔ جب سپاہیوں کو ہوش آیا تو انہوں نے باہر سے کمرہ کھولا۔

اب تک میری بچی کی کوئی خبر نہیں ہے۔" اپنی روداد سناتے سناتے اشرف کی آواز بھرا گئی۔ وہ خاموش ہو کر رومال سے اپنی آنکھوں کے گوشے صاف کرنے لگا۔

میں اپنی جگہ سے اٹھ کر اشرف کے برابر جا بیٹھا اور اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے پوچھا "آپ کی بیگم اور چھوٹی بیٹی کہاں ہیں اشرف صاحب؟"

"انہیں میں نے اپنی بیگم کے والدین کے پاس اسلام آباد روانہ کر دیا تھا۔" اس نے سنبھل کر جواب دیا۔ "اور میں خود یہاں ان لوگوں کے فون کے انتظار میں ایک ایک پل گن گن کر گزار رہا ہوں کہ ان بے رحموں نے اب تک مجھ سے رابطہ نہیں کیا ہے‘ نہ جانے میری بچی کس حال میں ہو گی۔" اس کی آواز ایک بار پھر بھرانے لگی تھی۔

"انسپکٹر فرمان کو تو ساری صورتحال معلوم ہو گی۔" میں نے سوالیہ نظروں سے اشرف کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

"انسپکٹر صاحب تو بیک وقت کئی معاملات میں الجھے ہوئے ہیں لیکن میں جانتا ہوں کہ اس وقت ان کی تمام تر کوششیں میری بیٹی کی بازیابی پر صرف ہو رہی ہیں۔"

میں نے تائیدی انداز میں سر ہلایا پھر اچانک ایک خیال کے تحت میں نے پوچھا۔ "اب تو آپ کی حفاظت کیلئے یہاں پولیس والے نظر نہیں آ رہے ہیں؟"

"وہ غنڈے جانے سے پہلے دھمکی دے کر گئے تھے کہ اب اگر تمہارے گھر کے اردگرد بھی کوئی پولیس والا نظر آیا تو ہم تمہارے بنگلے کو بم سے اڑا دیں گے لہٰذا میں نے انسپکٹر صاحب سے درخواست کی کہ یہاں کسی کو نہ بھیجیں‘ میری حفاظت کی فکر نہ کریں‘ بس میری بچی کو ڈھونڈ نکالیں۔"

مجھے اس کا جواب سن کر کچھ اطمینان ہوا کیونکہ میں نہیں چاہتا تھا کہ انسپکٹر فرمان کو فوری طور پر میری آمد کی اطلاع مل جائے۔ میں سکون کے ساتھ اپنے لئے کوئی لائحہ عمل مرتب کرنا چاہتا تھا۔

اشرف صاحب کی باتوں سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ اب تک میری اصل حقیقت سے لاعلم تھے

...نے انہیں کچھ نہیں بتایا تھا اور مجھے یقین تھا کہ اس نے انسپکٹر فرمان کو بھی میرے بارے میں کچھ نہیں ...وگا۔ اس سلسلے میں میری احتیاط پسندی بھی میرے کام آئی تھی کہ میں نے تابندہ کو شادی کی مووی اور ...یں بنوانے سے منع کر دیا تھا ورنہ انسپکٹر فرمان اب تک میری اصل حقیقت کا کھوج لگا چکا ہوتا لیکن مجھے ...ارے میں زیادہ خوش فہمی نہیں تھی۔ معاملات اس حد تک الجھ چکے تھے کہ جلد یا بدیر حقیقت کو آشکار ہونا ...۔ بہرحال میں ایک اشتہاری مجرم تھا۔

میں دنیا سے لڑتے لڑتے اور دوڑتے دوڑتے اب تھک چکا تھا۔ میری خواہش تھی کہ اپنے انجام ...نے سے پہلے تابندہ کو دیکھ لوں چند روز سکون کے ساتھ اس کی زلفوں کی چھاؤں میں گزار لوں۔ میری ...ی تھی کہ زندگی کی دھوپ میں دوڑتے دوڑتے جب مجھے ایک مہربان‘ سایہ دار آنچل نظر آیا تو مجھے اپنی ...ی زندگی ہی ختم ہوتی نظر آ رہی تھی۔

اشرف صاحب میرے منع کرنے کے باوجود چائے بنانے کیلئے چلے گئے تھے۔ ان کو پیش آنے ...ٹریجڈی کے بارے میں سوچ کے میرے ذہن میں سنسناہٹ سی ہونے لگی۔ وہ بے چارے ایماندار ...ب اور وضع دار قسم کے انسان تھے‘ حق نمک ادا کرتے کرتے گیہوں کے ساتھ گھن کی طرح پس رہے

اس وقت مجھے رضیہ پر بے تحاشہ غصہ آ رہا تھا۔ مجھے نوعمری سے غلط راستے پر ڈالنے اور میری ...ا کو تباہ کرنے میں سراسر اس کا ہاتھ تھا۔ اس وقت بھی میری اور مجھ سے متعلقہ لوگوں کی تمام پریشانیوں ...اہی ذمہ دار تھی۔

تحریمی کے جذبہ انتقام کو ابھارنے میں بھی دراصل اسی کا ہاتھ تھا۔ تحریمی کی آڑ میں وہ اپنا کھیل ...ا رہی تھی۔

تابندہ سے میری شادی کی خبر سن کر وہ لاہور سے دوڑی چلی آئی تھی‘ کیونکہ وہ میرے ہاتھوں ...ازک اٹھا چکی تھی۔ اب وہ مجھ سے اپنا حساب کتاب برابر کرنا چاہتی تھی۔ میں جانتا تھا کہ اپنا مقصد پورا ...نے کی خاطر وہ انتہائی حد تک جا سکتی تھی۔ اس کی ایک مثال اشرف صاحب کی بیٹی کا اغوا تھا۔

میں اس کے قبضے میں تھا‘ اس دوران وہ اور تحریمی مختلف حربوں سے مجھ پر قابو پانے کی کوششیں ...تے رہے تھے۔ رضیہ جانتی تھی کہ یہ بہت مشکل تھا لہٰذا مجھے مکمل طور سے زیر کرنے کے لئے وہ تابندہ کی ...ل میں تھی۔ تابندہ تک پہنچنا بھی انتہائی مشکل تھا‘ اس لئے وہ ان اوچھے ہتھکنڈوں پر اتر آئی تھی۔

میں انہی خیالات میں غلطاں صوفے کے پشتے سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا کہ اشرف صاحب ...ئے اور کچھ بسکٹ وغیرہ لے کر آ گئے۔ اس وقت تک باہر صبح کا اجالا پھیل چکا تھا۔

اشرف صاحب نے خاموشی سے مجھے چائے بنا کر دی۔ میں ضروری ترمیم کے ساتھ مختصر الفاظ ...ں اپنے حالات انہیں سنا کر مطمئن کر چکا تھا۔ میں نے انہیں یہ بھی سمجھا دیا تھا کہ فی الحال کسی مصلحت کے ...ت میں نہیں چاہتا کہ انسپکٹر فرمان کو میرے بارے میں بتایا جائے۔ میں نے اپنی گفتگو سے انہیں ایسا تاثر ...ا تھا گویا اس بات کا تعلق تابندہ کی سلامتی کے معاملے سے ہے۔ اشرف صاحب نے توقع کے مطابق مجھے ...ان تعاون کا یقین دلایا تھا۔

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

میں چائے پیتے ہوئے سوچ رہا تھا کہ اب مجھے کیا قدم اٹھانا چاہیے؟ اب تک کوئی ایسی تد[بیر] میرے ذہن میں نہیں آ سکی تھی کہ میں کسی کے علم میں لائے بغیر اور مزید خطرات کو دعوت دیئے بغیر تابندہ سے مل سکتا۔

بہت سوچ بچار کے بعد کوئی بھی مناسب تدبیر میرے ذہن میں نہیں آ سکی تھی۔ میں اس وقت خود کو انتہائی بے بس محسوس کر رہا تھا۔ حالات کا شکنجہ میرے گرد بہت تنگ ہو گیا تھا' کچھ مصلحتیں آڑے رہی تھیں ورنہ میں سوچ بچار کے بجائے عمل کر گزرنے کا عادی تھا۔

صرف ایک ہی طریقہ میری سمجھ میں آ رہا تھا' جس پر عمل کرنے سے کامیابی کی کچھ زیادہ ام[ید] نظر نہیں آ رہی تھی اور خطرہ بھی بہت زیادہ تھا مگر میں نے چانس لینے کا فیصلہ کر لیا تھا' کچھ نہ کچھ تو بہر حا[ل] کرنا ہی تھا۔

اشرف صاحب خاموشی سے چائے پی رہے تھے۔ میں نے ان کے چہرے پر نظر ڈالی تو محسوس ہوا کہ وہ اپنی سوچوں میں الجھے ہوئے تھے' چہرے پر گہری اداسی اور پیشانی پر تفکر کی لکیریں تھیں۔

''اشرف صاحب۔'' میں نے انہیں مخاطب کیا تو وہ میری جانب متوجہ ہو گئے۔ ''میں تحریکی' ایک ٹھکانہ جانتا ہوں جہاں مجھے رکھا گیا تھا' مجھے امید ہے کہ آپ کی بیٹی بھی وہیں پر ہو گی۔'' اپنی با[ت] شروع کرنے سے پہلے میں نے ان کی ڈھارس بندھانے اور مدد کرنے کا فیصلہ کیا۔ انہوں نے اداسی سے سر ہلایا۔ ''انسپکٹر فرمان اب تک تحریکی کے سارے ٹھکانوں پر چھاپے مار چکے ہیں۔''

''لیکن اس خفیہ جگہ تک ان کی رسائی نہیں ہو پائی ہو گی۔'' میں نے ان کی بات کاٹ کر کہا۔ ''ڈی ایچ اے سکیم نمبر ایک میں واقع تحریکی کی عالی شان کوٹھی میں ایک خفیہ تہ خانہ ہے' جس کے اندر داخل ہونے اور باہر نکلنے کے لئے کوئی خفیہ میکنزم ہو گا۔ میں اس میکنزم کے بارے میں کوئی اندازہ اس لئے نہیں لگا سکا کہ مجھے بے ہوشی کی حالت میں وہاں پہنچایا گیا تھا اور باہر نکلتے وقت میری آنکھوں پر پٹی تھی۔ آپ انسپکٹر صاحب کو خصوصی طور پر یہ بات بتائیں گے تو ان کی خصوصی ماہرین پر مشتمل ٹیم تہ خانے کا راستہ ڈھونڈ نکالے گی۔ مجھے یقین ہے کہ آپ کی بیٹی وہیں سے برآمد ہو گی۔''

''خدا کرے خدا آپ کی زبان مبارک کرے۔'' وہ جذبات کی شدت سے لرزتی ہوئی آواز میں بولے' ان کے چہرے پر امید کی چمک دکھائی دینے لگی۔

''لیکن یہ کام آپ میرے یہاں سے جانے کے بعد کریں گے۔'' میں نے کہا۔ ''میں بس کچھ ہی دیر میں یہاں سے روانہ ہو جاؤں گا۔ ذرا دیر اور مجھے برداشت کرنا ہو گا۔''

وہ کہنے لگے۔ ''کیسی باتیں کرتے ہیں سر؟ آپ کیلئے جان بھی حاضر ہے۔''

میں نے وال کلاک کی طرف دیکھا۔ سوا سات بج رہے تھے۔ ''آپ کو کچھ اندازہ ہے کہ انسپکٹر فرمان آج کل کس وقت تک گھر سے نکل جاتے ہیں؟'' میں نے اشرف صاحب سے پوچھا۔

وہ کہنے لگے۔ ''انسپکٹر صاحب کو تو آج کل گھر جانے کی فرصت ہی نہیں ہے۔ وہ چوبیس گھنٹے ڈیوٹی پر ہیں۔ دو تین روز کے بعد صرف ایک آدھ گھنٹے کیلئے گھر جاتے ہیں۔ پہلے آپ کی گمشدگی کا مسئلہ درپیش تھا' اس کے ساتھ ساتھ انہیں را کے ایجنٹوں سے بھی نمٹنا پڑا اور اب میری بیٹی کی بازیابی کی ذمہ داری بھی انہوں نے اپنے سر لی ہے۔''

را کے ایجنٹوں کے ذکر پر مجھے بیلا کا خیال آیا جو پاکستان آئی ہوئی تھی اور تابندہ نے انسپکٹر فرمان کے توسط سے بیلا اور اس کے ساتھیوں کو پکڑوانے کا باقاعدہ پروگرام بنایا تھا جس میں' میں نے بھی اس کا ساتھ دیا تھا۔ انسپکٹر فرمان بیلا اور اس کے ساتھیوں کی سرگرمیوں پر مسلسل نظر رکھے ہوئے تھے' وہ انہیں کسی اہم موقع پر ایک ساتھ پکڑنا چاہتا تھا۔ ابھی معاملہ یہیں تک پہنچا تھا کہ رضیہ نے تابندہ کے اور میرے نکاح کے فوراً بعد تحریکی کی مدد سے مجھے اپنے ساتھ چلنے پر مجبور کر دیا تھا۔

میں نے اشرف صاحب سے سوال کیا۔ کیا را کی ایجنٹ بیلا اور اس کے ساتھی گرفتار ہو گئے؟''

وہ کہنے لگے۔ ''مجھے زیادہ تفصیل تو نہیں معلوم لیکن اتنا ضرور معلوم ہے کہ وہ لڑکی بیلا اور سیٹھ رمضان کرنسی والا فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے تھے' البتہ ان کے کئی ساتھی بمعہ ثبوتوں کے گرفتار ہو گئے تھے۔ سیٹھ رمضان کے توسط سے بیلا ایک اہم اعلیٰ سرکاری افسر سے ہمارے ملک کے کچھ دفاعی راز معلوم کرنے میں کامیاب ہو گئی تھی لیکن خدا کا شکر ہے کہ انسپکٹر فرمان کی بروقت مداخلت سے وہ کوئی اہم دستاویز یا تحریری مواد ساتھ لے جانے میں کامیاب نہیں ہو سکی۔''

بیلا کے نکل جانے کی خبر سن کر مجھے بہت افسوس ہوا۔ ہر مرتبہ ملک کو کوئی بڑا نقصان پہنچانے کے بعد وہ بچ کر نکل جاتی تھی۔ کیونکہ یہا[ں] [اس] کی مدد کرنے والے سیٹھ رمضان کرنسی والا جیسے غدار اور بااثر لوگ جو موجود تھے۔

بہر حال اس وقت تو میں افسوس کرنے کے سوا کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ اس وقت میں خود اپنے لئے کچھ نہیں کر پا رہا تھا۔ میرا زیادہ دیر یہاں ٹھہرنا مناسب نہیں تھا' رضیہ' تحریکی کے پالتو غنڈوں کے ساتھ کسی بھی وقت یہاں پہنچ سکتی تھی۔

میں نے اشرف صاحب سے کہا۔ ''آپ کو میری ایک مدد اور کرنی ہو گی۔''

وہ بولے۔ ''حکم کریں۔''

میں نے کہا۔ ''آپ انسپکٹر فرمان کے گھر فون کر کے معلوم کریں کہ وہ گھر پر موجود ہیں یا نہیں؟ اگر وہ موجود ہوں تو آپ ان سے اپنے متعلق کوئی بات کر کے فون بند کر دیں اور اگر وہ موجود نہ ہوں تو آپ ریسیور مجھے دے دیجئے گا۔''

انہوں نے بلا تامل کوئی سوال کئے بغیر سائیڈ میں رکھے ہوئے فون پر نمبر ملایا۔ میں سانس روکے بیٹھا تھا اور مجھے اپنے دل کی دھڑکن صاف سنائی دے رہی تھی۔

انہوں نے انسپکٹر فرمان کے بارے میں پوچھنے کے بعد ریسیور میری طرف بڑھا دیا۔ میں نے ریسیور کان سے لگایا اور بات کی تو معلوم ہوا کہ دوسری طرف انسپکٹر فرمان کی بیگم تھیں۔

میں نے بمشکل تمام اپنے حواس یکجا کر کے کہا۔ ''تہمینہ بھابی میں نظیر محمد بات کر رہا ہوں۔ تابندہ کا شوہر۔''

دوسری طرف سے ان کی حیرت میں ڈوبی ہوئی آواز سنائی دی۔ ''آپ کہاں سے بات کر رہے ہیں نظیر بھائی؟''

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

میں نے جواب دیا۔ ''میں اشرف صاحب کے گھر سے بات کر رہا ہوں۔ آپ پلیز فوری طور پر مجھے تابندہ کا پتا یا فون نمبر بتا ئیں۔''

چند لمحوں کی خاموشی کے بعد انہوں نے کہا۔ ''آپ فرمان سے کونٹیکٹ کر لیں' وہی آپ کو گائیڈ کریں گے۔''

میں نے لجاجت سے کہا۔ ''بھابی اس وقت ایک ایک لمحہ قیمتی ہے۔ آپ اس کا فون نمبر ہی بتا دیجئے پلیز فرمان بھائی سے میرا رابطہ نہیں ہو پا رہا ہے اس وقت صرف آپ ہی میری مدد کر سکتی ہیں۔''

میرے انداز سے شاید وہ پسیج گئیں۔ چند لمحوں کے توقف کے بعد انہوں نے کہا۔ ''اچھا نمبر نوٹ کرو۔''

میں ٹیلی فون سیٹ کے قریب ایک پیڈ اور پین رکھا ہوا دیکھ چکا تھا۔ جلدی سے میں نے نمبر نوٹ کر لیا اور شکریہ ادا کر کے فون بند کر دیا۔ اس کے بعد فوراً ہی میں نے وہ نمبر ڈائل کیا۔ دوسری طرف گھنٹی بجنے کی آواز سنائی دے رہی تھی۔

بلاشبہ وہ تابندہ کی آواز تھی۔ اسی نے ریسیور اٹھا کر ہیلو کہا تھا۔

''ہیلو تابندہ۔'' میں نے جلدی سے کہا۔ ''یہ میں ہوں۔''

''کون.....؟ تاجی۔'' اس کی ہیجان زدہ سی آواز سنائی دی۔ ''تم کہاں ہو؟ کیسے ہو؟''

میں نے کہا۔ ''میں بالکل خیریت سے ہوں۔ دیکھو اس وقت زیادہ لمبی بات نہیں ہو سکتی۔ کیا تم اس وقت کسی کو بتائے بغیر فوری طور پر وہاں سے نکل سکتی ہو؟ یا انسپکٹر فرمان سے اجازت لینا ضروری ہے؟''

وہ کہنے لگی۔ ''نہیں فرمان کو کچھ بتانے کا خطرہ مول نہیں لیا جا سکتا۔ وہ تمہاری طرف سے مشکوک ہو چکا ہے۔ میں کوئی بہانہ بنا کر نکلتی ہوں' لیکن آنا کہاں ہے؟''

میں نے کہا۔ ''میں جلد سے جلد ڈیوٹی فری شاپ کے سامنے پہنچ کر تمہارا انتظار کرتا ہوں۔ اگر تم پہلے پہنچ جاؤ تو تم وہاں میرا انتظار کرنا۔ میرا خیال ہے کہ ہم فوری طور پر یہ شہر چھوڑ دیں۔ اس کے بعد آگے سوچیں گے۔''

تابندہ سے بات ختم کرنے کے بعد میں فوراً اٹھ کھڑا ہوا۔ اشرف صاحب کو خدا حافظ کہہ کر جلدی سے باہر نکلا۔ کچھ ہی دور جانے پر مجھے ٹیکسی مل گئی۔ راستے بھر میں تابندہ کے بخیر و عافیت وہاں سے نکلنے کی دعا کرتا رہا۔ میرا ارادہ تھا کہ ہم سیدھے ایئرپورٹ جا کر لاہور کے علاوہ کسی بھی دوسرے شہر جانے والی فلائٹ پکڑ لیں گے۔ وہاں پہنچ کے تابندہ اپنے اثر و رسوخ اور پیسے کی بدولت ملک سے باہر جانے کا انتظام کر لے گی اور ہم کسی دوسرے ملک نکل جائیں گے۔ مجھ سے شادی کا فیصلہ کرنے کے بعد تابندہ خود بھی ایسا ارادہ ظاہر کر چکی تھی۔

مقررہ جگہ پہنچنے کے بعد میں نے ٹیکسی رکوالی اور ٹیکسی کے اندر ہی بیٹھا رہا۔ تابندہ ابھی نہیں پہنچی تھی۔ چند منٹ کے انتظار کے بعد تابندہ ایک ٹیکسی سے اتری۔ اس نے مجھے دیکھ لیا تھا۔ کرایہ ادا کر کے وہ سیدھی میری ٹیکسی کی طرف آئی۔ میں بے حس و حرکت بیٹھا اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ کافی کمزور لگ رہی تھی اور چہرے سے سرخی کے بجائے زردی جھلک رہی تھی۔ وہ دروازہ کھول کر میرے برابر بیٹھ گئی۔

دفعتاً نہ جانے کس طرف سے ایک وین نمودار ہوئی اور ہماری ٹیکسی کے آگے ترچھی کھڑی ہو گئی۔ وین کا دروازہ کھلا اور دو آدمی ریوالور ہاتھ میں لئے باہر نکلے۔ اس سے پہلے کہ میں کچھ سمجھ پاتا انہوں نے ٹیکسی کا دروازہ کھول کر مجھے اور تابندہ کو باہر گھسیٹ لیا اور کھینچ کر وین کی طرف لے گئے۔ اندر رضیہ ایک سیٹ پر بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کے ہونٹوں پر ایک زہریلی سی مسکراہٹ تھی۔ یکا یک میرا دماغ گھوم سا گیا۔

''تم یہ سمجھ رہے تھے کہ تم مجھے جھانسہ دے کر بڑی آسانی سے فرار ہو جاؤ گے؟ تم بہت بھولے ہو ناجی! تم نے ابھی تک مجھے سمجھا نہیں۔ بہرحال کوئی بات نہیں۔ اب میں تمہیں بہت اچھی طرح سے سمجھا دوں گی کہ میں کیا ہوں۔ اب تم اچھے بچوں کی طرح اپنی اس لاڈلی کو لے کر اندر آ جاؤ اور ہاں اس مرتبہ اگر کسی قسم کی چالاکی کا مظاہرہ کرنے کی کوشش کی تو اپنی اس لاڈلی بیوی کے ساتھ بلا تاخیر عالم آخرت کو روانہ کر دیئے جاؤ گے۔ یہ جو تمہارے پیچھے دو آدمی کھڑے ہیں انہیں تم سے کوئی ہمدردی نہیں ہے۔'' وہ بڑے زہریلے انداز میں بول رہی تھی۔ اتنی سفاکی میں نے اس سے قبل رضیہ کے لہجے میں کبھی محسوس نہیں کی تھی۔ وہ ایک بدلی ہوئی عورت لگ رہی تھی۔ ایک ایسی زہریلی ناگن جو اپنے شکار کو ڈس لینے کے لیے ہر لمحہ تیار پھن پھیلائے موقع کی تاک میں ہو۔

مجھے اپنی ریڑھ کی ہڈی میں ٹھنڈک سرایت کرتی ہوئی محسوس ہوئی۔ تابندہ میرے ساتھ تھی اور دو سفاک قاتل ہماری پشت پر ہاتھوں میں ریوالور لیے ہر لحظہ ہمیں موت کے گھاٹ اتار دینے کے لیے تیار کھڑے تھے۔ ایسے موقع پر ذرا سی غفلت بھی ہماری زندگیوں کا خاتمہ کر دینے کیلئے کافی ہوتی۔ مجھے اپنی زندگی کی کوئی ایسی پروا بھی نہیں تھی۔ میری تو ساری زندگی موت کے ساتھ آنکھ مچولی کھیلتے گزری تھی۔ میرے جیسے لوگ تو ہر وقت موت کو گلے لگانے کے لیے تیار رہتے ہیں لیکن تابندہ ایک ایسی ہستی تھی جس نے میرے سامنے زندگی کا ایک نیا رخ پیش کیا تھا جس نے میرے دل میں دوسروں کے لیے زندہ رہنے کی ایک نئی امنگ کو جنم دیا تھا۔ اس نے میری خاطر ہر قسم کے تمام خطرات کو قبول کیا تھا۔ اس نے میرے ساتھ شادی کی تھی اور اپنی چاہتوں اور امنگوں بھری پہلی رات ہی میں مجھ سے جدا کر دی گئی تھی۔ اگر میری کسی غلطی کی وجہ سے اسے کسی قسم کا کوئی نقصان پہنچتا تو میرے لیے یہ بڑے ننگ کی بات ہوتی۔

ایک لمحے میں، میں نے یہ سوچا اور یک لخت شدید قسم کے تاسف نے میرے حواس پر برف جما دی۔ مجھے بڑی شدت سے یہ احساس ہوا تھا کہ میں نے تابندہ کو یہاں بلا کر بہت بڑی غلطی کی ہے۔ میں نے اسے حفاظت کے قلعے سے موت کے میدان میں گھسیٹ لیا تھا۔ اس غلطی کا ازالہ ناممکن تھا۔ بہرحال میں نے فوری طور پر یہی فیصلہ کیا کہ اب مجھے فی الحال تحمل سے کام لینا چاہئے۔ کچھ وقت درکار تھا۔ مجھے کچھ دیر کے لیے سنبھل کر حالات کا جائزہ لینا تھا۔ موت کے اس بھیانک جال سے اپنی محسنہ بیوی کو نکالنے کے لیے مجھے کسی مہربان لمحے کا انتظار کرنا تھا۔

تابندہ میرے ساتھ کھڑی تھی۔ میں نے اس کا ہاتھ تھام لیا، اس کا بدن کپکپا رہا تھا۔ میں نے آہستگی سے اس کا ہاتھ دبایا۔ میں اس کو حوصلہ دینا چاہتا تھا۔ میں اسے یہ کہنا چاہتا تھا کہ وہ بالکل بھی نہ گھبرائے، میں اس کے ساتھ ہوں میں اس کی حفاظت کروں گا، اسے کوئی تکلیف پہنچنے نہیں دوں گا۔ لیکن

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

میں نے زبان سے کچھ نہیں کہا، میرے ہاتھ کے لمس نے میرا پیغام اس تک پہنچا دیا تھا۔ میں اس کے بدن کی کپکپی دور ہوتی محسوس کر رہا تھا۔

میں وین میں داخل ہو گیا اور میں نے تابندہ کو بھی سہارا دے کر وین میں داخل کرا دیا۔ وین میں دو نشستیں آمنے سامنے وین کے دونوں پہلوؤں میں موجود تھیں۔ ایک نشست پر رضیہ ایک کونے میں تنی بیٹھی تھی۔ اس کے سامنے والی نشست پر ہم دونوں بیٹھ گئے تو وہ دونوں آدمی بھی اندر آ کر رضیہ کے ساتھ سامنے والی نشست پر براجمان ہو گئے۔ وہ دونوں کرخت چہروں والے سنجیدہ قسم کے آدمی دکھائی دیتے تھے۔ میں نے پہلے انہیں کبھی نہیں دیکھا تھا۔ یہ ان کی میرے سامنے پہلی رونمائی تھی۔

وین حرکت میں آ چکی تھی اور اب تیزی سے بھاگ رہی تھی۔ وین کے شیشوں پر نیلے رنگ کے پردے پڑے ہوئے تھے۔ کچھ دیر ساکت بیٹھے رہنے کے بعد میں نے تجسس کے ہاتھوں مجبور ہو کر تھوڑا سا کسمسا کر اپنا رخ ونڈ سکرین کی طرف پھیرا تا کہ معلوم کر سکوں کہ ہم کس طرف جا رہے ہیں۔ جیسے ہی میں نے رخ پھیرا ویسے ہی سامنے بیٹھے ہوئے ایک آدمی نے پھنکارتی ہوئی سنسناتی ہوئی آواز میں کہا۔

''بلا حس و حرکت بیٹھے رہو۔ ادھر ادھر دیکھنے کی کوشش مت کرو، ورنہ تمہیں ہمیشہ کے لیے ساکت ہونا پڑے گا۔'' اس کی آواز میں سچائی کی بو تھی۔ مجھے ساکت ہو جانا پڑا۔ وہ کچھ بھی کر سکتے تھے۔ وہ ہمیں گولیاں مار کر کہیں پھینک کر بھی جا سکتے تھے۔ مجھے ابھی کچھ مہلت درکار تھی۔ کسی مہربان لمحے کا انتظار تھا۔ میں نے اس کی ہدایت پر کان دھرے اور بلا حس و حرکت بیٹھا رہا۔ ان دونوں کی صورتوں سے کمینگی کا اظہار نمایاں تھا۔ مجھے اپنی نہیں تابندہ کی زندگی درکار تھی۔ میں انہیں کسی کمینی حرکت کا موقع نہیں دینا چاہتا تھا۔

میں نے ایک گہرا سانس لیا اور خاموشی سے نظریں جھکا کر نیچے تکنے لگا۔ میں سوچ رہا تھا وہ مہربان لمحہ کب آئے گا۔ مجھے کیا کرنا چاہئے۔ میں ان پر کیسے قابو پا سکتا ہوں۔ میں تابندہ کو ان کے چنگل سے نکال کر کیسے بھاگ سکتا ہوں۔ میں اکیلا ہوتا تو بے دریغ ان کے ساتھ بھڑ جاتا۔ پھر دیکھتے کیا ہوتا۔ آر یا پار۔ کچھ تو ہونا ہی تھا۔ مجھے اپنی پروا ہی کب تھی، لیکن تابندہ.......... میرے ہاتھوں میں ہتھکڑی پڑی تھی۔ وہ میری محسنہ تھی۔ میری بیوی تھی۔ وہ ایک ناتواں عورت تھی۔ موت اور زندگی کے کھیل اس نے کب کھیلے تھے۔ وہ تو ایک امن پسند شریف شہری تھی۔ اسے مار دھاڑ اور دھینگا مشتی سے کب سروکار رہا تھا۔ میں نے اسے اس آگ میں گھسیٹا تھا۔ اب یہ میرا ہی فرض تھا کہ میں اسے اس میدان کارزار سے صاف نکال کر لے جاتا۔ مگر کیسے......

میں اسی ادھیڑ بن میں رہا۔ تابندہ میرے ساتھ چپکی بیٹھی رہی۔ نہ جانے کتنا وقت گزر گیا۔ گاڑی کے انجن کی گونج ایک تسلسل کے ساتھ کانوں میں سمائی رہی۔ گاڑی کتنے موڑ مڑی اور کس کس جانب کو اس نے رخ کیا کچھ اندازہ نہیں رہا۔

پھر جب گاڑی ایک ہلکے سے جھٹکے کے ساتھ رکی اور انجن بھی خاموش ہو گیا تو میں نے جانا کہ میں اپنے محبس تک پہنچ چکا ہوں کتنی بار محبوس ہو چکا تھا، مجھے کچھ یاد نہیں رہا تھا۔ یہ آنکھ مچولی تو زندگی بھر کی تھی، لیکن اس بار کچھ اور ہی رنگ تھا۔ اس مرتبہ میرے ساتھ تابندہ تھی۔ مجھے اس خارزار سے نکال کر زندگی کے باغ و بہار کی طرف لے جانے کا خواب دیکھنے والی تابندہ اب میرے ساتھ اس قفس تک آن پہنچی

تھی۔

وہ دونوں ریوالور بردار آدمی پہلے نیچے اترے تھے۔ پھر رضیہ نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مجھے نیچے اترنے کے لیے کہا تھا۔ میں وین سے باہر آ گیا اور تابندہ کو بھی سہارا دے کر نیچے اتار لیا۔ آخر میں رضیہ باہر آئی تھی۔ اس کے چہرے سے خشم کا اظہار نمایاں تھا۔ وہ جیسے ایک بدلی ہوئی عورت تھی۔ جیسے وہ مجھے نہیں پہچانتی تھی۔ نیچے آتے ہی اس نے مجھے حکم دیا کہ میں تابندہ سے پانچ قدم ہٹ کر ایک طرف کھڑا ہو جاؤں۔ دونوں آدمی ریوالور ہم دونوں پر تانے کھڑے تھے اور یوں محسوس ہوتا تھا کہ ابھی فائر کر دیں گے۔ میں نے بلا چون و چرا رضیہ کی ہدایت پر عمل کیا اور تابندہ سے پانچ قدم ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔ تب رضیہ نے ان دو میں سے ایک کو اشارہ کیا اور ساتھ مجھ سے مخاطب ہو کر بولی۔ ''تلاشی کے دوران اگر تم نے کوئی نازیبا حرکت کی تو میں سب سے پہلے تابندہ کو شوٹ کر دوں گی۔'' یہ کہتے ہوئے اس نے اپنے بیگ میں سے پستول نکال لیا تھا۔ اس کے پستول کا رخ تابندہ کی طرف تھا۔ جس شخص کو اس نے میری تلاشی لینے پر مامور کیا تھا وہ محتاط انداز میں میری طرف بڑھا اور میرے عقب میں آ کر اس نے بڑے ماہرانہ انداز میں میرے سارے لباس کو ٹٹول کر میری تلاشی لے ڈالی۔ میرے پاس سے اسے کوئی ہتھیار تو نہیں ملا البتہ رضیہ کی الماری سے نکالی ہوئی ہزار ہزار کے نوٹوں کی وہ گڈی اسے میری جیب سے مل گئی جسے اس نے اپنے قبضہ میں لے لیا۔ پھر وہ محتاط انداز میں چلتا ہوا واپس اپنی جگہ پہنچ گیا۔ اپنے ساتھی کے پاس پہنچ کر اس نے نوٹوں کی گڈی رضیہ کے حوالہ کر دی جسے اس نے اپنے بیگ میں رکھ لیا اور پھر وہ تابندہ کی تلاشی لینے میں مصروف ہو گئی۔ اس دوران دونوں ریوالور بردار آدمی مجھے اپنے نشانے پر لیے رہے۔

تابندہ کے پاس سے بھی انہیں کوئی اسلحہ نہیں مل سکا تھا۔ ظاہر ہے تابندہ اپنے لباس میں اسلحہ چھپا کر نہیں لائی تھی۔ وہ تو میرے پاس آئی تھی اور میں نے اسے بڑی عجلت میں طلب کیا تھا۔ اسے کوئی ہتھیار لینے کا خیال بھی نہیں آیا ہوگا۔ اور میں تو پہلے ہی رضیہ کے قید خانے سے فرار ہو کر آیا تھا اور مجھے یہ گمان بھی نہیں تھا کہ وہ اتنی جلدی میرا تعاقب کرتی ہوئی مجھ تک پہنچ جائے گی۔

بہر حال، وہ پہنچ گئی تھی اور اب ہم دونوں غیر مسلح حالت میں، بے بسی کے ساتھ تن بہ تقدیر اسی عمارت کی پارکنگ لاٹ میں کھڑے تھے جو نہ جانے ہمارا محبس بننے والی تھی یا مقتل..... اور ہمارے دشمن اسلحہ سے لیس ہمارے سروں پر مسلط ہمیں اپنے نرغہ میں لیے کھڑے تھے۔

پھر سب سے پہلے رضیہ نے اپنی جگہ سے حرکت کی تھی۔ اس نے اپنا رخ عمارت کی طرف کیا اور قدم اٹھا دیئے۔ وہ آگے آگے چلی تو دونوں مسلح آدمیوں کے اشارے پر ہم دونوں نے بھی اس کے پیچھے قدم بڑھا دیئے۔ ہم ایک وسیع پورچ سے درمیانے درجے کی ایک عمارت کی طرف بڑھ رہے تھے۔ رضیہ نے پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا۔ بنگلے کے برآمدے سے گزر کر صدر دروازے سے ہم عمارت میں داخل ہو گئے تھے۔ سامنے ایک طویل سنسان راہ داری تھی۔ راہ داری کے دونوں اطراف میں آمنے سامنے تھوڑے تھوڑے فاصلے پر دروازے تھے جو سارے ہی بند تھے۔ آخری دروازے کے سامنے پہنچ کر رضیہ رکی تو ہمارے تعاقب میں آنے والے آدمیوں میں سے ایک نے سرد آواز میں کہا۔

''رکو۔'' ہم بھی رک گئے۔ رضیہ کے اور ہمارے درمیان چار پانچ قدم کا فاصلہ تھا۔ اور وہ دونوں

www.pdfbooksfree.pk

اسلحہ بردار ہم سے چار پانچ قدم پیچھے تھے۔

رضیہ نے ایک چابی لگا کر دروازے کا تالا کھولا اور کمرے میں داخل ہوگئی۔ ہمارے نگرانوں میں سے ایک نے ہمیں بھی آگے بڑھنے کا اشارہ کیا تو ہم دونوں بھی اس کمرے میں داخل ہو گئے۔ سامنے رضیہ کمرے کی دیوار سے لگی کھڑی تھی اور اس نے پستول تان رکھا تھا۔ یہ پستول میں نے راستے میں اس کے پاس نہیں دیکھا تھا۔ کمرے میں داخل ہونے کے بعد اسے ضرور مجھ سے خطرہ محسوس ہوا ہوگا کہ میں کوئی شرارت کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کروں گا۔

پہلے میں نے بھی یہ سوچا تھا کہ کمرے میں داخل ہوتے ہی رضیہ کر پکڑ کر ڈھال بنا لوں گا، لیکن پھر تابندہ کا خیال آیا تو میں نے سوچا کہ وہ شاید اس صورت حال کے لیے فوری طور پر تیار نہ ہو سکے گی اور بوکھلاہٹ میں شاید کوئی اوچھی حرکت ان دونوں شکاریوں سے کہیں سرزد نہ ہو جائے۔ اس لیے میں نے اپنے اس خیال سے دست برداری اختیار کر لی تھی، لیکن رضیہ نے مجھے کسی بھی قسم کا کوئی موقع فراہم نہ کرنے کی ٹھان رکھی تھی۔ اسے اپنی جانب پستول تانے دیکھ کر میرے ہونٹوں پر بے اختیار ایک خفیف سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

مجھے مسکراتا دیکھ کر وہ بھی زہرخند سے مسکرائی۔ اس کی مسکراہٹ میں میرے لیے ایک توہین آمیز تاثر تھا۔ میں نظرانداز کر گیا اور اس کی طرف ٹکٹکی باندھے دیکھتا رہا۔ پھر وہ پیچھے مڑ کر مخالف سمت میں کھلنے والے ایک اور دروازے سے گزر کر کمرے سے باہر نکل گئی۔ ہم بھی اس کے پیچھے تھے۔ اب وہ ایک اور راہ داری سے گزر رہی تھی جو پہلی راہ داری سے کم طویل تھی۔ اس راہ داری کے آخر میں زینے تھے جو نیچے اترتے تھے۔ میں سمجھ گیا کہ ہمیں کسی تہہ خانے میں لے جایا جا رہا ہے۔

میں نے زینوں پر بھی خود کو قابو میں رکھا۔ دس بارہ سیڑھیاں نیچے اتر کر رضیہ ایک جانب گھوم گئی۔ وہ دونوں شیطان چند زینے پیچھے ہمارے سروں پر سوار تھے۔ مجھے کوئی موقع نہیں ملا۔ اب ہم ایک مرتبہ پھر ایک راہ داری میں تھے جس کے دونوں اطراف میں بھی یقیناً کمرے بنے ہوئے تھے جن کے دروازے اس راہ داری میں کھلتے تھے۔ کوئی دروازہ ہمیں کھلا ہوا نہیں ملا۔ چار پانچ دروازوں کے سامنے سے گزرنے کے بعد رضیہ ایک دروازے کے سامنے رک گئی تو ہمیں بھی ٹھہرنے کا حکم ملا۔ ہم رک گئے۔ رضیہ نے دروازے کے ساتھ لگے ہوئے ایک بورڈ پر موجود چند بٹنوں کو ایک خاص ترتیب کے ساتھ دبایا تو وہ دروازہ کھلتا چلا گیا۔ میں سمجھ گیا کہ یہ دروازہ کسی خاص میکنزم کے ساتھ منسلک تھا۔ جسے کھولنے کے لیے اس پر لگے ہوئے بورڈ پر موجود بٹنوں کو کسی خاص ترتیب کے ساتھ دبانا پڑتا تھا۔ میں نے دیکھا دوسرے دروازوں پر بھی اسی قسم کے بورڈ لگے ہوئے تھے۔ یہ عمارت خاص تھی۔ اس بات کا اندازہ مجھے ہو چلا تھا۔ گیٹ پر موجود ایک سیاہ رنگت اور گٹھے ہوئے جسم والے ادھیڑ عمر چوکیدار کے علاوہ مجھے عمارت میں اور کوئی آدمی نظر نہیں آیا تھا۔ ممکن ہے باقی لوگ کمروں کے اندر ہوں۔

دروازہ کھلا تو رضیہ نے میری طرف دیکھ کر کہا۔

"تم اندر جاؤ!" وہ دروازے سے تین چار قدم پیچھے ہٹ کر کھڑی ہو گئی تھی اور اس کے ہاتھ میں دبے ہوئے پستول کا رخ میری جانب تھا۔ خاصی مستعد دکھائی دے رہی تھی۔

aazzamm@yahoo.com

میں نے قدم اٹھایا تو میرے ساتھ تابندہ بھی آگے بڑھی تھی۔ تب وہ ناگن رضیہ وہ بدلی ہوئی عورت بآواز بلند غرائی۔

"یہ تمہارے ساتھ نہیں جائے گی تم اکیلے اندر جاؤ گے۔ تابندہ بیگم! اور آگے قدم بڑھایا تو تمہارے محبوب کی کھوپڑی ابھی تمہاری نظروں کے سامنے اڑ جائے گی۔" اس کی آواز میں بلا کی سفاکی تھی۔

تابندہ یک دم رک گئی۔ میں بھی ٹھٹک گیا۔ ایک لمحے کے لیے رکا تھا کہ رضیہ کی کرخت آواز دوبارہ میری سماعت سے ٹکرائی۔

"چپ چاپ اندر چلے جاؤ کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔"

"تابندہ کو میرے ساتھ رہنے دو۔ اس میں تمہارا کوئی نقصان نہیں ہوگا۔" میں نے ملتجیانہ لہجہ اختیار کیا تھا۔ یہ میرے لیے بہت ہی مخدوش صورتحال تھی۔ وہ لوگ نہ جانے میری غیر موجودگی میں تابندہ کے ساتھ کیا سلوک کریں گے۔ اس خیال نے میرے اندر ایک عجیب کرب کو جنم دیا تھا۔

"اس میں ہمارا کوئی فائدہ بھی نہیں ہوگا۔" اس نے ترکی بہ ترکی جواب دیا تھا۔ اس کے لہجے میں جھنجلا دینے والا طنز تھا۔ میں خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔

اور اب اگر تمہیں تابندہ کی زندگی عزیز ہے تو "جلدی سے کمرے میں چلے جاؤ اور اپنی چونچ کو بند ہی رکھو۔" اس کمینی کا لہجہ بہت ہی سنگین تھا۔ وہ جیسے پتھر کی ایک بولتی مورتی تھی۔ جذبات و احساسات سے عاری۔

میں نے ایک حسرت کی نظر تابندہ پر ڈالی۔ مجھے اس کے جسم میں کپکپی محسوس ہوئی۔ پھر میں نے رخ دروازے کی طرف کرتے ہوئے تابندہ سے کہا۔

"تم گھبرانا نہیں تابندہ! خود کو مضبوط رکھو۔ ہم جلد ہی ملیں گے۔" میں نے دل میں انشاء اللہ کہا تھا۔ مجھے بلند آواز سے انشاء اللہ کہتے ہوئے شرم آئی تھی۔ میری زندگی ایسی ہی گزری تھی، جرائم کی دنیا میں آوارہ و سرگرداں، اپنے خالق سے روٹھا ہوا، اپنے مالک کو بھلائے یہاں سے وہاں بھاگتا رہا تھا۔ میں بھولا رہا تھا کہ وہ رسی دراز کرتا ہے، اپنے باغیوں کی اور پھر یک دم کھینچ لیتا ہے۔ پھر مہلت بھی نہیں ملتی۔

بے بسی میں خدا یاد آتا ہے، کسی نے سچ کہا ہے میں بے بس ہوا تو اپنے مالک کی یاد آئی۔ اس عظیم آقا کی یاد آئی تو ندامت نے مجھے گھیر لیا۔ اس کا نام زبان پر لاتے ہوئے شرم آ گئی اور میں دل ہی دل میں اسے یاد کرنے لگا۔

دروازہ میری پشت پر بند ہو چکا تھا۔ میں اکیلا اس کمرے میں کھڑا تھا۔ وہ درمیانے سائز کا ایک کھلا کمرہ تھا اور شاید اس لیے بھی کھلا محسوس ہوتا تھا کہ اس میں ایک قالین اور ایک تکیہ کے علاوہ اور کوئی چیز موجود نہیں تھی۔ ویسے کمرہ صاف ستھرا تھا۔ دیوار پر ایک ٹیوب بلندی پر لگی جل رہی تھی۔ کمرہ روشن تھا۔ سامنے والی دیوار میں ایک دروازہ نظر آیا تو میں اسی کی طرف بڑھا۔ دھکا دیا تو دروازہ کھل گیا۔ وہ ایک چھوٹا سا باتھ تھا۔ غسل خانے میں ایک لوٹے کے علاوہ کچھ بھی نہیں تھا۔

میں نے ایک مرتبہ پھر کمرے کا جائزہ لیا۔ کمرہ سامان سے بالکل خالی تھا۔ فرش پر ایک اوسط درجے کا قالین بچھا ہوا تھا اور ایک طرف دیوار کے ساتھ تکیہ پڑا تھا۔ ان دو چیزوں کے علاوہ کمرے میں

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

کوئی سامان نہیں تھا۔ دیواریں سپاٹ تھیں میں نے ایک دیوار کو بجا کر دیکھا وہ خاصی مضبوط تھی۔ میں تکیے کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گیا اور موجودہ صورتحال پر غور کرنے لگا۔

مجھے زیادہ فکر تابندہ کی تھی۔ وہ لوگ اسے کہاں لے گئے ہوں گے؟ وہ ضرور اسی عمارت کے کسی کمرے میں قید ہو گی۔ شاید ساتھ والے کمرے میں وہ اسے پریشان نہ کریں اسے تکلیف نہ پہنچائیں۔ اس پر تشدد نہ کریں، وہ کیا کر سکتے تھے۔ میں سوچنے لگا۔

یہ کیسے ہو گیا تھا سب کچھ۔ وہ رضیہ عین موقع پر ڈیوٹی فری شاپ کے سامنے کیسے پہنچ گئی تھی۔ اسے کیسے پتہ چلا کہ میں تابندہ کو لینے وہاں پہنچنے والا ہوں؟ وہ یقیناً میرے تعاقب میں رہی ہو گی۔ میں اسے سوتا چھوڑ کر اس کے فلیٹ سے نکلا تھا۔ وہ اس وقت گہری نیند میں تھی، لیکن...... کیا ضروری ہے کہ وہ نیند ہی میں رہی ہو۔ ممکن ہے وہ نیند کا ڈرامہ کر رہی ہو۔ ممکن ہے وہ جاگ رہی ہو اور سونے کی اداکاری کر رہی ہو اور میرے فلیٹ سے نکل جانے کے بعد اپنے ساتھیوں کو لے کر میرے پیچھے چڑھ دوڑی ہو۔ یا ممکن ہے کہ اس کے فلیٹ کی نگرانی اس کے کارندے کر رہے ہوں اور انہوں نے چھپ کر مجھے فلیٹ سے نکلتے دیکھ لیا ہو اور اسے جا کر جگا دیا ہو اور پھر وہ میرے تعاقب میں پہلے اشرف صاحب کے گھر تک اور پھر ڈیوٹی فری شاپ تک آ پہنچے تھے۔

بہر حال یہ جیسے بھی ہوا تھا رضیہ کی مکاری اس کے پیچھے کارفرما تھی۔ وہ ایک ایسی مکارہ تھی کہ جس کے مکر کو شیطان بھی نہیں پا سکتا تھا۔ اس نے اوائل عمری سے مجھے تباہی کے راستے پر ڈالا تھا اور تا حال میں اس کے مکر و فریب کے بنے ہوئے جال سے چھٹکارا نہیں پا سکا تھا۔

میں نہ جانے کیا کیا سوچتا رہا۔ اپنی زندگی کے واقعات کو الٹتا پلٹتا رہا۔ اپنی ہنگامہ خیز زندگی کی سرگزشت کو اپنے ذہن میں دہراتا رہا۔ اندیشوں اور وسوسوں کی اندھی وادیوں میں بھٹکتا رہا۔ ندامت و پشیمانی کے سمندر میں ڈبکیاں کھاتا رہا۔

مجھے وہاں بیٹھے بیٹھے نہ جانے کتنا وقت گزر گیا تھا۔ مجھے اس کا کچھ اندازہ نہیں رہا۔ میں اس وقت چونک کر اپنی محویت سے نکلا جب میں نے دروازے پر کچھ آہٹ محسوس کی۔ پھر دروازہ کھل گیا۔ دروازے کے باہر سامنے مجھے پہلے رضیہ نظر آئی وہ اس طرح پستول تانے کھڑی تھی جیسے میں نے اس کمرے میں آنے سے قبل اسے دیکھا تھا۔

پھر مجھے تابندہ بھی نظر آ گئی وہ کمرے میں داخل ہو رہی تھی۔ اس کا چہرہ ستا ہوا تھا اور وہ جیسے بہت ہی گہری سوچ میں پڑی محسوس ہوتی تھی۔ پریشانی اور تفکر اس کے چہرے اور آنکھوں سے مترشح تھا۔ وہ اندر داخل ہوئی تو میں بھی اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

پھر رضیہ اپنی سنسناتی آواز میں گویا ہوئی تھی۔

”تابندہ بیگم! تمہارے پاس بہت تھوڑا وقت ہے۔ اگر تم نے اسے کھو دیا تو پھر سب کچھ کھو دو گی۔ میں ٹھیک دو گھنٹے کے بعد تمہیں لینے آ جاؤں گی۔“ اس کے ساتھ ہی اس نے اپنا ہاتھ اٹھا کر دروازے پر لگے بورڈ پر کسی بٹن کو دبایا تھا اور دروازہ کھٹ سے بند ہو گیا۔

دروازہ بند ہوتے ہی تابندہ مجھ سے چمٹ گئی تھی۔ وہ میرے گلے لگ کر رو رہی تھی۔ اس کی

سسکیاں کمرے میں گونج رہی تھیں۔ وہ بہت گھبرائی ہوئی تھی۔ میں نے اسے رونے دیا۔ جب کچھ دیر میں اس کا رونا کم ہوا تو میں نے اسے دلاسا دیا اور اسے ہمت دلانے کی کوشش کرنے لگا۔ میں نے اسے قالین پر تکیے کے ساتھ ٹیک لگا کر بٹھایا اور خود بھی اس کے ساتھ بیٹھ گیا اور اسے تسلی دینے لگا۔ جب کچھ دیر کے بعد اس کے آنسو تھمے تو میں نے اس سے ڈرتے ڈرتے پوچھا کہ ان لوگوں نے اسے کوئی نقصان تو نہیں پہنچایا تو اس نے مجھے بتایا۔

”نہیں انہوں نے مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچایا، لیکن ان کے ارادے نیک نہیں ہیں۔ وہ...... وہ یقیناً ہمیں زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ مجھے تو وہ یہیں ختم کر دیں گے۔ اسی عمارت میں اور تمہیں شاید ہندوستان لے جا کر ختم کریں۔ اتنا کہہ کر وہ پھر رونے لگی۔ میں نے اس کے آنسو پونچھے اور اسے ہمت سے کام لینے کی درخواست کرتے ہوئے کہا

”تابندہ! میری جان! اگر تم اسی طرح ہمت ہارتی رہو گی تو ہم کچھ بھی نہیں کر سکیں گے۔ تم اتنا کیوں ڈرتی ہو موت سے، موت تو ایک دن آنی ہی ہے۔ کیا تم موت کے خوف سے ہی مر جاؤ گی۔“

”نہیں میں اپنی موت سے نہیں ڈرتی...... لیکن میں تمہیں نہیں کھونا چاہتی۔ تاجی! میں نے تمہیں چاہا ہے...... میں تمہیں کھونا نہیں چاہتی۔“

”ہمیں کچھ نہیں ہو گا۔ تم اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھو۔ وہ ضرور ہماری مدد کرے گا۔“ اللہ کے نام پر اس نے عجیب محویت کے ساتھ میری طرف دیکھا۔ پھر اس کے چہرے پر سکون پھیلتا چلا گیا۔

”ہاں! تم ٹھیک کہتے ہو۔ ہمیں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا چاہیے۔ وہ ذات اقدس مظلوموں کی فریاد رس ہے۔ وہ کافروں کے مقابلے میں ضرور ہماری مدد کرے گا۔“ اس کے چہرے پر ایک عزم تھا اور ایک تقدس تھا۔ میں نے اس کی بات سنی تو میں چونک گیا۔

”تم کن کافروں کی بات کر رہی ہو؟ رضیہ تو مسلمان ہے اور تحریکی بھی......“

”نہیں نہیں...... تحریکی مسلمان نہیں ہے۔ وہ...... وہ ہندو ہے اور رضیہ ان ہندوؤں کے ساتھ ملی ہوئی ہے۔ وہ ان کی آلہ کار ہے۔“ اس نے دھیمی لیکن پرجوش آواز میں کہا۔

اس کی یہ بات سن کر مجھے حیرت کا ایک جھٹکا لگا۔ میں نے جلدی سے کہا۔

”تابندہ مجھے بتاؤ تم کیا کچھ دیکھ کر آئی ہو۔ تمہیں کیسے پتہ چلا کہ تحریکی ہندو ہے۔ مجھے ساری بات بتاؤ۔“

”میں یہی سب کچھ بتانے کے لیے تمہارے پاس آئی ہوں۔ وقت بہت کم ہے۔ میں تمہیں مختصراً بتاؤں گی۔ جب انہوں نے تمہیں اس کمرے میں بند کر دیا تھا تو وہ مجھے لے کر مختلف کمروں سے ہوتے ہوئے ایک وسیع ہال نما کمرے میں پہنچے تھے۔ وہ کمرہ ڈرائنگ روم کی طرز پر سجا ہوا تھا۔ سامنے والی دیوار پر ایک قد آدم تصویر گاندھی کی لگی ہوئی تھی۔ سب سے پہلے میری نظر اسی تصویر پر پڑی تھی۔ کمرے کے وسط میں صوفوں پر دو آدمی اور ایک عورت بیٹھے تھے۔ تین آدمی ان کے پیچھے رائفلیں سنبھالے کھڑے تھے۔ صوفوں پر بیٹھے ہوئے دونوں آدمیوں میں سے ایک کو تو میں دیکھتے ہی پہچان گئی تھی...... جانتے ہو وہ کون تھا۔ وہ سیٹھ رمضان کرنسی والا تھا۔ دوسرا آدمی تحریکی تھا۔ وہ ہندوؤں کے روایتی لباس میں تھا اور ان دونوں

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

کے بیچ والے صوفے پر جو عورت بیٹھی تھی اسے بھی میں پہچان گئی وہ بیلا تھی۔ جب یہ لوگ مجھے لے کر ان کے سامنے پہنچے تو سب سے پہلے سیٹھ رمضان کرنسی والا ہی بولا تھا۔

''آیئے آیئے..... تابندہ بیگم! کیا حال ہیں؟ آپ کچھ پریشان سی دکھائی دیتی ہیں۔ وہ آپ کے شوہر نامدار کیسے ہیں؟ وہ بھی تو آپ کے ساتھ ہی آئے تھے انہیں کہاں چھوڑ آئیں؟'' وہ خبیث بوڑھا میرا مذاق اڑا رہا تھا۔ میں خاموش رہی اور اندر ہی اندر پیچ و تاب کھانے لگی۔

پھر وہ عورت بیلا راجستھانی بولی میں ان دونوں آدمیوں سے بات کرنے لگی۔ یقیناً ان تینوں کا خیال تھا کہ میں ان کی باتوں سے لاعلم تھی، لیکن میں ان کی ساری باتیں سمجھ رہی تھی ناجی! اکثر لوگوں کو اس بات کا علم نہیں ہے کہ میری والدہ راجستھان کے ایک غیر معروف قبیلے سے تعلق رکھتی تھیں۔ میرے والد صاحب اپنے ایک راجستھانی دوست کے ساتھ راجستھان کے دور افتادہ صحرائی علاقوں میں ہرن کے شکار کے لیے جایا کرتے تھے۔ شکار کی ایسی ہی کسی مہم کے دوران ان کی ملاقات میری والدہ سے ہو گئی تھی۔ انہوں نے اپنے دوست کے توسط سے میرے نانا سے ان کا رشتہ مانگ لیا اور شادی کر کے انہیں اپنے ساتھ ہی شہر لے آئے۔ پھر وہ اپنے گاؤں کم کم ہی جاتی تھیں۔ راجستھانی میری ماں کی زبان تھی وہ جب تک زندہ رہیں میرے ساتھ اسی زبان میں بات کرتی رہیں۔ جب میں بارہ سال کی تھی تو ان کا ایک حادثے میں انتقال ہو گیا۔ اس کے بعد میں نے کبھی اپنی ماں کی زبان میں کسی کو بات کرتے نہیں دیکھا تھا اور آج دیکھا ہے تو..... کتنا برا غم ملا ہے۔ تابندہ کی آنکھوں سے ایک مرتبہ پھر آنسو بہنے لگے تھے۔

''تابندہ مجھے بتاؤ وہ آپس میں کیا گفتگو کر رہے تھے۔'' میں نے بے چینی سے اسے مخاطب کیا۔

''وہ عورت جسے تم بیلا کہتے ہو بہت خطرناک عورت ہے۔ وہ تحریمی اور سیٹھ رمضان کے ساتھ اس طرح بات کر رہی تھی جیسے کہ وہ دونوں اس کے ماتحت ہوں۔ اصل میں وہ آئندہ کا سارا پروگرام بنا رہے تھے۔ ان کے سارے منصوبے کا خلاصہ یہ ہے کہ تحریمی اور بیلا دونوں کا مشن پورا ہو چکا ہے جس کے لیے وہ انڈیا سے ہمارے ملک میں آئے تھے۔ تحریمی کے ذمے تمہاری بازیابی اور تم پر قابو پا کر تمہیں ہندوستان بھجوانا تھا۔ جس میں وہ رضیہ کی مدد سے کامیاب ہو چکا ہے اور آج وہ تمہیں لے کر ایک ویران ساحل تک پہنچا ئیں گے جہاں ایک بوٹ پہلے سے موجود ہو گی۔ بیلا اور سیٹھ رمضان کرنسی والا بھی وہیں موجود ہوں گے جو تمہیں لے کر اپنے دو آدمیوں کے ساتھ سمندری راستے سے انڈیا چلے جائیں گے۔ تحریمی بعد میں کسی مناسب موقع پر واپس جائے گا اور اگر ان کے بڑوں نے ضروری سمجھا تو اسے مزید کچھ عرصہ تک پاکستان ہی میں قیام کرنا ہو گا۔

بیلا کے ذمے پاکستان کے بعض اہم رازوں کو چرا کر ہندوستان پہنچانا تھا چنانچہ وہ بھی اپنے مشن میں کامیاب ہو چکی ہے۔ اس مشن میں سیٹھ رمضان کرنسی والا نے اس کی بہت زیادہ مدد کی ہے۔ بیلا اس غدار کی بہت تعریفیں کر رہی تھی اور انڈین حکومت سے اس کے لیے خصوصی مراعات اور انعام وغیرہ کی یقین دہانی کرا رہی تھی.....

''لیکن تمہارے مینجر اشرف صاحب نے تو مجھے بتایا تھا کہ بیلا کوئی اہم دستاویز یا تحریری مواد اپنے ساتھ لے جانے میں کامیاب نہیں ہوئی تھی۔'' میں نے کہا

''ہاں پولیس والے یہی سمجھتے ہیں کہ انہوں نے تمام تحریری مواد اپنے قبضے میں لے لیا تھا لیکن بیلا کی باتوں سے مجھے علم ہوا ہے کہ بعض اہم دستاویزات ابھی تک اس کے قبضہ میں ہیں اور اس کی خوشی سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ اس کے لیے ایک بہت ہی بڑا کارنامہ ہے۔ وہ بہت ہی مکار عورت ہے ناجی! وہ یقیناً پولیس کو بھی جل دے گئی ہے۔'' تابندہ نے بتایا۔

''وہ مجھے کب لے کر جائیں گے، اس ویران ساحل پر؟'' میں نے اس سے پوچھا۔

''آج رات ڈیڑھ بجے وہ تمہیں لے کر یہاں سے نکلیں گے۔'' یہ کہتے ہوئے اس نے اپنی کلائی پر بندھی گھڑی پر نگاہ ڈالی۔

''اس وقت دن کے بارہ بجے ہیں۔ رات ہونے میں ابھی بہت وقت ہے۔ اس سے پہلے بہت کچھ ہو سکتا ہے، لیکن رضیہ کے آنے میں صرف آدھا گھنٹہ باقی ہے۔ انہوں نے مجھے صرف دو گھنٹے کا وقت دیا تھا۔ ڈیڑھ گھنٹہ گزر چکا ہے مجھے تمہارے پاس آئے۔ مزید ہمارے پاس صرف آدھا گھنٹہ ہے۔ اس آدھے گھنٹے میں ہمیں آئندہ کے لیے لائحہ عمل طے کرنا ہے'' تابندہ نے کچھ سوچتے ہوئے معنی خیز انداز میں کہا۔

''تم کیا کرنا چاہتی ہو؟'' میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔ مجھے اس کے چہرے پر عزم نظر آیا تھا۔

''میں تمہیں بتاتی ہوں۔'' اس نے اپنی کلائی پر بندھی گھڑی کو گھورتے ہوئے کہا۔ ''یہ گھڑی جو تم میری کلائی پر دیکھ رہے ہو، یہ عام گھڑی نہیں ہے۔ یہ دراصل ایک جدید وائرلیس سسٹم کے ساتھ منسلک ٹرانسمیٹر ہے۔ فرمان نے مجھے یہ گھڑی دی تھی۔ میں چونکہ بہت خوف زدہ تھی اور ہر وقت اندیشوں کا شکار رہتی تھی اس لیے اس نے یہ گھڑی مجھے دے دی تھی اور اس کے استعمال کا طریقہ بھی سمجھا دیا تھا اور کہا تھا کہ خدانخواستہ اگر میں کسی وقت کسی مشکل میں پھنس جاؤں تو واچ ٹرانسمیٹر کے ذریعے اس سے رابطہ قائم کر کے اسے صورتحال سے آگاہ کروں۔ ویسے فرمان کا خیال تھا کہ مجھے اس کی ضرورت نہیں پڑے گی، لیکن حفظ ماتقدم کے طور پر اور میری تسلی کے لیے اس نے یہ گھڑی مجھے دے دی تھی۔'' ایک لمحے کے توقف کے بعد تابندہ پھر بولی۔

''اس مقصد کے تحت میں تمہارے پاس آئی ہوں تاکہ فرمان سے رابطہ قائم کر سکوں۔ میں نے ان شیطانوں کو یقین دلایا ہے کہ میں تم سے ان زیورات کا پتہ معلوم کر کے انہیں بتا دوں گی جو تم ہندوستان سے لے کر آئے ہو۔

انہوں نے مجھ سے ان زیورات کے بارے میں دریافت کیا تھا کہ وہ کہاں ہیں۔ ظاہر ہے میں انہیں کیسے یہ کہہ سکتی تھی کہ میں نے وہ زیورات اپنے گھر میں چھپا کر رکھے ہوئے ہیں۔ ویسے مجھے ان زیورات سے کوئی دلچسپی نہیں ہے، لیکن وہ تمہاری امانت ہیں میں تمہاری اجازت کے بغیر انہیں ان زیورات کا پتہ نہیں دے سکتی تھی اور پھر مجھے ان کی باتوں سے یہ بھی علم ہو گیا تھا کہ زیورات کے حصول کے فوراً بعد وہ مجھے قتل کر دیں گے۔

بیلا نے تو یہ تجویز دی تھی کہ مجھے اور رضیہ دونوں کو فوری طور پر شوٹ کر دیا جائے۔ اسے

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

زیورات، رضیہ اور مجھ سے کوئی دلچسپی نہیں ہے، لیکن تحریمی کی درخواست پر یہ طے پایا تھا کہ زیورات حاصل کرنے کے بعد مجھے ختم کر دیا جائے گا اور تحریمی کو اگر کسی بھی موقع پر رضیہ کی وفاداری پر کوئی شبہ ہوا تو وہ فوراً اس کا بھی خاتمہ کر دے گا۔

ویسے تحریمی کو رضیہ کی وفاداری پر پورا اعتماد ہے اور وہ رضیہ کو اس کے زیورات بھی واپس دلانا چاہتا ہے جو تمہارے پاس موجود ہیں۔ چنانچہ جب مجھے ساری صورتحال کا علم ہو گیا تو میں نے تمہارے پاس آنے کے لیے انہیں یہ یقین دلا دیا کہ میں اپنی اور تمہاری جان بچانے کے لیے تمہیں وہ سارا مال ان کے حوالے کر دینے کے لیے رضامند کر لوں گی جو تمہاری تحویل میں ہے۔

پھر تحریمی نے بڑی عیاری کے ساتھ مجھے یقین دلانے کی کوشش کی تھی کہ میں اسے اپنا دشمن نہ سمجھوں۔ بس اسے تو اپنا وہ مال واپس لینا ہے جو تم نے اپنے قبضے میں کر رکھا ہے۔ کہنے لگا، ہمیں آپ سے دشمنی نہیں ہے آپ مجھے میرا مال واپس دلا دیں تو ہم بڑے احترام کے ساتھ آپ کو اور نا جی کو واپس آپ کے گھر چھوڑ آئیں گے اور اگر آپ اس میں ناکام ہو گئیں تو پھر مجھے افسوس ہو گا کہ نا جی کے ساتھ آپ بھی بے موت ماری جائیں گی۔" حالانکہ وہ تمہیں ہندوستان بھیجنا چاہتا ہے اور مجھے زیورات حاصل کرنے کے فوراً بعد شوٹ کر دینے کا پروگرام بنا چکا ہے۔" تابندہ نے مختصر الفاظ میں مجھے تمام صورتحال سے آگاہ کرتے ہوئے کہا۔

"لیکن تابندہ! تم انسپکٹر فرمان کو کیا بتاؤ گی؟" میں نے متفکرانہ لہجے میں اس سے دریافت کیا۔

"اسے کہوں گی کہ سی آئی اے کو جن مجرموں کی اور انڈین جاسوسوں کی تلاش ہے ہم دونوں اس وقت انہی کی قید میں ہیں۔ چنانچہ وہ ہمیں ان کے چنگل سے نکال لے گا۔" تابندہ نے کہا۔

"لیکن فرمان کو یہ کیسے پتہ چلے گا کہ ہم کہاں ہیں؟"

"ہاں مجھے اس کا کچھ کچھ اندازہ ہے، اگر میرا اندازہ درست نکلا تو فرمان یقیناً یہاں تک پہنچ جائے گا۔" تابندہ نے خفیف مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "میں نے تمہیں ایک مرتبہ بتایا تھا کہ ایک مرتبہ سیٹھ رمضان کرنسی والا نے مجھے بھی اپنی ہوس کے جال میں پھانسنے کے لیے مجھ پر بھی ڈورے ڈالے تھے اور ایک مرتبہ وہ مجھے اپنی ڈیفنس والی کوٹھی میں بھی لے کر گیا تھا۔ یہ دو سال پہلے کی بات ہے، لیکن میں نے دوبارہ کبھی اسے گھاس نہیں ڈالی۔ البتہ وہ کچھ عرصہ تک مجھے پھانسنے کی کوشش کرتا رہا تھا۔ انہی دنوں ایک تقریب میں اس نے مجھے ایک دوسری جگہ کا ایڈریس دیا تھا اور میرے ساتھ ملاقات کا وقت بھی طے کیا تھا، لیکن میں نے نہ جانے کا ارادہ کیا اور نہ گئی۔ وہ ایڈریس شیر شاہ میں برلب سڑک ایک پرانے بنگلے کا تھا۔ ایک مرتبہ شیر شاہ سے گزرتے ہوئے میری نگاہ ایک بنگلے پر پڑی تو میں نے اس کے پورچ میں سیٹھ رمضان کی سرخ گاڑی کھڑی دیکھی تھی۔ اس وقت مجھے خیال آیا تھا کہ سیٹھ رمضان کرنسی والا نے مجھے شیر شاہ کے جس بنگلے میں آنے کی دعوت دی تھی غالباً یہ وہی بنگلہ ہے۔"

"لیکن تم کیسے کہہ سکتی ہو کہ ہم اس وقت شیر شاہ میں ہیں؟" میں نے اس سے دریافت کیا۔

"یہ فقط میرا اندازہ ہے اور اس اندازے کو جس چیز نے تقویت دی ہے وہ اس کے گیٹ پر بیٹھا وہ شخص ہے جسے میں نے ایک مرتبہ سیٹھ رمضان کی کوٹھی میں دیکھا تھا اور پھر سیٹھ رمضان خود بھی یہاں موجود ہے۔ بہرحال یہ ایک اندازہ ہے اور میں اسے نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔ ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں ان درندوں کے چنگل سے نکال ہی لے۔" اس نے پُرامید انداز میں کہا۔

"ہاں اللہ کرے ایسا ہی ہو، لیکن رضیہ ابھی تھوڑی دیر میں آ جائے گی اسے کیا جواب دو گی؟" میں نے تشویش ناک انداز میں اس سے پوچھا۔

"وہ بعد میں سوچ لیں گے۔ میں پہلے فرمان سے بات کر لوں۔ وقت بہت تھوڑا رہ گیا ہے۔" یہ کہتے ہوئے اس نے گھڑی اپنی کلائی سے اتار لی اور اس کی سائیڈ پر لگے ہوئے ایک بٹن کو کھینچ کر باہر نکال لیا اور اسے گھمانے لگی۔ گھڑی کے ڈائل پر ایک جگہ نمبر ظاہر ہو گئے اس نے نمبروں کو ترتیب دے کر بٹن کو تھوڑا سا اندر کی جانب دبا کر گھمایا تو گھڑی کے ڈائل پر ایک باریک سی روشنی ظاہر ہو کر جلنے بجھنے لگی اور ٹیں ٹیں کی ہلکی ہلکی آواز آنے لگی۔ پھر چند سیکنڈ کے بعد فرمان کی ہلکی سی لیکن واضح آواز آئی۔

"ہیلو تابندہ......! ہیلو، ہیلو میں فرمان بول رہا ہوں۔"

"فرمان! تابندہ بول رہی ہوں۔" تابندہ نے جواب دیا۔

"تابندہ! تم کہاں ہوں......؟ میں صبح سے تمہیں جگہ جگہ تلاش کرتا پھر رہا ہوں تم خیریت سے تو ہو؟ نا جی تمہارے ساتھ ہے کیا؟" فرمان کی آواز آئی۔

"ہاں! فرمان! نا جی میرے ساتھ ہے۔ تم ذرا غور سے میری بات سنو میں تمہیں سب کچھ بتاتی ہوں۔" پھر تابندہ نے مختصراً اسے سارے حالات سے آگاہ کر دیا اور اسے اس بنگلہ کا محل وقوع بھی سمجھا دیا جہاں تابندہ کے خیال کے مطابق ہم لوگوں کو رکھا گیا تھا۔

"تابندہ تم نے جو حالات بتائے ہیں ان کی روشنی میں، میں نے یہ اندازہ لگایا ہے کہ وہ لوگ اس مال کے حصول کے لیے کم از کم نا جی کے انڈیا روانہ ہونے تک تمہیں ڈھیل دے سکتے ہیں تم انہیں کسی طرح رات ڈیڑھ بجے تک ٹالتی رہو اور انہیں ان زیورات کا پتہ اس وقت تک نہ بتاؤ جب تک کہ وہ نا جی کو روانہ نہ کر دیں۔ نا جی کے روانہ ہونے کے بعد یعنی رات ڈیڑھ بجے تم انہیں زیورات کا پتہ بتا سکتی ہو۔ نا جی کے اس بنگلے سے نکلنے کے فوراً بعد ہم بنگلے پر ریڈ کر دیں گے اور انشاء اللہ تمہیں اور اشرف صاحب کی بیٹی کو ان کے چنگل سے نکال لیں گے۔" فرمان نے کہا

"اور نا جی کا کیا ہو گا فرمان!" تابندہ نے بے چینی سے پوچھا۔

"نا جی کے متعلق تم بالکل فکر نہ کرو۔ وہ لوگ نا جی کو انڈیا بھیجنا چاہتے ہیں اور اگر نا جی نے کوئی مزاحمت نہ کی تو وہ اسے کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے۔ زیادہ سے زیادہ وہ اسے بے ہوش کر سکتے ہیں لیکن تم بے فکر رہو میں اسے انڈیا جانے نہیں دوں گا۔ دراصل میں بیلا اور سیٹھ رمضان کو اس بوٹ سمیت اور ان تمام اہم دستاویزات کے ساتھ گرفتار کرنا چاہتا ہوں جو بیلا کے قبضے میں ہیں۔ اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ نا جی ان کے ساتھ بغیر کوئی مزاحمت کیے ساحل تک پہنچ جائے۔ ویسے ہم لوگ ابھی سے اس بنگلے کو انڈر آبزرویشن کر لیں گے۔"

"فرمان! سارا کام احتیاط سے کرنا۔ یہ لوگ بڑے بے حس اور ظالم ہیں۔ اگر انہیں شک ہو گیا کہ سی آئی اے والے ان کے تعاقب میں ہیں تو نہ جانے وہ کیا کچھ کر گزریں۔ تابندہ نے اپنی پریشانی کا

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

اظہار کیا۔

"تم بے فکر رہو۔ میں پوری احتیاط کروں گا۔" اس نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے فرمان! اب وہ عورت رضیہ بس آنے ہی والی ہے۔" تابندہ نے کہا۔

"ٹھیک ہے تابندہ! جیسے میں نے کہا ہے ویسے ہی کرو۔ اللہ حافظ۔" اس نے کہا اور اس کے ساتھ ہی ڈائل پر ظاہر ہونے والی روشنی بجھ گئی۔ تابندہ نے گھڑی کے پہلو سے باہر نکلے ہوئے بٹن کو دبا کر اندر کر دیا اور گھڑی کو اپنی کلائی پر باندھ لیا۔

میں نے تابندہ کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔

"تابندہ! تم انہیں رات ڈیڑھ بجے تک کیسے ٹالتی رہو گی؟ آخر تم انہیں کس بہانے سے ٹال سکتی ہو؟"

"ہاں یہ سوچنے کی بات ہے۔ تم بتاؤ میں انہیں کیا کہوں۔ کیا میں انہیں یہ کہہ دوں کہ تم نے مجھے ان زیورات کا پتہ نہیں بتایا۔" تابندہ نے پوچھا۔

"نہیں اگر تم نے انہیں یہ بات کہہ دی تو وہ تم سے ناامید ہو جائیں گے اور پھر انہیں تمہاری کوئی ضرورت باقی نہیں رہے گی۔" میں نے جلدی سے کہا۔ "تم ان پر یہی ظاہر کرو کہ میں نے تمہیں زیورات کا پتہ بتا دیا ہے۔" میں نے ایک لمحہ ٹھہر کر کہا۔ "تاکہ انہیں تم سے امید باقی رہے۔"

"تو پھر تو وہ مجھ پر تشدد کریں گے تاکہ میں ان کے سامنے زبان کھول دوں۔" تابندہ کے چہرے سے خوف اور پریشانی کا اظہار ہو رہا تھا۔

مجھے خود کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا کیا جائے۔ میں اپنی جگہ سے اٹھ کر کمرے میں ٹہلنے لگا۔ اسی اثنا میں کمرے کا دروازہ کھلنے کی آواز آئی۔ میں نے چونک کر دروازے کی طرف دیکھا تو وہاں رضیہ کھڑی نظر آئی۔ وہ باہر راہ داری میں کھڑی تھی اور پستول اس کے ہاتھ میں دبا ہوا تھا۔ پھر اس نے وہیں کھڑے کھڑے بلند آواز سے کہا "آ جاؤ تابندہ! تمہارا وقت ختم ہو چکا ہے۔"

تابندہ نے میری جانب دیکھا اور اٹھ کر باہر کو چل دی۔ تب میں نے اس سے بلند آواز میں کہا۔

"انہیں زیورات کا پتہ مت بتانا تابندہ! پہلے یہ ہمیں یہاں سے رہا کریں اس کے بعد میں ہم انہیں زیورات کا پتہ بتا دیں گے...... میں نے تمہاری بات مان لی ہے، اب تم بھی میری یہ بات مان لو، انہیں زیورات کا پتہ مت بتانا۔ میری بات ختم ہوئی تو تابندہ نے دروازے سے باہر قدم رکھ کر میری طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں چمک تھی۔ جو اس بات کی دلیل تھی کہ اسے میری تجویز پسند آئی ہے۔ اب وہ انہیں رات ڈیڑھ بجے تک کسی نہ کسی طرح ٹال سکتی تھی۔

دروازہ یک دم بند ہو گیا اور میں کمرے میں اکیلا رہ گیا۔ اب میں تھا اور خیالات کا ہجوم تھا۔ اندیشوں کے بادل تھے اور غموں کے سائے تھے، امیدوں کی بجلیاں رہ رہ کر چمکتی تھیں اور پھر ناامیدی کے اندھیرے مجھے گھیر لیتے تھے۔ کبھی اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا تھا، دل ہی دل میں اس مالک کو پکارتا تھا، اس خالق حقیقی سے رحم کی اپیلیں کرتا تھا، اپنے گناہوں کی معافیاں مانگتا تھا اور آئندہ کے لیے اس کی نافرمانیوں سے توبہ کرتا تھا۔

میں نہیں جانتا تھا کہ آئندہ لمحات میں کیا ہونے والا تھا۔ میں ایک ایسے کمرے میں بند تھا جس سے باہر نکلنا میرے بس سے باہر تھا۔ میری نوبیاہتا بیوی میرے دشمنوں کے نرغے میں مجھ سے جدا نہ جانے کن حالات سے دوچار تھی۔ میں اپنی بے بسی پر کبھی نوحہ کناں ہوتا تھا اور کبھی حالات کی ستم ظریفی پر پاگلوں کی طرح قہقہے لگانے کو جی کرتا تھا۔

میں کبھی اٹھ کر ٹہلنے لگتا تھا اور کبھی گھٹنوں میں منہ دے کر دیوار سے لگ کر بیٹھ جاتا تھا۔ مجھے کسی پل چین نہیں آتا تھا۔ وقت یقیناً گزر رہا ہوگا لیکن مجھے یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وقت تھم چکا ہے اور میں جیسے ازل سے اس کمرے میں قید تھا اور جیسے ابد تک مجھے یہیں رہنا تھا۔

پھر نہ جانے وہ وقت کیسے گزر گیا۔ آخر وہ لمحہ بھی آ گیا جب کسی نے باہر سے دروازہ کھول دیا میں دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔ میں نے سر اٹھا کر دیکھا دروازے کے سامنے ایک آدمی ہاتھ میں مشین گن لیے کھڑا تھا۔ مشین گن کا رخ میری جانب تھا۔ اس نے کڑک کر کہا۔

"اٹھو اور خاموشی سے باہر آ جاؤ۔"

میں آہستہ سے اٹھا اور آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا باہر آ گیا۔ باہر راہ داری میں ایک اور آدمی مشین گن اٹھائے کھڑا تھا۔ مجھے دیکھ کر وہ اسی طرف چل دیا جس طرف سے رضیہ ہمیں صبح لے کر یہاں آئی تھی۔ وہ آدمی جس نے مجھے کمرے سے باہر نکلنے کے لیے کہا تھا بولا:

"اس کے پیچھے چلو اور اگر ہوشیار بننے کی کوشش کی تو اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھو گے۔"

میں چل پڑا۔ میں جانتا تھا، وہ مجھے کہاں لے جا رہے ہیں۔ میں خاموشی سے چلتا رہا۔ عمارت سے باہر پورچ میں ایک بڑی سی سیاہ گاڑی کھڑی تھی۔ انہوں نے مجھے پچھلی سیٹ پر بٹھا دیا اور ایک آدمی میرے ساتھ بیٹھ گیا اس کا اور اس کی مشین گن کا رخ میری جانب تھا۔ دوسرا آدمی اگلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ وہ بیٹھا تو ڈرائیور نے گاڑی کو سٹارٹ کر کے آگے بڑھا دیا۔ گاڑی کے شیشے سیاہ تھے اور سڑکوں پر ٹریفک کم تھا۔ کوئی مجھے دیکھنے والا نہیں تھا اور مجھے بھی کسی کو نہیں دیکھنا تھا۔ ساحل پر پہنچنے تک کا وقت سکون کا وقت تھا۔ مجھے علم تھا اس سے پہلے پولیس والے مداخلت نہیں کریں گے۔ میں چپ چاپ آنکھیں بند کیے سیٹ کی پشت سے ٹیک لگائے بیٹھا رہا۔ گاڑی فراٹے بھرتی رہی۔

پھر ہم ساحل پر بھی پہنچ گئے۔ انہوں نے مجھے گاڑی سے باہر نکالا۔ سامنے سمندر کی لہریں پرسکون تھیں یہ چاند کی آخری تاریخیں تھیں۔ سمندر پرسکون تھا۔ ساحل ویران تھا میں نے ادھر ادھر نظریں گھما کر جائزہ لیا کہ وہ سی آئی اے والے کہاں ہیں۔ مجھے کچھ نظر نہیں آیا۔ میں پیش آئندہ حالات و واقعات کا انتظار کرنے لگا۔ وہ دونوں مشین گنوں والے میرے دائیں بائیں مشین گنیں مجھ پر تانے کھڑے تھے۔ ڈرائیور گاڑی سے نہیں اترا تھا۔

پھر سمندر کی لہروں پر ایک دھبہ نظر آنے لگا۔ ایک ہیولہ، پھر اس کی آواز بھی کانوں تک آنے لگی اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ سپیڈ بوٹ اس ویران ساحل کے قریب آ کر رک گئی پھر آہستہ آہستہ قریب ہوتے ہوئے ساحل کے ساتھ آ لگی۔ بوٹ کے اندر سے پہلے دو آدمی باہر نکلے ان میں سے ایک بوٹ پر رہا اور دوسرا ساحل پر اتر آیا۔ ان دونوں کے ہاتھوں میں بھی مشین گنیں دبی ہوئی تھیں۔ پھر ایک عورت

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

سپیڈی بوٹ کے اندر سے برآمد ہوتی نظر آئی۔ وہ بیلا تھی جیسے ہی وہ عورت بوٹ سے نکل کر اوپر آ کر کھڑی ہوئی تو یوں لگا جیسے اندھیرے نے دو گولیاں اگل دی ہوں۔ یک وقت کئی اطراف سے فائر ہوا تھا اور وہ چاروں مشین گنوں والے ڈھیر ہو گئے تھے اور چشم زدن میں دو آدمی جیسے اڑتے ہوئے بوٹ پر گرے تھے اور انہوں نے بیلا کو اپنی گرفت میں لے کر اس کے ہاتھ پاؤں رسیوں سے جکڑ دیئے تھے۔ اسی اثنا میں دو آدمیوں نے گاڑی کے ڈرائیور کو قابو کر کے جکڑ لیا تھا۔

پولیس والے بڑے مستعد لوگ تھے انہوں نے فوری طور پر بوٹ پر بھی قبضہ کر لیا تھا۔ بوٹ کے اندرونی حصے سے دو مزید آدمی گرفتار کیے گئے تھے ان میں ایک سیٹھ رمضان کرسی والا تھا دوسرا بیلا کا ساتھی رہا ہو گا جو بوٹ کو ڈرائیو کرتا تھا۔

آناً فاناً سی آئی اے کے تربیت یافتہ لوگوں نے ساری صورتحال پر قابو پا لیا تھا۔ چار اسلحہ بردار آدمی جہنم واصل ہو چکے تھے۔ بیلا، سیٹھ رمضان ہمارے ساتھ جانے والے گاڑی کے ڈرائیور اور سپیڈی بوٹ کے ڈرائیور کو گرفتار کر کے اور رسیوں سے باندھ کر کچھ فاصلے پر کھڑی پولیس کی گاڑیوں میں ڈال دیا گیا تھا۔ بوٹ کی مکمل تلاشی لی گئی تھی جس میں سے دو فائل اور پتہ نہیں کیا کیا کچھ ملا تھا۔

پھر ہماری واپسی ہوئی۔ اس آپریشن میں حصہ لینے والے سی آئی اے کے دو بڑے افسران کے ساتھ ایک جیپ میں مجھے بھی سوار کر لیا گیا۔ راستے میں، میں نے ایک آفیسر سے تابندہ کے بارے میں پوچھا تو اس نے بتایا کہ سیٹھ رمضان کے شیر شاہ والے بنگلے پر کامیاب ریڈ ہوا تھا جس کی اطلاع موبائل سروس کے ذریعے انہیں تھوڑی دیر قبل ملی تھی۔ اس ریڈ میں تابندہ اور اس کے منیجر اشرف صاحب کی بیٹی کو بحفاظت بازیاب کر لیا گیا ہے اور تحریمی، رضیہ اور چند دوسرے لوگ مارے گئے ہیں اور بنگلے میں موجود بقیہ تمام افراد کو گرفتار کر لیا گیا ہے۔ اس نے بتایا کہ یہ مختصر اطلاع تھی تفصیل واپس پہنچ کر معلوم ہو گی۔

تابندہ کی خیریت معلوم کر کے دل کو اطمینان ملا۔ میں نے دل کی گہرائیوں سے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ میرا جی چاہا کہ اسی وقت اپنے مالک کے حضور سجدہ میں گر جاؤں۔ اس کے انعامات بے شمار تھے۔ اس کی کون کون سی نعمت کا شکریہ ادا کیا جائے۔ انسان بڑا ہی ناشکرا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں شرابور رہنے کے باوجود اس معبود حقیقی سے بھاگا پھرتا ہے۔ میں نے ساری زندگی اپنے مالک کی نافرمانی میں گزار دی تھی۔ اس کے انعامات کی شکرگزاری کے بجائے میں نے اس کے احکامات کی بجاآوری سے منہ موڑے رکھا تھا۔ اسے بھلائے رکھا تھا۔ دل ہی دل میں میں نے اللہ تعالیٰ سے معافی مانگی اور آئندہ اس کی چاہت والی زندگی گزارنے کا عزم کیا۔

سی آئی اے کے آفس میں پہنچ کر میرا تفصیلی بیان ریکارڈ کیا گیا۔ میں نے اپنے اغوا کر کے انڈیا لے جائے جانے سے اب تک کے وہ تمام واقعات جن کا تعلق را کی بدنام زمانہ تنظیم کے ساتھ تھا، اپنی بعض لغزشوں کو حذف کرتے ہوئے بیان کر دیئے۔

بیان دینے کے بعد جب میں ایک افسر کے ساتھ ایک دوسرے کمرے میں پہنچا تو وہاں تابندہ، اشرف صاحب کی بیٹی اور فرمان پہلے سے موجود تھے۔ مجھے دیکھ کر وہ تینوں اپنی جگہ سے کھڑے ہو گئے اور مجھ سے میری خیریت دریافت کرنے لگے، میں نے انہیں بتایا کہ میں بالکل خیریت سے ہوں۔

پھر میرے دریافت کرنے پر تابندہ نے مجھ سے الگ ہونے کے بعد سے لے کر اب تک کے سارے واقعات بتا دیئے۔ اس کے بیان کے مطابق تحریمی اور رضیہ نے زیورات کا پتہ معلوم کرنے کے لیے اسے بہت زیادہ ہراساں کرنے کی کوشش کی تھی لیکن وہ اسی ایک بات پر مصر رہی کہ پہلے وہ انہیں رہا کر دیں پھر بعد میں ہم انہیں زیورات حوالے کریں گے۔ اس نے بتایا کہ انہوں نے اسے رات ایک بجے تک کا وقت دے کر اشرف صاحب کی بیٹی کے ساتھ بند کر دیا تھا اور یہ دھمکی دی تھی کہ اگر ایک بجے تک اس نے زیورات کا پتہ نہ بتایا تو وہ ناجی سمیت ہم تینوں کو قتل کر دیں گے۔ ایک بجنے سے چند منٹ پہلے تحریمی دو مسلح آدمیوں کے ساتھ ان کے کمرے میں داخل ہوا اور اس نے تابندہ سے کہا کہ اگر وہ اب بھی زیورات کا پتہ نہیں بتاتی تو پھر مرنے کے لیے تیار ہو جائے۔ قتل کرنے کے لیے انہوں نے پہلے اشرف صاحب کی بیٹی کا انتخاب کیا تھا اور جب وہ اسے گولی مارنے لگے تو تابندہ نے اس کی جان بچانے کے لیے انہیں زیورات کا پتہ بتا دیا۔ تحریمی نے کہا کہ ہم پہلے تمہاری اطلاع کی تصدیق کریں گے اگر ہمیں زیورات مل گئے تو تمہیں چھوڑ دیں گے اور اگر تمہاری خبر غلط ثابت ہوئی تو تمہیں زندہ نہیں چھوڑا جائے گا۔ یہ کہہ کر وہ چلا گیا۔

پھر کچھ دیر کے بعد سی آئی اے والوں نے بنگلے پر ہلہ بول دیا تھا۔ ساری فضا گولیوں کی آواز سے گونج اٹھی تھی۔ سی آئی اے والوں کا چھاپہ کامیاب رہا تھا۔ رضیہ اور تحریمی فرار ہوتے ہوئے مارے گئے تھے۔ تمام مجرموں کو گرفتار کر لیا گیا تھا تابندہ اور اشرف صاحب کی بیٹی کو وہاں سے نکال کر یہاں سی آئی اے کے آفس لے آیا گیا تھا۔ جہاں ان دونوں کے بیانات لینے کے بعد یہ لوگ میرے انتظار میں بیٹھے تھے۔

فرمان نے بتایا کہ جن لوگوں کو تحریمی نے تابندہ کے گھر کی تلاشی کے لیے بھیجا تھا انہیں بھی راستے ہی میں گرفتار کر لیا گیا تھا۔ اس سارے آپریشن میں دس آدمی مجرموں کے قتل ہوئے تھے اور پولیس کے دو آدمی معمولی زخمی ہوئے تھے۔

میں نے فرمان سے کہا کہ وہ زیورات میں حکومت کے حوالے کرنا چاہتا ہوں کیونکہ میں ان پر اپنا کوئی حق خیال نہیں کرتا۔ اس نے کہا کہ یہ بہت اچھی بات ہے اور وہ کل دن میں کسی وقت ہمارے یہاں پہنچ کر ان زیورات کو اپنی تحویل میں لے لے گا۔ اس نے مجھے بتایا کہ سی آئی اے کے اعلیٰ افسران نے را کے خلاف میری کارروائیوں کو بہت زیادہ سراہا ہے۔ میرے تمام کارناموں کی تفصیلی رپورٹ باضابطہ طور پر تیار کی جا رہی ہے اور امید ہے کہ حکومت میرے ان کارناموں کی قدر افزائی کے صلے میں مجھے اعزاز و اکرام سے بھی نوازے گی اور اس کے لیے خاص طور سے ایک تقریب کا اہتمام کیا جائے گا، لیکن اس سے قبل مجھے اپنے خلاف دائر مقدمات کی صفائی کے لیے سی آئی اے کے وکیل صفائی کی مدد کرنا پڑے گی۔ فرمان نے کہا کہ اسے امید ہے کہ چند روز میں ہی میرے خلاف تمام مقدمات خارج ہو جائیں گے۔

سی آئی اے کے دفتر سے ہم چاروں پہلے اشرف صاحب کے گھر پہنچے وہاں وہ شریف آدمی پریشان بیٹھا اپنی بیٹی کی بازیابی کی دعائیں مانگ رہا تھا۔ بیٹی کو دیکھ کر اس کی آنکھوں سے خوشی اور تشکر کے آنسو جاری ہو گئے۔ اس نے اپنی بیٹی کو گلے لگایا۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور فرمان کا از حد ممنون ہوا۔ اس کا بس نہیں چلتا تھا کہ وہ فرمان کا شکریہ کیسے ادا کرے۔

www.pdfbooksfree.pk

aazzamm@yahoo.com

صبح کا اجالا پھیل چکا تھا جب ہم لوگ اپنے گھر پہنچے۔ تابندہ نے فرمان کو ناشتے کے لیے روکنے کی بہت کوشش کی لیکن وہ نہیں رکا۔ وہ بہت تھک چکا تھا۔ وہ کئی روز سے مسلسل بھاگ رہا تھا اب وہ گھر پہنچ کر آرام کرنے کے موڈ میں تھا۔ چنانچہ یہ کہتے ہوئے روانہ ہو گیا۔

''تابندہ تم مجھے ناشتے پر ٹرخانا چاہتی ہو۔ ابھی تو تمہاری شادی کا کھانا اور ولیمہ بھی تم لوگوں پر قرض ہے۔ اور ناجی کی بازیابی پر ایک شاندار پارٹی بھی تمہارے ذمے ہے۔ میں یہ سارے کھانے کھا کر چھوڑوں گا اس کے بعد ناشتے کی باری آئے گی۔ سمجھیں تم؟ اب مجھے اجازت دو۔''

وہ چلا گیا۔ ہم دونوں اسے جاتے ہوئے دیکھتے رہے۔ جب اس کی گاڑی گیٹ سے باہر نکل گئی تب ہم نے مڑ کر ایک دوسرے کو دیکھا اور میں نے مضبوطی سے تابندہ کا ہاتھ تھاما اور اسے لے کر اندر کی جانب چل پڑا۔

ختم شد

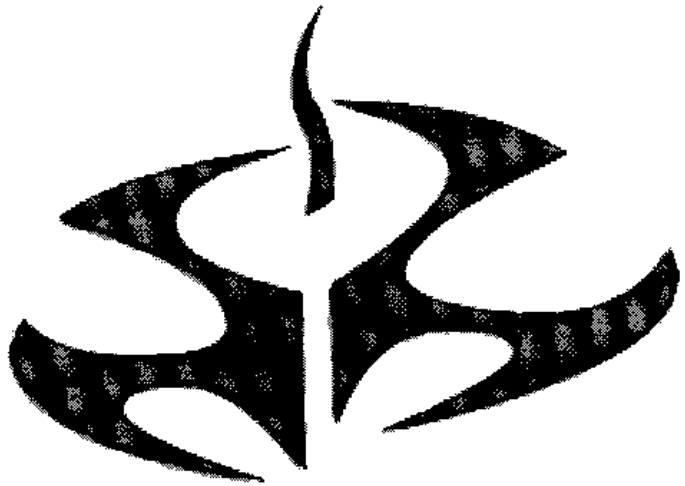

Azam & Ali

aazzamm@yahoo.com
www.pdfbooksfree.pk